www.iqbalkalmati.blogspot.com

عنایت اللہ

جوانی کے جنگل میں

ایک فوجی کی آپ بیتی

مکتبہ داستان

پیش لفظ

پیش لفظ لکھنا ضروری نہیں تھا۔ کہانی آپ کو خود بتائے گی کہ نانک غلام مہدی نے مجھے کیوں سنائی اور میں نے کیوں قلمبند کی۔ کہانی کا پلاٹ کسی افسانہ نویس کا شاہکار نہیں، یہ حالات کی تخلیق ہے۔ یہ ایک فوجی کی آپ بیتی ہے جسے جنگِ عظیم اور ملایا کے جنگلوں میں نہ صرف نئی زندگی ملی بلکہ نیکی اور بدی کا وہ فلسفہ ملا جو کتابوں میں کم ہی ملتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ آپ بیتی صرف دلچسپ، سنسنی خیز اور جذبات میں ہیجان بپا کر دینے والی کہانی ہی نہیں، ایک عظیم پیغام کی حامل روئیداد بن جاتی ہے۔

پیش لفظ یا تعارف اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ اس آپ بیتی کا ماحول ایسا ہے جو عجیب سا بھی لگتا ہے اور غیر حقیقی سا بھی۔ یہ عجیب ضرور ہے غیر حقیقی نہیں۔ جنگِ عظیم دوم جب آج کے انڈونیشیا اور ملائشیا کے جنگلوں میں آئی تھی، وہاں برٹش آرمی اور انڈین آرمی کی کئی ایک یونٹیں تھیں۔ جاپانی فوجیں طوفان کی طرح آئیں اور انہوں نے برطانیہ اور برطانوی ہند کی یونٹوں سے ہتھیار ڈلوا لیے اور انہیں جنگی قیدی بنا لیا۔ بہت سے فوجی اِدھر اُدھر جنگلوں اور دشوار گزار علاقوں میں جا چھپے۔ ان علاقوں کے مقامی لوگوں نے انہیں چھپائے رکھا اور ان کی مدد کی۔

جنگ ختم ہوئی تو کئی ایک مسلمان فوجی وہاں کی لڑکیوں کے ساتھ باقاعدہ شادی کر کے انہیں ساتھ لے آئے تھے۔

ان حالات اور اِن جنگلات نے بہت سی کہانیوں کو جنم دیا تھا۔ انگریزی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں ایسی کئی ایک سچی کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ سچی کہانیوں کی تلاش کا رواج نہیں اس لیے ایسی کوئی آپ بیتی سامنے نہ آسکی جیسی نائک غلام مہدی سنا رہے ہیں۔ اتفاق سے میں نے وہ جنگل دیکھے ہیں جن میں یہ ڈرامہ شروع ہو کر عروج تک پہنچا، اور میں نے جنگ بھی دیکھی ہے، اس لیے میرے لیے یہ آپ بیتی خیالی داستان نہیں۔

نائک غلام مہدی ملایا کے جنگل کی بجائے جوانی کے جنگل کا ذکر زیادہ کرتے ہیں اور انہوں نے دو فوجوں کی جنگ کا اتنا ذکر نہیں کیا جتنا اُس جنگ کا کیا ہے جو انہوں نے اپنے خلاف لڑی۔

یہی وہ پہلو ہے جس نے مجھے یہ آپ بیتی سننے اور قلمبند کرنے پر اکسایا تھا۔

عنایت اللہ
مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

انگریزوں کے دورِ حکومت میں توپخانے میں نائک تھا۔ ۱۹۲۸ء میں میں جب مجھے نائکی کا عہدہ ملا، میں انبالہ چھاؤنی میں تھا۔ باپ نے مجھے خط لکھا کہ میں چھٹی لے کر آؤں تاکہ میری شادی کر دی جائے۔ شادی تو میری تین چار سال پہلے ہو جانی چاہئے تھی۔ دیہات میں لڑکے کو پچیس سال کی عمر تک کون بغیر شادی کے رہنے دیتا ہے لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ دو بہنیں جوان تھیں۔ انہیں بیاہنا زیادہ ضروری تھا۔ دونو کو بیاہ تو دیا مگر دیہات کی رسموں اور جہیز نے ہماری کمر توڑ کر ہمیں گھٹنوں بٹھا دیا۔

میری شادی اپنے تایا کی بیٹی کے ساتھ ہونی تھی۔ ہمارے پاس پلے کچھ نہیں رہا تھا کہ میری شادی جلدی ہو سکتی۔ زمین تھوڑی تھی۔ اس کی پیداوار سے کچھ بچت کر لیتے تھے اور کچھ میں تنخواہ سے بچا لیتا تھا۔ راشن، وردی اور بارکوں میں رہائش کا انتظام سرکاری تھا۔ تنخواہ میں سے کچھ بچت ہو جاتی تھی۔

۱۹۲۸ء کے آخر میں ایک تو مجھے نائک بنا دیا گیا، دوسرے یہ حکم آیا کہ ہماری توپخانہ رجمنٹ ملایا جا رہی ہے۔ اُس وقت ملایا اور سنگاپور وغیرہ انگریز کی بادشاہی میں تھے۔ اس حکم کے ساتھ ہی مجھے باپ کا خط ملا کہ شادی کے لیے چھٹی لے کر آؤ۔ میں باپ کو یہ جواب دینا چاہتا تھا کہ شادی کے لیے ابھی پیسے پورے نہیں ہوئے لیکن مجھے بغیر مانگے پندرہ دنوں کی چھٹی مل گئی کیونکہ رجمنٹ سمندر پار جا رہی تھی اور لمبے عرصے کے لیے جا رہی تھی۔ تمام رجمنٹ کو پندرہ دنوں کی چھٹی بھیج دیا گیا۔

گھر گیا تو میرے ماں باپ نے مجھے بتایا کہ لڑکی کا باپ جو میرا تایا تھا انہیں پریشان کر رہا ہے کہ لڑکی جوان ہو گئی ہے، شادی جلدی کرو۔ اس کی لڑکی ابھی مشکل سے سولہ سال کی ہوئی تھی۔ میں خود ہی اپنے تایا سے ملا اور اُسے کہا کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ غیر نہیں ہیں۔ ہمارے گھر کی حالت آپ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہمیں دو تین سال کی اور مہلت دے دیں تاکہ ہم کچھ اور رقم جمع کر لیں اور ایسی شان سے شادی کرنے کے قابل ہو جائیں کہ لوگ ہمیشہ یاد رکھیں۔ میں نے تایا سے یہ بھی کہا کہ لڑکی ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہوئی، آپ تین سال آسانی سے انتظار کر سکتے ہیں۔ میری رجمنٹ ملایا جا رہی ہے جہاں کم از کم تین سال رہے گی۔ وہاں مجھے یہ فائدہ ہوگا کہ سمندر پار سروس کا الاؤنس ملے گا جو میں پورے کا پورا بچا لوں گا۔

تایا کو دراصل یہ غم لگا ہوا تھا کہ میں شاید اس کی بیٹی کا رشتہ قبول نہیں کر رہا۔ برادری کو معلوم تھا کہ بچپن میں میرے باپ اور تایا نے یہ رشتہ طے کیا تھا جسے دیہاتی زبان میں "زبان دینا" کہتے ہیں۔ برادری میں مجھے دو رشتے اور بھی مل رہے تھے لیکن "زبان" کے مطابق میں پابند تھا کہ تایا زاد کے ساتھ شادی کروں۔ اگر میں کہیں اور کرتا تو اس میں تایا کی بڑی بے عزتی تھی۔

راز کی بات یہ ہے کہ لڑکی مجھے بہت چاہتی تھی۔ میرے دل میں اتنی زیادہ محبت نہیں تھی جتنی اُس کے دل میں میری تھی لیکن میں اُسے پسند کرتا تھا۔ میری نظر کسی اور لڑکی پر نہیں تھی۔

تایا نے مجھے اپنا غم بتا دیا۔ وہ برادری کی باتوں اور طعنوں سے ڈرتا تھا۔ اُس نے کہا کہ شادی نہ ہو سکے تو منگنی پکی ہو جانی چاہیئے تاکہ گاؤں میں اس کا سر نیچا نہ ہو۔

میرے ماں باپ کو یہ بات اچھی لگی۔ تیسرے چوتھے روز ساری برادری کو بلا کر منگنی کی رسم ادا ہوئی جس پر ہماری بہت سی رقم لگ گئی۔ دو چار روز بعد میری منگیتر نے میری بڑی بہن سے کہا کہ بھلے ساری عمر انتظار کرائے گا تو میں ساری عمر انتظار میں بیٹھی رہوں گی، شادی اسی سے کروں گی۔

وہ ان لڑکیوں آپس میں ایسی باتیں کرتی ہی رہتی ہیں۔ بہن نے مجھے بتایا تو

میں ہنس پڑا، پھر منگیتر کی یہ بات میرے دل سے اُتر گئی۔ اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ اس لڑکی نے یہ بات ویسے ہی نہیں کہہ دی، بلکہ یہ بات اُس کے دل کی گہرائی سے نکلی ہے تو میں اُسے دل سے نہ اتارتا مگر میں ہنس پڑا اور مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ اس ہنسی کے جُرم کی یہ سزا ملے گی کہ میں ساری عمر روتا رہوں گا اور میرے گھر میں قتل تک کی نوبت پہنچے گی۔

میں چھٹی کاٹ کر انبالہ چلا گیا۔ ہماری تو پخانہ رجمنٹ بذریعہ ریل گاڑی کلکتہ پہنچی۔ وہاں سے بذریعہ بحری جہاز ملایا پہنچ گئی۔ وہاں چند مہینے ہم بارکوں میں رہے۔ وہاں زیادہ آبادی مسلمانوں کی تھی۔ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان تاجر اور دکاندار بھی وہاں کاروبار کرتے تھے۔ فوج تو ساری ہندوستانیوں کی تھی جس میں پنجابی زیادہ تھے۔ ہندوستانیوں کی وجہ سے ملایا کے اکثر دکاندار اردو بول اور سمجھ سکتے تھے اور ہم اُن کی زبان کے بعض الفاظ اور فقرے سمجھنے لگے تھے۔

۱۹۳۹ء کا سال شروع ہو چکا تھا۔ مجھے مہینے یاد نہیں رہے۔ ہماری رجمنٹ کو کبھی ساحل پر بھیج دیا جاتا اور کبھی جنگلوں میں۔ یہ ہماری ٹریننگ تھی۔ ہماری رجمنٹ کو اس علاقے کا جو جنگل ہی جنگل تھا، عادی بنایا جا رہا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں ہی جرمنی نے دوسری جنگِ عظیم شروع کر دی۔ ہماری ٹریننگ پہلے سے زیادہ کر دی گئی، لیکن ہم نے اپنے کسی انگریز افسر کو گھبراہٹ کی حالت میں نہ دیکھا۔ جنگ یورپ میں ہو رہی تھی۔ وہاں سے ملایا بہت دور تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ملایا کے تین طرف سمندر ہے اور شمال میں خشکی۔

۱۹۴۰ء کا سال بھی ایسے ہی گزرا کہ ہماری رجمنٹ کبھی بارکوں میں ہوتی، کبھی جنگلوں میں۔ ۱۹۴۱ء کے آخر میں جاپان بھی جنگ میں شامل ہو گیا۔ انگریز افسروں کو ہم نے سخت گھبراہٹ کی حالت میں دیکھا۔ پتہ چلا کہ جاپان کے بحری جہاز قریب آ گئے ہیں۔ جاپانی فوج کے متعلق عجیب و غریب اور خوفناک افواہیں مشہور ہو گئی تھیں۔ ہندوستانی فوج پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ یہ مجھے بعد میں پتہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چلا تھا کہ یہ افواہیں بالکل غلط تھیں جو جاپانیوں کے جاسوسوں نے ہندوستانی فوج اور ملایا کے لوگوں کو ڈرانے کے لیے پھیلائی تھیں۔

اُس وقت ہم ایک گاؤں کے قریب کیمپ میں تھے۔ اس گاؤں میں فوج کی سہولت کے لیے ایک کینٹین بھی تھی۔ ایک روز ہماری توپخانہ رجمنٹ کو ایک اور جگہ جانے کا حکم ملا۔ اب ہم جاپانیوں کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ سمندر سے دو تین میل دُور گھنا جنگل تھا۔ وہاں رجمنٹ کی بیٹریوں کو پوزیشن میں لگا دیا گیا۔ ہمیں ایمونیشن بہت زیادہ دیا گیا اور ہمیں ہر روز لیکچر ملنے لگے۔ ایک بات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا کہ جاپانیوں کے جنگی قیدی نہ بننا کیونکہ وہ زندہ جنگی قیدی کو سامنے کھڑا کرکے اُس پر بیونٹ (سنگین) مارنے کی ٹریننگ لیتے ہیں۔ مشقت زیادہ کراتے ہیں اور کھانے کو بہت کم دیتے ہیں۔ ایسی اور بہت سی باتیں تھیں جو ہمیں جاپانیوں کے متعلق بتائی گئیں۔

میں نائک تھا، افسر نہیں تھا، اس لیے مجھے معلوم نہیں تھا کہ ہماری رجمنٹ کے دائیں بائیں اور پیچھے کیا ہے۔ ہم میں سے کسی نے کبھی لڑائی نہیں دیکھی تھی۔ میرا خیال یہ تھا کہ جس طرح ہمیں ٹریننگ دی جاتی ہے اسی طرح لڑائی ہوتی ہوگی۔ دشمن سامنے سے آئے گا۔ ہمیں فائر کا حکم ملے گا تو ہم گولے پہ گولہ فائر کرکے دشمن کو تباہ کردیں گے۔

توپخانے والوں کو دشمن نظر نہیں آیا کرتا۔ توپخانے سے آگے انفنٹری ہوتی ہے۔ توپخانے کے گولے اپنی انفنٹری کے اوپر سے دشمن تک جاتے ہیں۔ ہمیں بتایا جاتا تھا کہ دشمن فلاں جگہ اور اتنی دور ہے، مگر سامنے سے آنے کی بجائے دشمن آسمان کی طرف سے آیا۔ ہم پر ہوائی جہازوں کی مشین گنیں فائر ہونے لگیں۔ بم بھی گرنے لگے۔ ہوائی جہازوں کی آواز سے ہی ہم ڈر رہے تھے۔ ہوائی جہاز اوپر سے ہم پر غوطہ لگاتے اور گولیاں برساتے گزر جاتے تھے۔

ہمارے پاس ہلکی قسم کی لوئیس مشین گنیں تھیں لیکن یہ ہوائی جہازوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں، اس لیے جاپانی ہوائی جہاز بے غم ہوکر ہم پر فائر کر رہے تھے۔ ہماری بیٹری کا ایک بھی افسر یا جوان وہاں نہ رہا۔ سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔

ہوائی جہاز چلے گئے تو میں نے اُٹھ کر دیکھا۔ مجھے اپنی بیٹری کا حوالدار گلُ زیب نظر آیا۔ اُس کے پاس مشین گن تھی اور وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ہوائی جہازوں پہ فائر کرتا رہا تھا۔ وہ دلیر پٹھان تھا۔ میں دوڑ کر اُس کے پاس چلا گیا۔ وہاں سے مجھے اپنی بیٹری کے سات آٹھ آدمی اِدھر اُدھر پڑے نظر آئے۔ اُن کی وردیاں خون سے سرخ ہوگئی تھیں۔ وہ ہِل جُل نہیں رہے تھے جس سے یقین ہوتا تھا کہ مر گئے ہیں۔

حوالدار گل زیب نے مجھے کہا کہ اپنی بیٹری کے آدمیوں کو تلاش کرتے ہیں، بہت سے زخمی ہوں گے۔ انہیں مدد کی ضرورت ہوگی۔

ہم وہاں سے اُٹھنے ہی لگے تھے کہ ہمارے اردگرد توپوں کے بہت سے گولے پھٹے۔ اس کے بعد یہ حال ہوگیا کہ گولوں کے دھماکوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ گولوں کے ٹکڑے اور اُن کے اڑائے ہوئے پتھر گولیوں کی سیٹیوں کی طرح ہمارے قریب سے گزرتے تھے۔ اسے میں جاپانیوں کے توپخانے کی گولہ باری سمجھ رہا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ جاپانیوں کے بحری جہازوں کی توپوں کی گولہ باری تھی۔ اس سے درخت اُکھڑ رہے تھے۔ زمین پھٹ رہی تھی۔ کانوں کے پردے پھٹ رہے تھے۔ دھماکوں کا یہ اثر تھا جیسے دماغ کے ٹکڑے ہوگئے ہوں۔

میں نے حوالدار گلُ زیب سے کہا کہ اپنا کوئی بھی جوان یا افسر زندہ نہیں، چلو یہاں سے بھاگیں۔ اُس نے کہا کہ یہاں سے ہلنا مت، ورنہ کوئی گولہ تمہارے جسم کے ٹکڑے اُڑا دے گا۔ ہم دونوں ایک گڑھے میں دبکے رہے۔ خون سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دل ڈوب رہا تھا اس ڈر سے سارے جسم کی طاقت ختم ہو گئی کہ ابھی ایک گولہ گڑھے میں پھٹے گا اور ہم دونوں بُری موت مریں گے۔

گولہ باری تقریباً نصف گھنٹہ جاری رہی، پھر بالکل رُک گئی۔ ہم دونوں نے گڑھے سے نکل کر دیکھا مگر گرد اور دھوئیں میں کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہم اپنی بیٹری کا حال احوال دیکھنے کے لیے چل پڑے۔ ایک توپ اُلٹی پڑی تھی۔ ایک جگہ کسی کی دو ٹانگیں پڑی دیکھیں جو جسم سے کٹ گئی تھیں۔ چار لاشیں دیکھیں۔ یہ بُری طرح کٹی پھٹی ہوئی تھیں۔ وہاں ہم دونوں کے سوا کوئی زندہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لاشوں کی تعداد سے ثبوت ملتا تھا کہ ہماری ساری بیٹری ماری نہیں گئی، باقی آدمی اور افسر بھی بھاگ گئے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ ہمارے آگے کوئی انفنٹری بٹالین تھی یا نہیں اور اگر تھی تو وہ کہاں چلی گئی ہے۔ اس علاقے میں فوج موجود تھی جو ابھی تک پرانے زمانے کے ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ ہمارا توپخانہ بھی کوئی نئی قسم کا توپخانہ نہیں تھا۔ یہ خچر باتری تھی۔ اس میں چھوٹی توپیں تھیں جو ٹکڑوں میں خچروں پر لادی اور اِدھر اُدھر لے جائی جاتی تھیں۔ کچھ خچریں ماری گئی تھیں، کچھ اِدھر اُدھر بھاگ گئی تھیں۔

ایک بار پھر گولہ باری شروع ہو گئی۔ میں نے حوالدار گل زیب سے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنا بیوقوفی ہے مگر گل زیب بہت دلیر آدمی تھا۔ کہنے لگا کہ وہ بُزدلوں کی طرح نہیں بھاگے گا۔ میں نے اسے کہا کہ دشمن کہیں نظر آئے تو ہم لڑنے کے لیے رک جائیں۔ تم کس کے لیے رُک رہے ہو؟

اُس نے مجھے کہا کہ کوئی گڑھا دیکھو اور اس میں چلے جاؤ۔

گولہ باری بہت زور کی تھی۔ ایسی گولہ باری میں تجربہ کار فوجی بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ میں حوالدار گل زیب سے دو تین قدم پرے ہٹا ہوں گا کہ

ہمارے قریب اتنی زور کا دھماکہ ہوا کہ میں اس کے دھکے سے گر پڑا۔ یہ ایک گولہ پھٹا تھا۔ ہمیں گولے فائر کرنے کی ٹریننگ دی گئی تھی مگر میں نے اُس روز محسوس کیا کہ توپخانے والوں کو یہ مشق بھی کرانی چاہیئے کہ اُن پر گولہ باری کی جائے۔

میں گر پڑا۔ دھماکے سے دماغ چکرا رہا تھا۔ دو تین منٹ بعد مجھے دائیں ٹانگ اور دائیں بازو پر درد محسوس ہوا۔ میں نے بازو دیکھا تو قمیض کی آستین خون سے سرخ ہو چکی تھی اور خون گر رہا تھا۔ میں نے گھبرا کر اپنی ٹانگ دیکھی تو دو جگہوں سے خون اُبل رہا تھا۔ اُس زمانے میں ہم پتلون کی بجائے نیکر پہنا کرتے تھے۔ ٹانگ کے دونوں زخم ران پر تھے۔

گل زیب کو آواز دی تو گولہ باری کے دھماکوں، گولوں کی چیخوں اور اُن کے اڑتے ہوئے ٹکڑوں کی سیٹیوں جیسی آواز میں مجھے گل زیب کی آواز نہ سنائی دی۔ اوپر سے دو تین ہوائی جہاز گزر گئے۔ اور دس پندرہ منٹ بعد گولہ باری رُک گئی۔ بڑی ہی خوفناک خاموشی چھا گئی۔ میرے کانوں میں ابھی تک سیٹیاں بج رہی تھیں۔

میں نے اپنے جھولے (بیگ) سے فیلڈ پٹی نکالی اور حوالدار گل زیب کی طرف چل پڑا۔ وہ مجھے لیٹا ہوا نظر آیا اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں منہ بھی کھلا ہوا تھا اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں تھی اس کی وردی خاکی نہیں رہی تھی، لال ہو گئی تھی۔

میں نے اسے بلایا۔ پاس بیٹھ کر ہلایا مگر وہ مر چکا تھا۔

میں اکیلا رہ گیا۔ میرے آنسو نکل آئے۔ یہ اپنے تمام ساتھیوں کے مارے جانے اور بھاگ جانے کے بھی آنسو تھے اور خوف کے بھی۔ مجھے اپنے آپ کو بچانا تھا۔ میں نے پہلے اپنے بازو پر پٹی باندھی۔ بائیں ہاتھ سے بڑی ہی مشکل سے پٹی باندھی گئی۔ خون روکنا ضروری تھا مگر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پٹی ڈھیلی بندھی تھی۔ زخم کہنی اور کندھے کے درمیان تھا۔ ران کے دو زخموں کے لیے پٹی کافی نہیں تھی۔ میں نے گل زیب کے جھولے سے اس کی فیلڈ پٹی نکالی۔ میرے اور گل زیب کے زخم گولیوں کے نہیں، گولے کے ٹکڑوں کے تھے۔ ہمارے قریب جو گولہ پھٹا تھا، اس کے ٹکڑوں نے حوالدار گل زیب کو مار ڈالا تھا اور اسی کے دو ٹکڑے میری ران پر اور ایک بازو پر لگا تھا۔ گولوں کے ٹکڑوں کے زخم بہت تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی نوکیں اور کنارے تیز ہوتے ہیں اور یہ بہت گرم بھی ہوتے ہیں۔

میں نے گل زیب کی پٹی کے پیڈ بنا کر ران کے زخموں پر رکھے اور پٹیاں کس کر باندھ دیں۔ ذرا سی دیر میں پٹیاں خون سے لال ہو گئیں۔ میں جانتا تھا کہ خون نہ رُکا تو میں مر جاؤں گا۔ منہ پیاس سے خشک ہو گیا۔ میری بوتل میں پانی تھا جو میں نے پی لیا۔ خیال آیا کہ مجھے معلوم نہیں کہاں جانا ہے میرا انجام کیا ہو گا؟ مجھے پانی کی ضرورت ہو گی میں نے حوالدار گل زیب کی بوتل اُس کی بیلٹ سے الگ کر لی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ہچکی سی آئی اور میں بچوں کی طرح رونے لگا۔ ایسے محسوس ہُوا جیسے میں گل زیب جیسے خوبصورت جوان کو پیاسا مار رہا ہوں۔ میں نے اُس کی بوتل اُس کے قریب رکھ دی جیسے وہ ابھی ہوش میں آئے گا اور پانی پیئے گا۔

ذرا طبیعت سنبھلی تو میں نے گل زیب کو دیکھا اور اپنے آپ کو یقین دلایا کہ وہ مر چکا ہے اور اب وہ پانی پینے کے لیے نہیں اٹھے گا۔ میں نے اُس کی بوتل اٹھالی۔ اپنی خالی بوتل پھینک کر اس کی جگہ گل زیب کی بوتل جو بھری ہوئی تھی، اپنی بیلٹ کے ساتھ باندھ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ بازو کی پٹی دیکھی۔ بالکل لال ہو گئی تھی۔ تب مجھے اپنی جان کے خطرے کا احساس

کے جھولوں سے فیلڈ پٹیاں نکال لیں۔ ایک جگہ بیٹھ کر بازو کی پٹی کھولی۔ اور اس زخم پر نئی پٹی کا پیڈ رکھا۔ پٹی کا ایک سرا دانتوں میں پکڑا اور زخم پر پٹی لپیٹنے لگا۔ اب پٹی ڈھیلی نہیں تھی۔

میرے پاس رائفل تھی۔ ایمونیشن بھی تھا۔ میں نے رائفل نہ پھینکی اور ایک طرف چل پڑا۔ مجھے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ دُور کہیں فائر ہو رہا تھا۔ کہیں گولے بھی پھٹ رہے تھے۔ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ جاپانیوں نے ہماری فوج کو ختم کر دیا ہے اور وہ آ رہے ہیں۔ مجھے ان کا قیدی ہونا تھا۔ یہی میرے لیے خطرہ تھا۔ ہمیں کئی بار لکچروں میں بتایا گیا تھا کہ جاپانی جنگی قیدیوں کے ساتھ ظالموں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ اس سلوک میں ایک بات یہ بھی بتائی گئی تھی کہ زخموں پر نمک اور مرچیں ڈال دیتے ہیں۔ لہٰذا میں ان کی قید سے بچنے کی سوچنے لگا۔

مجھے یہ سہولت حاصل تھی کہ جنگل بہت گھنا تھا اور اس میں کھڈ نالے بھی تھے۔ چھپنے کا یہ قدرتی انتظام بہت اچھا تھا۔ میں جنگل میں داخل ہو گیا۔ گھاس اونچی تھی۔ جھاڑیوں جیسے پودے بھی تھے اور درختوں کی بھرمار تھی۔ زخموں کے درد نے میرے صبر کا امتحان لینا شروع کر دیا۔ درد کم کرنے کا میرے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ میں نے پٹیاں دیکھیں۔ خون نکل رہا تھا لیکن پہلے کی طرح زیادہ نہیں تھا۔ خون بہت نکل گیا تھا۔ اس سے میں کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔

شام ہو چلی تھی۔ جنگل تاریک ہونے لگا اور میں چلا جا رہا تھا۔ سورج غروب ہونے کے بعد بالکل اندھیرا ہو گیا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد چاندنی پھیلنے لگی۔ میرا سر ڈول رہا تھا۔ میں ایک درخت کے تنے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔ پیاس کے ساتھ بھوک بھی پریشان کرنے لگی۔ میں جوان آدمی تھا۔ بھوک اور پیاس کو برداشت کر سکتا تھا۔ فوجی ٹریننگ نے مجھ میں قوتِ برداشت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پٹی ڈھیلی بندھی تھی۔ زخم کہنی اور کندھے کے درمیان تھا۔ ران کے دو زخموں کے لیے پٹی کافی نہیں تھی۔ میں نے گل زیب کے جھولے سے اس کی نیلڈ پٹی نکالی۔ میرے اور گل زیب کے زخم گولیوں کے نہیں، گولے کے ٹکڑوں کے تھے۔ ہمارے قریب جو گولہ پھٹا تھا، اس کے ٹکڑوں نے حوالدار گل زیب کو مار ڈالا تھا اور اسی کے دو ٹکڑے میری ران پر اور ایک بازو پر لگا تھا۔ گولوں کے ٹکڑوں کے زخم بہت تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کی نوکیں اور کنارے تیز ہوتے ہیں اور یہ بہت گرم بھی ہوتے ہیں۔

میں نے گل زیب کی پٹی کے پیڈ بنا کر ران کے زخموں پر رکھے اور پٹیاں کس کر باندھ دیں۔ ذرا سی دیر میں پٹیاں خون سے لال ہوگئیں۔ میں جانتا تھا کہ خون نہ رُکا تو میں مر جاؤں گا۔ منہ پیاس سے خشک ہوگیا۔ میری بوتل میں پانی تھا جو میں نے پی لیا۔ خیال آیا کہ مجھے معلوم نہیں کہاں جانا ہے میرا انجام کیا ہوگا؟ مجھے پانی کی ضرورت ہوگی میں نے حوالدار گل زیب کی بوتل اُس کی بیلٹ سے الگ کر لی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ہچکی سی آئی اور میں بچوں کی طرح رونے لگا۔ ایسے محسوس ہُوا جیسے میں گل زیب جیسے خوبصورت جوان کو پیاسا مار رہا ہوں۔ میں نے اُس کی بوتل اُس کے قریب رکھ دی جیسے وہ ابھی ہوش میں آئے گا اور پانی پیئے گا۔

ذرا طبیعت سنبھلی تو میں نے گل زیب کو دیکھا اور اپنے آپ کو یقین دلایا کہ وہ مر چکا ہے اور اب وہ پانی پینے کے لیے نہیں اٹھے گا۔ میں نے اُس کی بوتل اٹھالی۔ اپنی خالی بوتل پھینک کر اس کی جگہ گل زیب کی بوتل جو بھری ہوئی تھی، اپنی بیلٹ کے ساتھ باندھ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ بازو کی پٹی دیکھی۔ بالکل لال ہوگئی تھی۔ تب مجھے اپنی جان کے خطرے کا احساس ہونے لگا۔ اس احساس نے میرے دماغ کو جگا دیا۔ میں نے دو لاشوں

کے جھولوں سے فیلڈ پٹیاں نکال لیں۔ ایک جگہ بیٹھ کر بازو کی پٹی کھولی۔ اور اس زخم پر نئی پٹی کا پیڈ رکھا۔ پٹی کا ایک سرا دانتوں میں پکڑا اور زخم پر پٹی لپیٹنے لگا۔ اب پٹی ڈھیلی نہیں تھی۔

میرے پاس رائفل تھی۔ ایمونیشن بھی تھا۔ میں نے رائفل نہ پھینکی اور ایک طرف چل پڑا۔ مجھے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ دُور کہیں فائر ہو رہا تھا۔ کہیں گولے بھی پھٹ رہے تھے۔ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ جاپانیوں نے ہماری فوج کو ختم کر دیا ہے اور وہ آ رہے ہیں۔ مجھے ان کا قیدی ہونا تھا۔ یہی میرے لیے خطرہ تھا۔ ہمیں کئی بار لکچروں میں بتایا گیا تھا کہ جاپانی جنگی قیدیوں کے ساتھ ظالموں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ اس سلوک میں ایک بات یہ بھی بتائی گئی تھی کہ زخموں پر نمک اور مرچیں ڈال دیتے ہیں۔ لہٰذا میں ان کی قید سے بچنے کی سوچنے لگا۔

مجھے یہ سہولت حاصل تھی کہ جنگل بہت گھنا تھا اور اس میں کھڈ نالے بھی تھے۔ چھپنے کا یہ قدرتی انتظام بہت اچھا تھا۔ میں جنگل میں داخل ہوگیا۔ گھاس اونچی تھی۔ جھاڑیوں جیسے پودے بھی تھے اور درختوں کی بھرمار تھی۔ زخموں کے درد نے میرے صبر کا امتحان لینا شروع کر دیا۔ درد کم کرنے کا میرے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ میں نے پٹیاں دیکھیں۔ خون نکل رہا تھا لیکن پہلے کی طرح زیادہ نہیں تھا۔ خون بہت نکل گیا تھا۔ اس سے میں کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔

شام ہو چلی تھی۔ جنگل تاریک ہونے لگا اور میں چلا جا رہا تھا۔ سورج غروب ہونے کے بعد بالکل اندھیرا ہوگیا۔ کوئی ایک گھنٹے بعد چاندنی پھیلنے لگی۔ میرا سر ڈول رہا تھا۔ میں ایک درخت کے تنے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گیا۔ پیاس کے ساتھ بھوک بھی پریشان کرنے لگی۔ میں جوان آدمی تھا۔ بھوک اور پیاس کو برداشت کر سکتا تھا۔ فوجی ٹریننگ نے مجھ میں قوتِ برداشت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اور ڈسپلن پیدا کر دیا تھا مگر جب یہی معلوم نہ ہو کے مجھے جانا کہاں ہے اور مجھے کہیں پناہ ملے گی یا نہیں تو وہاں قوت برداشت جلدی جواب دے جاتی ہے۔

گولہ باری پھر شروع ہوگئی مگر اب اس کا تار گیٹ میرا گاؤں تھا جہاں میں پیدا ہوا تھا اور جہاں میرے ماں باپ تھے بہنیں اور جہاں میری منگیتر تھی۔ گاؤں میں گولے پھٹ رہے تھے اور میں دُور ایک درخت پر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ گاؤں میں سے کوئی باہر نہیں آرہا تھا، کوئی بھاگ نہیں رہا تھا۔ پھر گاؤں جلنے لگا۔ بہت سے ہاتھی ایک طرف سے آئے اور میرے گاؤں میں داخل ہوگئے۔ تب گاؤں کے بہت سے لوگ باہر کو بھاگے۔ ہاتھی انہیں پاؤں تلے روند رہے تھے۔

ایک ہاتھی اُس درخت کے نیچے آگیا جس پر میں بیٹھا تھا۔ اُس نے سُونڈ اوپر کر کے مجھے اس میں جکڑ لیا۔ میں نے چیخ ماری تو اندھیرا چھا گیا۔ میں گھبرا کر اُٹھا۔ میں ملایا کے جنگل میں تھا اور میں سو گیا تھا۔ خوف ہے میں کانپ رہا تھا۔ سر سے پاؤں تک پسینہ پھوٹ آیا تھا۔ میں نے خدا کے کلام کا وِرد شروع کر دیا۔ پھر خدا سے گناہوں کی بخشش مانگی۔

مجھے یہ سوچ کر ندامت ہوئی کہ ہم پر مصیبت آپڑے تو ہمیں خدا یاد آتا ہے۔ آرام اور سکون ہو اور انسان جوان ہو تو انسان کو یاد ہی نہیں رہتا کہ اُسے آرام اور سکون اور جوانی خدا نے عطا کی ہے جو چھین بھی سکتا ہے۔ اس خیال سے مجھے خدا کے سامنے ندامت ہونے لگی۔

میری نیند اُڑ گئی تھی۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ معلوم نہ ہو سکا کہ رات کتنی باقی ہے۔ میں نے پٹیوں پر ہاتھ پھیرا۔ ذرا ذرا گیلی تھیں۔ خون رُکا نہیں تھا۔ میں اُٹھ بیٹھا تھا۔ یہ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ لیٹ جاؤں یا

چل پڑوں۔ کچھ دیر بعد نیند نے یہ فیصلہ کر دیا۔

دھوپ کی تپش نے مجھے جگا دیا۔ میری پٹیوں پر چیونٹیاں پھر رہی تھیں۔ پٹیاں زیادہ سرخ نہیں تھیں۔ خون شاید رک گیا تھا مگر جسم بہت کمزور ہوگیا تھا۔ میں نے پانی پیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ذرا سا سوچا اور ایک طرف چل پڑا۔

مجھے نا اب یاد ہے نا اس وقت خیال تھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ دن اور رات کا فرق بھی میری نظروں میں ختم ہوتا جا رہا تھا۔ صرف یہ احساس تھا کہ زخم درد کر رہے ہیں۔ یہ خیال بھی آیا کہ اس جنگل میں زخموں میں بہت جلدی ٹیپ پڑ جاتی ہے۔ وہاں نمی اور کچھ بہت تھے۔ زہریلے کیڑے بھی تھے۔

مجھے اب یہ یاد نہیں کہ دن تھا یا رات۔ روشنی سورج کی تھی یا چاند کی، میں نے دو جھونپڑے دیکھے جو اُس علاقے میں عام ہوتے تھے۔ میں اُن تک چلا گیا۔ ان کے باہر ایک بوڑھے ملائی کی لاش پڑی تھی۔ ایک جھونپڑے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر فرش پر ایک لڑکی کی لاش پڑی تھی۔ لڑکی کی عمر چودہ پندرہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ لاش برہنہ تھی۔ اس کا خون بہتا رہا تھا۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ اس کے ساتھ مرنے سے پہلے کیا سلوک کیا گیا ہے۔ میرا جسم کانپنے لگا — اس سے میرا دماغ بیدار ہوگیا۔

میں دوسرے جھونپڑے میں گیا۔ اندر دو آدمی مرے پڑے تھے اور ایک جوان عورت کی لاش بھی دیکھی۔ اس کا حلیہ دیہی تھا۔ جو میں پہلے جھونپڑے میں ایک کمسن لڑکی کا دیکھ آیا تھا۔ ایک کونے میں نظر گئی تو وہاں ایک بچے کی لاش دیکھی۔ اس معصوم کی عمر چھ ماہ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ دو آدمی جو مرے پڑے تھے، اُن کے جسموں پر زخم تھے۔ انہوں نے اس عورت کو بچانے کی کوشش کی ہوگی۔

یہ جاپانیوں کی ہی کارستانی ہوگی۔ میں نے اُس وقت بھی سوچا تھا اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں آج بھی سوچ رہا ہوں کہ عورت پر یہ ظلم اور بچے کا قتل کہاں کی مردانگی ہے۔ ہندوؤں میں بھی اسی قسم کی مردانگی ہے۔ وہ مسلمانوں کی مجبور اور بے بس عورتوں کو خراب کرکے اور بچوں کو قتل کرکے بہت خوش ہُوا کرتے ہیں۔ ایسی قوم کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔ ہم نے جاپانیوں کا جو انجام دیکھا ہے اس سے ہندو قوم کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ انہی جنگلوں اور دیہات میں جہاں انہوں نے غریب عورتوں کو خراب کیا اور انہیں درندوں کی طرح مار ڈالا تھا، جاپانی بھوکے پیاسے، زخمی تڑپ تڑپ کر مرے اور انہوں نے بہت بُری شکست کھائی۔

اس جھونپڑے میں تین چار ناریل پڑے نظر آئے۔ میں بُھوک سے مر رہا تھا۔ جھک کر ایک ناریل کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ اس طرح پیچھے آگیا جیسے میرے اندر کی کسی طاقت نے اسے پیچھے کھینچ لیا ہو۔ میرا دل اس گھر کی کوئی چیز قبول نہیں کرسکتا تھا جہاں کا دودھ پیتا بچہ بھی قتل کردیا گیا تھا۔ وہاں برتن پڑے تھے۔ ان میں کھانے کی کوئی چیز ہوگی لیکن میں نے کسی برتن کو ہاتھ نہ لگایا۔

وہاں سے نکلنے لگا تو میری نظر دروازے کے ساتھ دیوار پر پڑی۔ دیواریں خشک گھاس اور سرکنڈوں کی تھیں۔ دروازے والی دیوار کے ساتھ سبز غلاف میں لپٹی ہوئی ایک کتاب لٹک رہی تھی۔ یہ بلاشبہ قرآن مجید تھا۔ میں نے دیوار سے اُتار لیا۔ غلاف کھولا تو یہ واقعی قرآن مجید تھا۔ ترجمہ اردو میں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ لوگ اُردو نہیں پڑھ سکتے۔ یہ نسخہ ہندوستان سے آیا ہوگا۔ میں قرآن پڑھ سکتا تھا۔ ترجمے کے ساتھ کبھی نہیں پڑھا تھا۔ ہم لوگ قرآن مجید عبادت کے طور پر پڑھتے ہیں۔ نہ ہم خود دیکھتے ہیں نہ کوئی پڑھانے والا ہمیں بتاتا ہے کہ خدا کے اس کلام کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

مجھے وہ آیت اچھی طرح یاد نہیں جس پر میری نظر پڑی تھی۔ اس کا ترجمہ کچھ اس طرح تھا — "سب تعریف اللہ کے واسطے ہے۔ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم پہچان لوگے۔ تیرا پروردگار تجھ سے غافل نہیں۔"

میرے پاس علم کی روشنی نہیں تھی، بلکہ میرے سینے میں اندھیرا تھا۔ قرآن مجید

کے اِن الفاظ نے میرے دل میں اُمید پیدا کردی۔ اس کے ساتھ ہی میرے سینے میں انتقام کی آگ جل اٹھی۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ مجھ پر فرض ہوگیا تھا کہ ان کی بے حرمتی اور خون کا انتقام لوں، مگر کس سے؟ ... کس طرح؟ ... میں اکیلا تھا۔ جاپان کی پوری فوج تھی۔ میرا اپنا جینا مجھے مشکوک نظر آرہا تھا۔ میرے آنسو بہنے لگے۔

میں نے قرآن مجید پر غلاف چڑھا دیا اور یہ ارادہ کیا کہ اپنے ساتھ رکھوں گا، ترجمہ پڑھتا رہوں گا اور جب اس جنگل سے نکلوں گا تو میرے سینے میں خدا کے کلام کی روشنی ہوگی۔ میرا ایمان یہ بھی کہتا تھا کہ قرآن مجید پاس رہا تو مجھے خدا کی مدد حاصل رہے گی۔

میں قرآن مجید لے کر جھونپڑے سے نکلنے لگا تو میرے قدم رُک گئے۔ مجھے ایسے محسوس ہُوا کہ میں ان مقتولین کی دولت لُوٹ کرلے جارہا ہوں۔ وہ مسلمان تھے۔ میرا فرض تھا کہ انہیں الگ الگ قبروں میں دفن نہ کرسکتا تو ایک ہی قبر کھود کر سب کو اس میں لٹا کر خدا کے حضور پیش کردیتا اور اوپر مٹی ڈال دیتا مگر میرا جسم زخموں نے بیکار کرڈالا تھا۔ ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا — اور میں اُن کا قرآن مجید بھی اپنے ساتھ لے جارہا تھا۔

میں نے قرآن مجید کو چُوما، آنکھوں سے لگایا اور وہیں لٹکا دیا جہاں سے اُتارا تھا۔ میں نے دل میں کہا — "ان پر فرشتے قرآن خوانی کریں گے" — میں نے فاتحہ پڑھی، اور وہاں سے نکل آیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے بہت دُور تک ان دو جھونپڑوں کی طرف پیٹھ نہ کی۔ اُلٹے قدم چلتا رہا۔

ان جھونپڑوں سے میں ایک طاقت سی لے کر نکلا۔ میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ میں جتنی دیر وہاں رہا، مجھے زخموں میں درد محسوس نہیں ہُوا۔ دُور جاکر درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پٹیاں زخموں کو کاٹ رہی ہوں۔ میں نڈھال ہوکر بیٹھ گیا۔ رائفل میرے پاس تھی۔ انسانوں کے علاوہ وہاں درندوں کا خطرہ بھی تھا۔ بھوک اور زیادہ بھڑک اٹھی۔

مجھے کسی کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جھاڑیوں، اونچی گھاس اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چھوٹے چھوٹے درختوں میں کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ مجھے چھپ جانا چاہیئے تھا مگر چھپنے کی مہلت نہ ملی۔ ایک سکھ حوالدار سامنے آیا۔ وہ اس قدر ڈرا اور گھبرایا ہُوا تھا کہ مجھے دیکھ کر وہ رُک گیا اور بھاگنے لگا لیکن میری وردی دیکھ کر پھر رُک گیا۔ اُس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ انفنٹری کا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"— اُس نے کہا— "اگر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ۔ جاپانی بڑی ظالم قوم ہے۔ انہوں نے ہماری پوری پوری پلٹنیں پکڑ لی ہیں۔ سنگاپور میں ہماری ساری فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ قیدیوں کے ساتھ جاپانی بہت بُرا سلوک کرتے ہیں۔ میں اپنی پلٹن سے بھاگ آیا ہوں۔ تم بھی رائفل اور راؤنڈ پھینکو اور کہیں اوپر (شمال کی طرف) نکل جاؤ۔ تم میرے ہندوستانی اور پنجابی بھائی ہو اس لیے تمہارے پاس رُک کر تمہیں خبردار کر رہا ہوں۔ تم زخمی ہو، میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اگر بھاگ نہ سکو تو ایسے چھپو کہ کسی جاپانی کو نظر نہ آ سکو۔"

وہ گھبراہٹ کے لہجے میں بڑی تیزی سے بول رہا تھا۔ اوپر سے ایک ہوائی جہاز بہت کم بلندی پر اُڑتا گزر گیا۔ سکھ حوالدار اس قدر ڈرا ہُوا تھا کہ ہوائی جہاز کی گرج سنتے ہی اُٹھا اور جنگل میں غائب ہو گیا۔ وہ مجھ پر بھی خوف طاری کر گیا۔

میں نے رائفل پھینکنے کی بجائے اسے اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔ سکھ کے کہنے کے مطابق میں نے سورج سے شمال کا اندازہ کر لیا اور اُدھر کو چل پڑا۔ دماغ پھر میرے قابو سے نکلنے لگا۔ بھوک نے جسم کی طاقت سلب کر لی تھی۔ جنگل میں کوئی ایک بھی درخت نہیں تھا جو کھانے کے قابل کوئی پھل دینے والا ہو۔

میں نے یہ سوچنے کے لیے دماغ پر زور دیا کہ جاپانی فوج کہاں ہے جس کا تو پخانہ ہمارے پورے توپخانے کو تباہ کر گیا اور جس نے سکھ حوالدار کے کہنے کے مطابق ہماری پوری پوری پلٹنیں پکڑ لی تھیں؟ اور وہ جاپانی کدھر سے آئے اور کدھر نکل گئے ہیں جو جھونپڑوں میں رہنے والے معصوموں کی عصمت دری بھی کر گئے اور انہیں قتل بھی کر گئے ہیں؟

میں نے نہ اپنے قریب سے کسی جاپانی کو گزرتے دیکھا تھا نہ دُور سے۔ مجھے یہ واقعہ یوں یاد آنے لگا جیسے خواب دیکھا ہو، مگر یہ خواب نہیں تھا۔ میرے زخم حقیقت تھے جسے میں خواب نہ کہہ سکا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے زخمی ہوئے بہت دن گزر گئے ہیں اور میں ایسے علاقے میں کبھی نیند میں، کبھی نیم غشی میں اور کبھی نیم بیداری میں بھٹکتا رہا ہوں جہاں سے جاپانیوں کا گذر نہیں ہُوا، اور میں بھٹک بھٹک کر اس علاقے میں آ گیا ہوں جہاں سے جاپانی گذر کر آگے نکل گئے ہیں۔

مجھے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ وہ کدھر گئے ہیں اور اب کہاں ہیں۔ مجھے ان سے بچنا تھا۔ میں نے پٹیوں کو دیکھا۔ ان پر خون جم کر خشک ہو گیا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے زخمی ہوئے بہت دن گذر گئے ہیں۔

میں نے اللہ کو یاد کیا اور چل پڑا۔

اب میں اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے کبھی کبھی اندھیرا آ جاتا اور چند سیکنڈ بعد صاف ہو جاتا تھا۔ اپنا جسم گرم سا محسوس ہونے لگا۔ اپنی نبض پر ہاتھ رکھا۔ کچھ تیز تھی۔ بخار کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ میں چلتے چلتے رُک گیا۔ مجھے ایک کچھوا نظر آیا جو اپنے جسم جتنے چوڑے ایک سوراخ میں بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی میرے پیٹ میں درد اُٹھا۔ یہ بھوک بلکہ فاقہ کشی کا درد تھا۔ بھوک کے شدید احساس نے مجھے ادھ موا کر دیا۔

میں سوچنے لگا کہ کچھوا کھایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ میرے پاس ماچس تھی اور پکانے کے لیے میرے پاس میس ٹین تھا۔ اسے راشن ٹین بھی کہا کرتے تھے۔ میرے پاس چاقو بھی تھا۔ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ کچھوے کے خول کے اندر چربی ہوتی ہے جو کھاؤ تو جسم کو بے پناہ طاقت دیتی ہے۔

کچھوے کو پکڑنا مشکل نہیں تھا۔ میں اس کی طرف چلا تو وہ ایک طرف کو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چل دیا۔ میں نے دیکھا کہ جہاں وہ بیٹھا ہُوا تھا وہاں سات انڈے پڑے تھے۔ یہ مادہ تھی جو یہاں انڈہ دینے آئی تھی اور اب جا رہی تھی۔ کچھوے کا انڈہ مرغی جتنا بڑا ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ گیند کی طرح گول ہوتا ہے۔

میں نے ساتوں انڈے اٹھا لیے۔ انہیں کچا پینے کا ارادہ کیا تو خیال آیا کہ پانی مل جائے تو یہ انڈے میس ٹین میں اُبالے جا سکتے ہیں۔ میں نے اتنا پانی کہیں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اچانک دماغ میں آئی کہ کچھوا پانی کی طرف ہی جا رہا ہوگا۔ کچھوے پانی کے قریب انڈے دیا کرتے ہیں۔

میں کچھوے کے پیچھے چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ میں اُس سمت اپنی رفتار سے چلا گیا۔ جنگل اور زیادہ گھنا ہو گیا تھا۔ چلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ کوئی ایک سو قدم گیا ہوں گا کہ میں ایک قدرتی تالاب کے کنارے کھڑا تھا۔ یہ کوئی لمبا چوڑا تالاب نہیں تھا۔ میں نے میس ٹین پانی سے بھر لا بڑی مشکل سے خشک ٹہنیاں ڈھونڈیں۔ اُس نمی والے جنگل میں خشک ٹہنی مشکل سے ملتی تھی۔ انہیں جلایا اور انڈے اُبال لیے۔ ذرا ٹھنڈے ہوئے تو میں نے ایک انڈہ کھایا۔ ایک تو نمک کے بغیر اس کا ذائقہ ٹھیک نہیں تھا۔ دوسرے اس کا ذائقہ مرغی کے انڈے جیسا نہیں تھا، لیکن بھوک نے جو میری حالت کر رکھی تھی، اس میں تو مٹی اور پتھر بھی مجھے لذیذ لگتے۔ میں نے ساتوں انڈے کھا لیے اور جس پانی میں انڈے اُبالے تھے وہ پانی پی لیا — اس کے ساتھ ہی مجھ پر نیند یا غشی طاری ہونے لگی۔

مجھے کچھ خبر نہیں تھی کہ ایک دن گزرا، دو گزرے یا ایک بھی دن گزرا ہے یا نہیں۔ میری آنکھ کھلی تو میں جنگل میں پڑا تھا۔ معلوم نہیں یہ نیند تھی یا غشی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ میں اس کیفیت میں کتنے گھنٹے یا کتنے دن پڑا رہا۔ میں بخار میں جل رہا تھا۔ اُٹھا، اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں میں نے کچھوے کے انڈے ابالے اور کھائے تھے۔ پیٹ خالی تھا۔ مجھے چکر آ گیا اور میں بیٹھ گیا۔

پٹیاں دیکھیں۔ ان پر خون جم گیا تھا۔ جما ہُوا خون زخموں میں درد پیدا کر رہا تھا۔ اب زخموں پر کوئی مرہم لگنی چاہئے تھی۔

اس میں اب کوئی شک نہیں رہا تھا کہ میری زندگی دو نہیں تو تین دن رہ گئی ہے۔ میں نے نجات کے دو راستے سوچے۔ ایک یہ کہ میرے پاس رائفل ہے جس کی میگزین میں پانچ راؤنڈ ہیں۔ اس کی نالی اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر ٹریگر دبا دوں۔ یہ بڑی اچھی موت تھی۔ دوسرا راستہ یہ کہ اپنے آپ کو جاپانیوں کے حوالے کر دوں اور وہ مجھے مار ڈالیں مگر مجھے معلوم نہیں تھا کہ جاپانی کہاں ہیں۔

میں نے جب موت کو قبول کر لیا تو میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس اندھیرے میں روشنی ہوئی اور میں اُس جھونپڑے میں کھڑا تھا جس کے فرش پر ایک عورت، دو آدمیوں اور ایک بچے کی لاشیں پڑی تھیں۔ میرے ہاتھ میں قرآن مجید تھا اور میں ان کے پاس کھڑا پڑھ رہا تھا —

"سب تعریف اللہ کے واسطے ہے۔ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ جنہیں تم پہچان لو گے۔ تیرا پروردگار تجھ سے غافل نہیں ہے۔"

پہلے عورت اُٹھی جیسے نیند سے جاگی ہو۔ اُس نے کونے میں جا کر اپنے بچے کو اُٹھایا اور اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ بچہ اس کا دودھ پینے لگا۔ پھر دونوں آدمی اُٹھے اور میرے سامنے کھڑے ہو گئے۔ میں انہیں دیکھ کر ڈر گیا۔

"کیا تم دونوں مر نہیں گئے تھے؟" — میں نے اُن سے پوچھا۔

دونوں نے ایک ہی وقت ایک ہی جواب دیا — "کسی انسان کی زندگی کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ہر کسی کی جان خدا کے ہاتھ میں ہے۔ پروردگار جسے زندہ رکھنا چاہے اُسے پتھر میں سے پانی نکال دیتا ہے۔ اُسے اندھے کنوئیں سے اور مچھلی کے پیٹ میں سے بھی زندہ نکال دیتا ہے۔ گناہ جو تجھ سے ہو چکے اُن کی معافی مانگ۔ آئندہ کے لیے توبہ کر..."

دونوں بول رہے تھے کہ روشنی اور تیز ہو گئی۔ اس میں مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ آنکھیں کھلیں تو میں دھوپ میں جنگل میں پڑا تھا۔ میں اٹھ بیٹھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سب سے پہلے جو کلمے منہ سے نکلے وہ گناہوں کی بخشش کے اور اس کے بعد توبہ کے تھے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں مسلمان ہوں سکھ نہیں ہوں جو جنگل میں پاگلوں کی طرح بھاگتا پھر رہا تھا۔

میرے دل و دماغ سے اپنی جان لینے کا خیال نکل گیا اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا لیکن میں جب اٹھا تو ٹانگ کے زخموں سے درد کی ایسی ٹیس اٹھی کہ میں بے اختیار 'ہائے' کہہ کر بیٹھ گیا۔ بھوک اور پیاس کی شدت الگ تھی۔ میں کچھ دیر خدا کے حضور گڑگڑاتا رہا۔ بہت دیر وہیں پڑا رہا۔ آخر اٹھا اور چل پڑا۔

دو لاشیں اکٹھی پڑی تھیں۔ دونوں ہندوستانی فوجی تھے۔ اُن کی لاشیں سُوج گئی تھیں۔ ان کے قریب ایک بکس پڑا تھا جس پر لال رنگ کا کراس تھا۔ دونوں کے بازوؤں پر لال کراس والے سفید پٹے بندھے ہوئے تھے۔ یہ میڈیکل کور کی نشانی تھی۔ دونوں سپاہی تھے۔ میں نے فوراً ٹین کا یہ بکس کھولا۔ اس میں فسٹ ایڈ کی دوائیاں اور سامان تھا۔ پٹیاں بھی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ دونوں اپنے آپ کو فسٹ ایڈ دیئے بغیر مارے گئے تھے۔ دونوں کے پاس پانی کی بوتلیں تھیں۔ میں نے ایک کی بوتل کھول کر اس کا پانی اپنی پٹیوں پر ڈالا تاکہ تر ہو جائیں اور اُتر جائیں۔

جب میں نے پٹیاں کھولیں تو خون پھوٹ آیا۔ میں نے روئی ایک گہرے رنگ کی دوائی میں بھگو کر زخموں پر رکھی۔ اس دوائی کو میں پہچانتا تھا۔ اس نے اس قدر درد کیا جیسے زخم کھل گئے ہوں۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا۔ پھر درد آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ میں نے یہ روئی ہٹا کر ایک ڈبے سے مرہم انگلیوں سے زخموں پر مل دیا۔ ان پر روئی رکھی اور پٹیاں باندھ دیں۔ اس سے سکون آگیا۔ میں نے بکس اُٹھا لیا۔ اس کا وزن زیادہ نہیں تھا۔

زخموں کی مرہم پٹی میری پہلی ضرورت تھی۔ یہ پوری ہو گئی تو دماغ ذرا ٹھکانے آگیا۔ پیٹ بھر خالی تھا۔ مجھے یاد نہ آسکا کہ میں نے کچھوے کے انڈے کب کھائے تھے۔ میڈیکل کور کے دو سپاہیوں کی لاشوں نے مجھے یہ اُمید دلادی کہ قریب ہی میڈیکل کور کا کیمپ ہوگا، یا اپنی فوج کی کوئی یونٹ یا کوئی آدمی ہوں گے۔ وہاں یہ دو ہی سپاہی نہیں ہو سکتے تھے۔ میں نے اپنی فوج کی تلاش میں اُٹھنے کا ارادہ کیا۔

وہاں سے میں اُٹھ ہی رہا تھا کہ مجھے اونچی اونچی باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے دیکھا کہ میں جس جگہ بیٹھا اپنی مرہم پٹی کر رہا تھا، یہ راستہ تھا۔ میں دوڑ کر وہاں سے ہٹ گیا اور گھنی جھاڑی میں چھپ کر دیکھنے لگا۔ آوازیں قریب آرہی تھیں۔ مجھے گورے سپاہی نظر آئے۔ وہ دس گیارہ تھے۔ ان سے اچھی طرح چلا نہیں جاتا تھا۔ انہیں دیکھ کر میں خوش ہوا کہ یہ میری فوج کے سپاہی ہیں لیکن یہ دیکھ کر میرا دل ڈوب گیا کہ انہیں چار جاپانی فوجی بن کے قد چھوٹے چھوٹے تھے ہانک کرلے جا رہے تھے۔ وہ گوروں کو رائفلوں کے بٹ مارتے اور اپنی زبان میں کچھ کہتے اور ہنستے تھے۔ وہ آگے نکل گئے تو تو ایک گورا سپاہی گر پڑا۔ دو جاپانیوں نے اُسے ٹھڈے مارے مگر وہ نہ اٹھا۔ آخر ایک جاپانی نے اپنی رائفل کی نالی اُس کے سر پر رکھی اور گولی چلا دی۔ دونوں دوڑتے ہوئے آگے چلے گئے اور میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ گورے شاید میری طرح جنگل میں چھپے ہوئے ان جاپانیوں کے ہاتھ آگئے تھے۔

میرے دل سے خودکشی کا ارادہ تو پہلے ہی نکل گیا تھا، اب اپنے آپ کو جاپانیوں کے حوالے کرنے کا خیال بھی رَد کر دیا۔ زخموں کے درد میں کمی آگئی تھی مگر بخار نے بے جان کر رکھا تھا۔ جاپانیوں کا ان گورے سپاہیوں پر ظلم دیکھا تو رہی سہی طاقت بھی ختم ہو گئی۔ انہیں دیکھ کر مجھے یہ ڈر محسوس ہونے لگا کہ جاپانی فوج کہیں قریب ہی ہے — میں اس راستے سے ہٹ گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں غشی کے عالم میں بانبند میں چلتا رہا۔ معلوم نہیں میں نے کتنا فاصلہ طے کیا، یا کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی جگہ چکر کاٹتا رہا۔ گرتا بھی رہا، اٹھتا بھی رہا اور مجھے اچھی طرح جو بات یاد ہے وہ یہ ہے کہ میں نے نیم غشی یا نیم بیداری کی حالت میں ایک مرا ہُوا پرندہ جو کبوتر کی قسم کا تھا، کچا کھا لیا تھا۔ یہ پرندہ مرا پڑا تھا۔ میں نے اس کے پَر درندوں کی طرح نوچے تھے۔ اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

ہوش میں آیا تو میں نہایت آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ میرے آگے دُھند تھی۔ درخت، گھاس، پودے اور جھاڑیاں کبھی ایسے لگتیں جیسے پانی میں اُگی ہوئی ہوں۔ جنگل تیرتا لگتا تھا اور اس دُھند میں مجھے اپنے نیچے گہرائی میں ایک انسان کھڑا نظر آنے لگا۔ میں نے سر کو زور سے جھٹکا تو دُھند ذرا صاف ہو گئی اور یہ انسان صاف نظر آنے لگا جسے دیکھ کر خوف سے میرا دل ڈوب گیا۔

یہ انسان ایک نوجوان لڑکی تھی جس کی عمر سولہ، سترہ یا اٹھارہ سال تھی۔ میرا دماغ بیدار ہو گیا۔ جسم میں جان نہیں تھی لیکن جسم کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ چڑیل ہے۔ مجھے اپنے وطن کی روایات یاد آ گئیں۔ چڑیلیں اسی قسم کے ویرانوں میں رہتی ہیں اور عموماً بے حد خوبصورت عورتوں کے روپ میں نظر آتی ہیں۔ مجھ جیسے جوان جوانی کے جوش میں ان کے ہاتھ چڑھ جاتے اور مارے جاتے ہیں۔

ہمارے علاقے میں اس قسم کی کہانیاں بھی مشہور تھیں کہ ایک چڑیل ایک خوبصورت جوان آدمی پر عاشق ہو گئی اور اُسے مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کر لے۔ اس آدمی نے چڑیل کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اُس کے ساتھ شادی کر لی اور چڑیل ساری عمر عورت کے روپ میں رہی۔ پہلے یہ آدمی مرا۔ اس کے مرتے ہی چڑیل غائب ہو گئی۔

ایسی اور بھی بہت سی باتیں تھیں جو فلم کی طرح میرے سامنے سے گزر

گئیں۔ میرا دماغ یہ سوچ ہی نہ سکا کہ یہ لڑکی جاپانیوں کے ڈر سے یہاں آ کر چھپ گئی ہو گی مگر اس کا حلیہ مجھے شک میں ڈال رہا تھا۔ خدوخال سے وہ ملایا ہی کی لڑکی تھی۔ اس کا رنگ گورا اور کپڑے شہری طرز کے تھے۔ وہ دیہاتی نہیں ہو سکتی تھی۔ دیہاتی عورتوں کی طرح اُس نے بالوں کو ناریل کے تیل سے تر نہیں کر رکھا تھا۔ اس کے بال دُھلے ہوئے، خشک اور چمکدار تھے۔ وہ دیہاتی نہیں تھی۔

جہاں وہ کھڑی تھی وہ دس پندرہ گز وسیع اور گول کھڈ تھا۔ اس میں بھی جنگل کی طرح جھاڑیاں، پودے، اونچی گھاس اور بونے بونے سے درخت تھے جن کی شاخیں چوڑی اور چھاتوں کی مانند تھیں۔ ناریل، تاڑ اور پپیتے کے درخت نہیں تھے۔ کھڈ کی ڈھلانوں پر بھی درخت اور گھنا سبزہ تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس میں کوئی انسان رہتا ہو گا۔ یہ جگہ بڑے گھنے جنگل میں تھی۔

وہ مجھے گھاس میں کھڑی نظر آ رہی تھی۔ اُس کی کمر تک گھاس تھی اور سر پر ایک بونے درخت کی چھاتہ نما شاخ کا سایہ تھا۔ میں اس کھڈ کے دہانے پر کھڑا تھا۔ میں چلتے چلتے رک نہ جاتا تو کھڈ کے ڈھلانی کنارے سے پھسل کر نیچے جا پڑتا۔

تھوڑی دیر تک یوں ہُوا کہ وہ بُت کی طرح وہیں کھڑی رہی اور میں اوپر بُت بنا کھڑا رہا۔ میں ابھی تک شک میں تھا کیونکہ میری آنکھوں کے سامنے کمزوری کی وجہ سے دُھند آ جاتی تھی جو ذرا دیر بعد ہٹتی تھی۔ ایک بار دُھند ہٹی تو میں نے اُسے اور زیادہ غور سے دیکھا۔

میرے منہ سے دھیمی سی آواز نکلی — "عاشی!"

اُس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ وہ عاشی ہی تھی۔ اُس زمانے میں سورت تھانی میں فوج رہتی تھی۔ میری توپخانہ رجمنٹ بھی وہاں رہی تھی۔ وہاں ایک فوجی کنٹین تھی جس کا مالک ایک ملائی مسلمان عبدالرحمٰن تھا۔ عائشہ اس کی بیٹی تھی۔ کنٹین کے ساتھ ہی ان کا بڑا اچھا مکان تھا۔ ہم عائشہ کی ایک جھلک دیکھنے کو کنٹین کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اردگرد منڈلاتے رہتے تھے۔ عائشہ شام کو سیر کے لیے نکلا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ ایک بوڑھی نوکرانی ہُوا کرتی تھی۔ ہم اُسے دیکھنے کے لیے راستے میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ اُسے سب عاشی کہتے تھے۔ چونکہ ان کا کاروبار فوج کے ساتھ تھا اس لیے یہ لوگ اردو بولتے تھے۔ عائشہ کا باپ پکا مسلمان تھا۔ جمعے کی نماز ہمارے ساتھ مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔

چھ سات مہینے پہلے کی بات ہے کہ ہماری رجمنٹ وہاں سے ان جنگلوں میں آئی تھی جہاں جاپانیوں کی گولہ باری نے ہماری رجمنٹ کو تباہ کر دیا تھا.... مجھے اس خیال سے پھر ڈر آنے لگا کہ یہ زندہ عائشہ نہیں، یہ اُس کی بدروح ہوگی۔ عائشہ اس ویرانے میں اور اس بھیانک کھنڈر میں کیسے آسکتی تھی؟ ۔۔۔ مجھے اُن دو عورتوں کی برہنہ لاشیں یاد آگئیں جو میں نے دو جھونپڑوں میں دیکھی تھیں۔ اس خیال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ جاپانیوں نے عائشہ کو بھی بے آبرو کر کے اُسے مار ڈالا ہے اور اس معصوم لڑکی کی بدروح جنگلوں میں بھٹک رہی ہے ۔۔۔ میں اور زیادہ ڈر گیا مگر اس ڈر میں اب غصہ اور انتقام تھا جس سے ڈر کم ہو گیا۔

"زندہ ہو عاشی؟" ۔۔۔ میں نے پوچھا ۔۔۔ "یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

وہ نہایت آہستہ سے پیچھے ہٹی اور سبزے میں غائب ہو گئی۔ میں اور زیادہ گھبرا گیا۔ مجھ میں نہ بھاگنے کی ہمت تھی نہ کھڑا ہونے کی۔ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کیا کروں۔ اتنے میں وہ پھر سامنے آئی۔ اب وہ اکیلی نہیں تھی۔ اُس کے ساتھ اُس کا باپ عبدالرحمٰن تھا۔ وہ صاف ستھرے کپڑوں میں تھا۔ دونوں میرے سامنے رُک گئے۔

"تم مسلمان ہو یا ہندو؟" ۔۔۔ عبدالرحمٰن نے پوچھا اور اس کا ایک ہاتھ گھاس سے اوپر اُٹھا۔ اس ہاتھ میں ریوالور تھا جو اُس نے میری طرف کر دیا۔

"میں مسلمان ہوں" ۔۔۔ میں نے جواب دیا ۔۔۔ "توپخانے کا نائک غلام مہدی .... آپ ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ مولانا نعیم الدین خطیب تھے۔"

"تم زخمی ہو" ۔۔۔ عبدالرحمٰن نے کہا ۔۔۔ "رائفل نیچے پھینک دو اور اُتر آؤ۔"

میں نے رائفل اُس کی طرف پھینک دی۔ ڈھلان اُترنے لگا تو میں کمزوری اور بخار کی وجہ سے اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا۔ میں گر پڑا اور لڑھکتا ہُوا نیچے چلا گیا۔ اس کے بعد مجھے ہوش نہ رہی۔

ہوش میں آیا تو میں ایک کمبل پر لیٹا ہُوا تھا۔ میرے ایک طرف عبدالرحمٰن اور دوسری طرف اُس کی بیٹی بیٹھی تھی۔ میں اُٹھ بیٹھا۔ عبدالرحمٰن نے لیٹ جانے کو کہا لیکن میں جوان تھا، لیٹے رہنے سے شرم آتی تھی۔ عبدالرحمٰن کو پتہ چل گیا تھا کہ مجھے بخار ہے۔ عائشہ نے مجھے ایک گلاس پانی پلا دیا جو دراصل کوئی شربت تھا۔ انہوں نے میرے آگے جو کھانا رکھا اس میں بھنا ہُوا گوشت تھا۔ چاول تھے اور ساتھ دو سیب تھے۔ میں نے یہ کھانا ایک دو منٹ میں صاف کر دیا۔ عائشہ غائب تھی۔ مجھے بڑی زور کی "شوں، شوں" کی مسلسل آواز آرہی تھی۔ پتہ چلا کہ مٹی کے تیل سے چلنے والا چولہا (سٹوو) ہے۔

عائشہ چائے بنا کر لے آئی۔ عبدالرحمٰن نے مجھے دو گولیاں کھانے کو دیں جو غالباً کونین کی تھیں۔ میں پوری طرح اپنے آپ میں آگیا اور انہیں بتایا کہ میں یہاں تک کس طرح پہنچا ہوں۔ سناتے سناتے مجھے اونگھ آئی۔ عبدالرحمٰن کے کہنے پر میں لیٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔

آنکھ کھلی تو جسم میں طاقت واپس آتی محسوس ہو رہی تھی۔ عبدالرحمٰن اور عائشہ وہیں تھے۔ مجھے جاگتا دیکھ کر عبدالرحمٰن میرے پاس آ بیٹھا۔ اس کے ہاتھ میں قرآن مجید کا چھوٹا سا نسخہ تھا۔ اُس نے یہ نسخہ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

"تم مسلمان ہو غلام مہدی؟" ۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "اور جانتے ہو کہ میں بھی مسلمان ہوں۔ ہم نے اکٹھے ایک مسجد میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ اگر تم یہ نہ کہتے کہ میں تمہارے ساتھ جمعے کی نماز پڑھا کرتا تھا تو میں تم پر ریوالور فائر کر دیتا۔ اس جگہ جہاں ہم بیٹھے ہیں، میں کسی غیر مرد کا وجود برداشت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں کر سکتا لیکن میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تم زخمی ہو اور تم کمزوری کی وجہ سے مر رہے ہو۔ یہ میرا فرض تھا کہ تمہاری مدد کرتا۔ میں نے یہ نیکی اس لیے بھی کی ہے کہ اللہ اس کے عوض میری بچی کی عزت بچائے رکھے۔ اپنی کہانی سنانے سے پہلے میں تم سے قرآن پر قسم لینا چاہتا ہوں کہ عائشہ جس طرح میری بیٹی ہے، اسی طرح تم بھی اسے پاک اور نیک نظروں سے دیکھو گے، اور کبھی تم اکیلے پکڑے گئے تو کسی کو یہ نہیں بتاؤ گے کہ میں اپنی بیٹی کے ساتھ یہاں چھپا ہوا ہوں۔"

میں نے قرآن مجید کو چوما، آنکھوں سے لگایا اور جیسی قسم اُس نے کہی تھی ویسی قسم کھائی اور قرآن مجید اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"آپ یہاں کیوں آ گئے ہیں؟" — میں نے پوچھا — "جاپانیوں کے ڈر سے؟"

"میں پہلے تمہیں یہ بتا دوں کہ سورج غروب ہونے کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" — اُس نے کہا — "کل سورج غروب ہونے کے بعد آؤں گا۔ تمہارے زخموں کے لیے مرہم پٹی اور کچھ اور دوائیاں لے آؤں گا۔ کپڑے بھی لاؤں گا۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گے۔ اگر تم سچے مسلمان ثابت ہوئے تو میرا ایک فکر دُور ہو جائے گا۔ میری بیٹی میری غیر حاضری میں اکیلی رہتی ہے۔"

میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "میں آپ کا یہ فکر انشاء اللہ دُور کر دوں گا۔"

عبدالرحمٰن کے ساتھ بڑی لمبی لمبی باتیں ہوئی تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ اُس نے جو کہا وہ میں نے فوراً مان لیا اور جو میں نے کہا اس پر اُس نے فوراً اعتبار کر لیا۔ پاکستان کی فوج کی بات اور ہے، انگریزوں کے ہندوستانی فوجیوں پر سویلین لوگ اعتبار نہیں کیا کرتے تھے۔ میں مجبور اور بھاگا ہوا تھا اور اُس کے رحم و کرم پر تھا۔ اس کی ہر بات کو میں حکم سمجھنے لگا۔ اُسے شاید مجھ پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ میں آپ کو مختصر باتیں سنا رہا ہوں۔

"اب سنو غلام مہدی! میں یہاں کیوں چھپا ہوا ہوں" — اُس نے کہا — "صرف اس بیٹی کی عزت بچانے کی خاطر۔ جاپانیوں نے طوفان کی طرح آ کر تمام علاقوں (جاوا، سماٹرا، بورنیو، ملایا وغیرہ) پر قبضہ کر لیا ہے۔ انہوں نے کسی کسی جگہ ہوائی جہازوں سے حملہ کیا اور بحری جہازوں سے گولہ باری کی تھی۔ انگریزوں کی فوج ایک دن بھی نہیں لڑ سکی۔ سنگاپور کے انگریز جرنیل نے سب سے پہلے ہتھیار ڈالے، پھر جاپانی فوجوں کو کوئی نہ روک سکا۔ اب ایک مہینے سے کچھ زیادہ دن گزر گئے ہیں۔"

"کیا میں ایک مہینے سے کچھ زیادہ دن جنگلوں میں بھوکا پیاسا اور زخمی حالت میں پھرتا رہا ہوں؟" — میں نے حیران ہو کر پوچھا — "مجھے تو یہ ایک ہفتے یا زیادہ سے زیادہ دس دنوں کی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم پر ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کا حملہ ہوا تھا۔"

"تمہارا زندہ رہنا معجزہ ہے" — عبدالرحمٰن نے کہا — "خدا نے تمہیں کسی نیکی کا صلہ دیا ہے یا تمہیں خدا نے کسی بہت بڑی نیکی کے لیے زندہ رکھا ہے۔ تم زیادہ دن بے ہوشی کی حالت میں یا نیند میں رہے ہو۔ اللہ کے اس کرشمے کو کبھی نہ بھولنا۔"

تب مجھے یاد آیا کہ مجھے دوائیوں کا ایک بکس ملا تھا جس میں سے مجھے مرہم اور پٹیاں مل گئی تھیں۔ ان سے درد میں کمی آ گئی تھی۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ وہ بکس کہاں رہ گیا تھا۔ میں تو اُٹھا کے چل پڑا تھا۔ بہرحال میں مان گیا کہ یہ پروردگار کا کرشمہ اور معجزہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو عبدالرحمٰن مجھے نہ ملتا۔

"جاپانی فوجیوں نے انگریز اور ہندوستانی فوجیوں کو قید کر لیا تھا" — عبدالرحمٰن نے کہا — "ان کے ساتھ انہوں نے بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ جاپانی فوج نے جنگلوں میں چھپے ہوئے فوجیوں کو تلاش کیا اور انہیں قید میں ڈالا۔ جنگی قیدیوں، خصوصاً انگریزوں کے ساتھ وہ یہ سلوک کرتے ہیں کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سارا سارا دن ان سے سڑکیں بنواتے، جنگل صاف کرواتے اور مشقت کا کام لیتے ہیں اور کھانے کو اُبلے ہوئے چاول دیتے ہیں۔ جو قیدی بیمار ہو جائے اُسے مار ڈالتے ہیں....

"فوجیوں کے ساتھ وہ جتنا بُرا سلوک کرتے اس سے زیادہ اچھا سلوک شہری آبادی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کو وہ اپنا دلی وفادار بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے دکانداروں کو کھلی اجازت دے رکھی ہے کہ پہلے کی طرح بے خوف ہو کر دکانیں کھلی رکھیں اور شہریوں سے انہوں نے کہا ہے کہ وہ جاپانی فوج کے خلاف کوئی حرکت نہ کریں ورنہ سزائے موت دی جائے گی۔ اپنی روزمرہ زندگی پہلے کی طرح بسر کریں۔ جاپانیوں نے ہر جگہ کے لیڈر قسم کے مقامی آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ان آدمیوں کی وہ پوری عزت کرتے ہیں۔ انگریزوں کی فوج میں ملایا کے جو باشندے تھے، انہیں وہ الگ کر کے اپنی فوج بنا رہے ہیں۔ انگریزوں کی نسبت لوگ جاپانیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں....

"جاپانیوں میں ایک خرابی ہے۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ عورتوں کو رکھتے ہیں۔ عورت کے معاملے میں یہ لوگ بدکردار اور ظالم ہیں۔ جس گاؤں، قصبے یا شہر میں جاتے ہیں وہاں کی اچھی اچھی لڑکیاں اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔ انہیں وہ نہایت اچھی خوراک، اچھا لباس اور اچھا سہن سہن دیتے ہیں لیکن تم سمجھ سکتے ہو کہ ان لڑکیوں کا کام کیا اور اُن کی حیثیت کیا ہوتی ہے۔ تم نے عائشہ کو دیکھا ہے۔ اسے اگر میں گھر میں رکھتا تو جاپانی اسے دیکھتے ہی اپنے ساتھ لے جاتے۔ چونکہ عائشہ زیادہ خوب صورت ہونے کے علاوہ خوشحال گھرانے کی شائستہ لڑکی ہے، اس لیے اسے کسی جاپانی جرنیل کی خدمت کے لیے رکھ لیا جاتا....

"جاپانیوں کے حملے کی اطلاع ہمیں پہلے ہی مل گئی تھی۔ ہمارے قصبے تک

پہنچنے سے پہلے میں نے عائشہ کو غائب کرنے کا انتظام کر لیا۔ یہ میری ایک ہی اولاد ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ مسلمان اپنی بے عزتی برداشت کر سکتا ہے۔ جس مصیبت میں تم پڑے ہوئے ہو، مسلمان اس سے زیادہ مصیبت برداشت کر سکتا ہے، لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی مستورات کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ اپنی اس بچی کی بے حرمتی کا تصور بھی میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے....

"میں شکار کا شوقین ہوں۔ ان جنگلوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں نے ایک بار یہ کھنڈ دیکھا تھا۔ ڈیڑھ سال گزرا، ادھر شکار کے لیے آیا تھا۔ یہاں سے میرا قصبہ تین میل سے کچھ زیادہ ہے۔ میں نے ایک رات بستر، کپڑے، کھانے پینے اور پکانے کا سامان کرائے کی ایک خچر پر لادا اور بیٹی کو ساتھ لے کر یہاں آ گیا۔ یہاں کچھ اور خطرے بھی تھے۔ سانپ اور کچھ یا دوسرے زہریلے کیڑے یہاں ہو سکتے تھے۔ بھیڑیوں اور شیروں کا بھی خطرہ تھا۔ یہاں چھوٹی قسم کا شیر بھی پایا جاتا ہے، مگر میں صرف یہ سوچ رہا تھا کہ میری بیٹی کو سانپ ڈس لے، درندے کھا جائیں، اس کی میرے جیتے جی بے حرمتی نہ ہو....

"غلام مہدی! میں نے بہت عبادت کی ہے۔ فوجی کینٹینوں کے مالک شراب مزدور پیتے ہیں۔ انگریز افسروں کو خوش کرنے کے لیے اپنی جوان بیویوں یا جوان بیٹیوں کو ان کی محفلوں میں لے جاتے ہیں۔ اپنے مذہب کو بھول کر انگریزوں کے تہذیب و تمدن کی نقل کرتے ہیں مگر میں نے مذہب اور اپنی تہذیب کو نہیں چھوڑا۔ میں نے خدا سے ہمیشہ اپنی بیٹی کی آبرو کی حفاظت مانگی ہے اسی لیے میں قرآن پاک ساتھ لے آیا تھا....

"ایک مہینہ گزر گیا ہے۔ خدا نے ہمیں ہر خطرے سے محفوظ رکھا ہے۔ آج تک محفوظ ہوں۔ کل کا پتہ نہیں۔ جاپانیوں کے اِدھر آنے کا خطرہ نہیں رہا۔ وہ جنگل کی تلاشی لے چکے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اب کوئی فوجی جنگل میں ہُوا تو وہ مر چکا ہو گا....

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میری کینٹین پہلے کی طرح چل رہی ہے لیکن آمدنی پہلے جتنی نہیں جس رات سے میں عائشہ کو یہاں لایا ہوں، میرا روزمرّہ کا معمول یہ ہے کہ سورج غروب ہوتے ہی ضرورت کا سامان اٹھائے یہاں آجاتا ہوں اور صبح کاذب اندھیرا ہوتا ہے تو واپس چلا جاتا ہوں۔ یہاں آگ جلانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی پھر بھی سٹوو رکھا ہُوا ہے۔ دن کے دوران عائشہ اکیلی رہتی ہے۔ کبھی کبھی میں دن کو بھی آجاتا ہوں جیسے آج آیا ہوں۔ میں نے دو دیانتدار نوکر رکھے ہوئے ہیں۔ میری غیر حاضری میں وہ کوئی گڑبڑ نہیں کرتے۔ دن کو ادھر آؤں تو وہ سمجھتے ہیں کہ کسی کام سے کہیں اور چلا گیا ہوں۔ عائشہ اس جگہ کی عادی ہو چکی ہے....

"خدا کے سوا ہمارے اس راز سے کوئی واقف نہیں۔ آج تم اتفاق سے آ گئے ہو۔ اگر تم ہندو یا سکھ ہوتے تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔ میں جب اپنی بیٹی کے پاس نہیں ہوتا تو اسے خدا کے سپرد سمجھتا ہوں۔ میرا دھیان یہیں رہتا ہے۔ اب تم آ گئے ہو تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے خدا نے تمہیں میری بیٹی کی حفاظت کے لیے بھیجا ہے لیکن میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں کہ تم امانت میں خیانت نہیں کرو گے؟"

"یہ آنے والا وقت آپ کو بتائے گا کہ میں اس کی حفاظت کرتا ہوں، یا امانت میں خیانت"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ آپ اپنی بیٹی کو کب تک یہاں چھپائے رکھیں گے؟ کیا آپ کو یہ اُمید ہے کہ انگریز واپس آجائیں گے اور جاپانی فوجیں یہاں سے چلی جائیں گی؟"

"میں اکثر سوچا کرتا ہوں"۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ "جاپانی جانے کے لیے نہیں آئے۔ میں اس انتظار میں ہوں کہ جب ان تمام علاقوں پر جاپانیوں کا قبضہ مکمل ہو جائے گا تو فوج بارکوں میں رہے گی اور حکومت انگریزوں کی طرح سویلین ہو گی، پھر میں بیٹی کو اپنے گھر لے جاؤں گا۔ ابھی یہاں فوج کی حکومت ہے۔ کوئی

قانون نہیں، کوئی اخلاق نہیں۔ جاپانی فوجیوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔"

یہ شخص اپنی غیرت کی حفاظت کا بڑا ہی عجیب طریقہ استعمال کر رہا تھا اور وہ خواب دیکھ رہا تھا۔ مجھے تو ایسی اُمید نہیں تھی کہ جاپانی فوج یہاں سے چلی جائے گی۔ مجھے اُس کا، اس کی بیٹی کا اور اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔ میں فوجی تھا، اور میری تعلیم اتنی ہی تھی کہ میں آہستہ آہستہ خط لکھ سکتا تھا۔ گاؤں میں چار جماعتیں پڑھی تھیں اور خط لکھنا فوج میں سیکھا تھا۔ میرے دماغ میں کوئی دانشمندانہ تجویز نہیں آ رہی تھی۔ ہم نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا۔

دن ابھی آدھا گزرا تھا۔ وہ جانے کے لیے اُٹھا اور کہنے لگا۔۔۔ "رات کو آؤں گا۔ تمہارے لیے دوائیاں لے آؤں گا.... اور غور سے سُن لو کہ تم نے یہاں بددیانتی کی تو تمہاری سزا بڑی بھیانک ہو گی۔ یہ بھی سوچ لو کہ تمہارے زخم خراب ہو رہے ہیں اور تمہیں بخار ہے۔ میرے سوا یہاں اور کوئی نہیں جو تمہارا علاج کرے گا۔ تم بُری موت مرو گے۔ اگر دیانت دار اور وفادار رہے تو میں تمہیں بالکل تندرست اور توانا کر دوں گا اور مجھ سے تم بہت بڑا انعام پاؤ گے.... آرام کرو۔ تمہیں ابھی آرام کی ضرورت ہے۔"

وہ چلا گیا۔ میں کمبل پر لیٹا رہا۔ عائشہ میرے قریب آ بیٹھی۔ اُس نے جب اُردو بولی تو میں نے اُس سے پوچھا کہ اُس نے اُردو کہاں سے سیکھی ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُس کے پڑوس میں ہندوستان کے دو مسلمان گھرانے آباد تھے۔ اُن سے سیکھی ہے۔ اُس نے مجھے دو گولیاں کھانے کو دیں اور انناس بھی کھلایا اور اُس نے میرے ساتھ بہت باتیں کیں۔

اُس کی باتوں میں بے خوفی، لڑکپن کی شوخی اور بے تکلفی تھی۔ میں نے یہ رائے قائم کی کہ باپ مذہب کا پابند اور پرہیزگار ہے لیکن بیٹی کا انداز کچھ اور ہے۔ وہ بے حیا اور چھچھوری نہیں تھی۔ اس میں کوئی خرابی بھی نہیں تھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لیکن باپ کی طرح وہ مذہب کی شیدائی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کا چنچل پن بتاتا تھا کہ وہ اپنی عزت کی حفاظت کے لیے جان کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے لیکن اسے وہ مذہبی فرض نہیں سمجھتی تھی۔ چونکہ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اس لیے وہ لاڈ اور پیار سے کچھ بگڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

میرے مقابلے میں وہ شہزادی تھی۔ میں فوجی تھا اور میں دیہاتی تھا۔ میں اپنی تعریف نہیں کرتا، آپ کی دلچسپی کے لیے بتاتا ہوں کہ خدا نے مجھے بڑا صاف ستھرا رنگ، اچھے نقش اور بہت اچھا جسم عطا کیا تھا۔ جوانی میں لوگ مجھے خوبصورت مرد کہا کرتے تھے لیکن اتنے امیر باپ کی اتنی خوبصورت بیٹی کے سامنے میری حیثیت ایک نوکر کی سی تھی۔ اُس عمر میں میں بھی زندہ دل ہُوا کرتا تھا اور ہر بات مذاق کے رنگ میں کرنا میری عادت تھی۔ میں نے عائشہ کے ساتھ اپنے رنگ کی ایک دو باتیں کیں تو وہ میرے ساتھ اور زیادہ بے تکلف ہو گئی۔

کوئی دو گھنٹوں بعد میں نے محسوس کیا کہ میں اُٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا ہوں۔

اُس نے مجھے اُٹھنے کو کہا۔ وہ مجھے اپنے سونے اور رہنے کی جگہ دکھانا چاہتی تھی۔ کھڈ کے کنارے ڈھلانی تھے۔ ایک جگہ سے کنارہ سیدھا تھا، یعنی دیوار کی طرح کھڑا تھا۔ جگہ پتھریلی نہیں مٹی والی تھی۔ اس کھڑی دیوار میں ایک کھوہ سی کھدی ہوئی تھی جو قدرتی تھی یا بہت عرصہ پہلے کسی نے کھودی تھی۔ یہ اتنی فراخ اور لمبی تھی کہ اس میں بیٹھا جا سکتا تھا اور دو آدمی لیٹ سکتے تھے۔ اس میں عبدالرحمٰن نے خشک گھاس بچھا رکھی تھی۔ اس پر گدے بچھے ہوئے تھے۔ اس کھوہ پر چند بوٹے بوٹے سے درختوں کا چھاتہ تھا۔ ان کے علاوہ گھاس اور جھاڑیاں تھیں جنہوں نے کھوہ کو چھپا رکھا تھا۔

میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ کھڈ اور اس میں یہ کھوہ کوئی عجیب و غریب چیزیں نہیں تھیں۔ اس قسم کے علاقوں میں ایسی جگہیں مل ہی جاتی ہیں۔ میں کچھ

اور سوچ رہا تھا۔ ساون میں وہاں بہت زیادہ مینہ برسا کرتا تھا۔ موسلا دھار بارش میں کھڈ کا پانی سے بھر جانا ضروری تھا۔ میں نے جب عائشہ کے ساتھ اس خطرے کا ذکر کیا تو وہ ہنس پڑی اور مجھے ایک طرف لے گئی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ کھڈ کے کنارے میں شگاف تھا، بلکہ یہ نالہ سا تھا جسے گھاس وغیرہ نے ڈھانپ رکھا تھا۔ لڑکی کو باپ نے بتایا تھا کہ کھڈ میں پانی رک نہیں سکتا۔ اس راستے آگے نکل جاتا ہے۔ بہرحال ابھی انہیں بارش کا تجربہ نہیں ہُوا تھا۔ یہ دیکھنا تھا کہ پانی واقعی ادھر سے نکل جاتا ہے گا یا یہ کھڈ کنواں یا تالاب بن جائے گا۔

میری جسمانی اور دماغی حالت ابھی اس قابل نہیں تھی کہ کچھ کر سکتا یا کچھ سوچ سکتا۔ مجھے غنودگی آ رہی تھی۔ بخار کچھ کم معلوم ہوتا تھا۔ عائشہ نے مجھے کہا کہ میں لیٹ جاؤں۔ میں کھوہ میں لیٹ گیا اور فوراً ہی میری آنکھ لگ گئی۔

☆

میری آنکھ کھلی تو دن روشن تھا۔ عائشہ نے مجھے بتایا کہ میں گزشتہ روز کا باقی حصہ، پوری رات اور اگلے دن کا کچھ حصہ مسلسل سویا رہا ہوں۔ اُس نے یاد دلایا تو مجھے خواب کی طرح یاد آیا کہ رات اُس کا باپ آیا تھا۔ وہ تازہ سالن چاول اور مچھلی لایا تھا۔ میں نے کھانا کھایا تھا۔ عبدالرحمٰن نے مجھے دو گولیاں دی تھیں اور میں حیران اس پر ہُوا کہ اُس نے میری پٹیاں کھول کر ان پر دوائی لگائی اور ان پر نئی پٹیاں باندھی تھیں۔ میری تھکن اور نیند کا یہ حال تھا کہ مجھے درد کا احساس تک نہ ہُوا۔ میں بے ہوشی کی حالت میں رہا۔ سحر کے وقت عبدالرحمٰن چلا گیا تھا۔

میں اُٹھا تو کمزوری محسوس کی لیکن یہ اتنی کم ہو گئی تھی کہ میں اسے تھکن سمجھتا تھا۔ شاید بخار اُتر گیا تھا۔ میں تازگی سی محسوس کرنے لگا۔ اب عائشہ مجھے کل سے زیادہ خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

"تم اوپر جاؤ" عائشہ نے کہا۔ "چھپ کر ادھر اُدھر دیکھو۔ کوئی ہو گا تو نہیں، پھر بھی یقین کر لینا چاہیئے۔ میں بھی آ جاؤں گی اور نہیں ندی پر سے چلیں گی۔ وہاں منہ ہاتھ دھو لینا۔ میرے ابا تمہارے لیے کپڑے اور جوتے لائے ہیں یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پہن لینا۔" اُس نے کپڑے مجھے دیئے۔ ایک ملیشیا کے کپڑے کی نیکر تھی اور ایک قمیض، نیلیٹ شوز کا ایک جوڑا تھا۔

میں ابھی تک فوجی بوٹ پہنے ہوئے تھا۔ میری وردی خون اور پسینے سے بہت خراب ہو گئی تھی۔ اس میں سے بُو آتی تھی۔ داڑھی بڑھ آئی تھی۔ سر اور داڑھی کے بال جُڑ گئے تھے۔ میں رائفل اور کپڑے اُٹھا کر اوپر چلا گیا۔ چھُپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے کی مجھے بہت مشق تھی۔ میں نے مختلف جگہوں میں چھُپ کر بڑی اچھی طرح دیکھا۔ مجھے کوئی نظر نہ آیا لیکن یقین سے یہ کہنا کہ اس جنگل میں کوئی اور نہیں، ٹھیک نہیں تھا۔

میں نے واپس جا کر کھڈ کے اوپر سے عائشہ کو آواز دی۔ وہ اوپر آ گئی اور مجھے ندی کی طرف لے چلی۔ جنگل کا یہ حصہ بہت گھنا تھا۔ تاڑ اور ناریل کے درخت بھی تھے لیکن بہتات چھوٹے درختوں اور پودوں کی تھی جن میں سے راستہ بنا کر چلنا کچھ مشکل تھا۔ عائشہ ایک مہینے سے ندی تک جا رہی تھی اس لیے اُس نے راستہ بنا رکھا تھا جسے سبزہ نے چھپا رکھا تھا۔

وہ میرے آگے آگے اس سبزے میں تیرتی جا رہی تھی۔ ملایا وغیرہ کے خطّے کی لڑکیوں کے بال چمکدار اور ملائم ہوتے ہیں۔ عائشہ کے بال کچھ زیادہ ہی چمکدار، ملائم اور چاکلیٹ رنگ کے تھے۔ تیز ہوا سے اُس کے کھُلے ہوئے بال پودوں اور اونچی گھاس کے سمندر پر تیرتے محسوس ہوتے تھے۔

اُس کے چلنے کے انداز میں کھلنڈرا پن، لڑکپن اور بے پروائی تھی جیسے اسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کتنے بڑے خطرے میں ہے اور وہ کہاں رہ رہی ہے، اور اُسے مجھ پر بھی کوئی شک نہ تھا۔ میں جوان تھا، اَن پڑھ اور بھگوڑا تھا۔ اُسے یہ تو کسی نے نہیں بتایا تھا کہ میں آسمان سے اُترا ہُوا فرشتہ ہوں۔ میرے چال چلن کے متعلق اُسے کسی نے یقین نہیں دلایا تھا۔ ہو سکتا ہے اُسے اپنے باپ نے بتایا ہو کہ یہ فوجی مسلمان ہے اور ہم ایک ہی مسجد میں جمعے کی نماز پڑھا کرتے تھے، اس لیے یہ قابلِ اعتماد ہے۔

اگر عائشہ میری بیٹی یا بہن ہوتی تو میں کسی جوان آدمی پر صرف اس بنا پر اعتماد نہ کرتا کہ وہ مسلمان ہے اور نماز پڑھتا رہا ہے۔ ایک ہی مسجد میں، ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے ایک دوسرے کے دشمن بھی ہوا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں پر بری نظر رکھتے ہیں اور انہیں بدنام کرتے ہیں۔

میں نے جب عائشہ کے اڑتے ہوئے بال اس کے زردی مائل سفید ہاتھ پودوں، درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں اور اپنے قد جتنی اونچی گھاس کو تیرنے کے انداز سے پیچھے ہٹاتے اور بچوں کی طرح کُودتے پھلانگتے دیکھا تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اس کے باپ کو مجھ پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اُس نے مجھے کھڈ کے اوپر کھڑے دیکھ کر تو ریوالور نکال لیا تھا۔ اُسے مجھ پر گولی چلا دینی چاہیے تھی۔

مجھے اپنی قسم یاد آ گئی۔ میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ پر لعنت بھیجی۔ "تم انگریزوں کا راشن کھاتے والے فوجی نکلے۔ اس لڑکی کے باپ نے خدا اور قرآن کے نام پر تجھ پر بھروسہ کیا ہے۔"

ہم کوئی ڈیڑھ یا دو فرلانگ گئے ہوں گے کہ عائشہ رُک گئی۔ میں اُس تک پہنچا تو ہم دونوں ایک ندی کے کنارے کھڑے تھے۔ یہ چھوٹی سی ندی تھی۔ دس بارہ گز چوڑی ہو گی۔ پانی شفاف تھا جس کی گہرائی گھٹنوں تک تھی۔ ہم جہاں کھڑے تھے وہاں ندی کا موڑ تھا۔ کناروں پر جنگل بہت گھنا تھا۔ سبزے کی دیواریں کھڑی تھیں۔ عائشہ نے مسکرا کر کہا کہ کپڑے اتارو اور نہا لو۔ وہ سبزے کی اوٹ میں چلی گئی۔

میں نے بُوٹ اتارے، وردی اُتاری لیکن انڈرویئر نہ اتارا کیونکہ عائشہ وہاں موجود تھی۔ اُس نے مجھے سابن اور تولیہ بھی دیا تھا۔ میں زخموں میں پانی پڑ جانے کے ڈر سے نہا نہیں سکتا تھا۔ زخمی بازو اور ٹانگ کو بھیگے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تولیے سے صاف کیا اور اس طرف کا پاؤں کنارے پر رکھ کر باقی جسم دھو لیا۔ سر اور داڑھی کو اچھی طرح دھویا اور جب جسم کو تولیے سے پونچھا تو جسم میں تر و تازہ جان آ گئی۔ تولیہ کمر سے لپیٹ کر انڈر ویئر اتار دیا اور میں باہر آ گیا۔

"نہا چکے؟" — عائشہ کی آواز آئی۔

"ہاں!"

اور وہ سبزے سے نکل کر میرے قریب آن کھڑی ہوئی۔ میں نے پہننے کے لیے نیکر اٹھائی تو عائشہ نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ وہ مجھے غور سے اور بچوں کے اشتیاق سے دیکھ رہی تھی جیسے بچہ اپنی پسند کی کوئی بڑی اچھی چیز دیکھ رہا ہو۔ میں رک گیا، نیکر میرے ہاتھ میں رہی۔ عائشہ کے ہاتھ میرے کندھوں سے پھسل کر میرے بازوؤں پر آ گئے۔

"کیا دیکھ رہی ہو عائشہ؟"

"تمہارا جسم" — اس نے کہا اور ہاتھ ہٹا کر بولی — "ہمارے ملک کے آدمیوں کے جسم دبلے پتلے اور کمزور ہوتے ہیں۔ تمہارا جسم گورا ہے اور بہت اچھا بنا ہوا ہے۔ تمہارا چہرہ بھی بہت اچھا ہے۔ تمہارے جسم میں بہت طاقت ہے، ورنہ تم ایک مہینہ جنگل میں زندہ نہ رہتے۔"

مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے مجھے پھر بخار چڑھ گیا ہو۔ میں اس بخار کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ میں نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش شروع کر دی۔

"چلو چلیں عائشہ!" — میں نے کہا اور میں جلدی جلدی کپڑے پہننے لگا۔

عائشہ کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور میں اس سوچ میں کھو گیا کہ یہ لڑکی تو بہت ہی معصوم ہے اور میں دیہات کا رہنے والا فوجی جوان ہوں، فرشتہ نہیں ہوں۔

میں جو باتیں آج جانتا اور سمجھتا ہوں وہ میں اُس وقت نہیں جانتا تھا جب میں جوان تھا، فوجی تھا، بے علم اور ناتجربہ کار تھا۔ میں اپنے فوجی بھائیوں کی طرح "بارکوں کی زبان" میں باتیں کیا کرتا تھا۔ یہ زبان اور اس کی اصطلاحیں تحریر میں نہیں لائی جا سکتیں۔ یہ جذبات سے مغلوب ہو کر سوچا کرتے تھے۔ یہ جذبات جسمانی ہوتے تھے۔ اِس کے علاوہ میں ایسے حالات میں پھنس گیا تھا جو مجھے خواب لگتے تھے۔ اِن حالات میں میری توجہ دو چیزوں پر مرکوز ہو گئی تھی — پیٹ اور جان — یعنی پیٹ بھرتا رہے اور دوسرے یہ کہ میں جان کے خطروں سے بچا رہوں — یہ حیوانوں کی سوچ ہوتی ہے۔

صرف یہ احساس زندہ تھا کہ میں مسلمان ہوں، عائشہ مسلمان ہے اور اس کے باپ نے مجھ سے قرآن پر حلف لیا ہے کہ میں اُس کی بیٹی کی عزت کی حفاظت کروں گا اور اس امانت میں خیانت نہیں کروں گا۔ یہ ایک ایسا احساس تھا کہ میں اپنے آپ کو حیوانوں کی سطح سے اوپر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

عائشہ نے جب میرے ننگے کندھوں اور بازوؤں پر ہاتھ پھیر کر کہا کہ تمہارا جسم بہت اچھا ہے، تمہارا چہرہ بہت اچھا ہے اور تمہارے جسم میں بہت طاقت ہے تو میرا ذہن یوں حیوانی سطح پر چلا گیا جیسے میں پھسل کر کیچڑ میں جا پڑا ہوں۔ آپ خود مرد ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مرد میں یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ کوئی عورت اپنے کسی خیال سے مسکراتی ہوئی کسی مرد کی طرف دیکھے تو مرد آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت انسان سمجھنے لگتا ہے۔

کچھ ایسی ہی حالت میری ہو گئی تھی لیکن مجھے اپنی قسم یاد آ گئی۔ میں نے عائشہ کے چہرے پر نظر ڈالی۔ وہاں مجھے معصوم سی ایک بچی نظر آئی۔ اس چہرے پر مجھے عورت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی ہلکی سی جھلک بھی نہ دکھائی دی۔ تبھی میں نے اُسے کہا تھا کہ آؤ چلیں۔ میں اُسے کہنا یہ چاہتا تھا کہ آؤ اس تنہائی سے بھاگ کر کسی ایسی جگہ چلے چلیں جہاں میری قسم ٹوٹنے کا خطرہ نہ ہو، مگر مجھے معلوم تھا کہ ہمیں ایسی کوئی جگہ نہیں ملے گی۔

میں اب اُس کے باپ عبدالرحمٰن کے لائے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ میری وردی خون اور پسینے سے بہت خراب ہو گئی تھی۔ اسے تو اب ہاتھ لگانے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا۔

"اپنی وردی دھو لیتے"۔ عائشہ نے کہا۔ "کام آئے گی .... میں دھو دوں؟"

"میں خود دھو لوں گا"۔ میں نے کہا۔ "پھر کبھی سہی۔ ابھی زخم کچھ کرنے نہیں دیتے۔"

جی میں آئی کہ یہ غلیظ وردی یہیں پڑی رہنے دوں۔ غلیظ ہونے کے علاوہ اس وردی میں یہ خطرہ بھی تھا کہ مجھے پکڑوا دے گی۔ میں پرائیویٹ کپڑوں میں یہ جھوٹ بول سکتا تھا کہ میں فوجی نہیں ہوں اور عبدالرحمٰن کا ملازم ہوں۔

وردی وہیں پھینک کر میں وہاں سے چلنے لگا تو مجھے خیال آ گیا کہ جاپانیوں کا ادھر سے گزر ہوا تو وردی یہاں پڑی دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ یہاں کوئی فوجی چھپا ہوا ہے۔ پھر وہ تلاش کریں گے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے میں نے وردی اور بوٹ اُٹھا لیے۔ رائفل بھی اٹھالی اور عائشہ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ پہلے کی طرح اونچی گھاس، جھاڑیوں اور بونے درختوں کی پھیلی ہوئی شاخوں میں تیرتی جا رہی تھی۔ وہ شاخوں کو ہٹا کر آگے بڑھتی اور شاخوں کو چھوڑتی تھی تو وہ میرے منہ اور سینے پر لگتی تھیں۔ وہ دو تین بار پیچھے دیکھ کر بچوں کی طرح ہنسی۔ اُس کی ہنسی میں معصومیت اور بھولپن تھا۔

میں اُس کے اُڑتے اور سبز سے پر تیرتے ہوئے بالوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اُس کا جسم بالغ ہو گیا ہے، ذہن ابھی نابالغ ہے۔

جنگل پُرسکون تھا۔ نہ کسی توپ کی گرج تھی نہ کسی رائفل کا دھماکہ۔ جنگ تو جیسے

ختم ہی ہو گئی تھی۔ پرندوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور کہیں بندر یا لنگور چڑچڑ کر رہے تھے۔ ان آوازوں میں سے گزرتی ہوا کی سائیں، سائیں، سنائی دیتی تھی۔ اس پُرسکون ماحول میں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میں عائشہ کے ساتھ سیر سپاٹے یا پکنک کے لیے آیا ہوں۔

میں عائشہ کے پیچھے چلا جا رہا تھا۔

اچانک جنگل ایک خوفناک آواز سے لرز اُٹھا۔ میں نے وردی اور بوٹ پھینک دیئے اور رائفل کا سیفٹی کیچ آگے کر کے رائفل سیدھی کر لی۔ اس میں ایک نہیں تو دو سیکنڈ لگے ہوں گے۔ اس ذرا سے وقت میں عائشہ جو مجھ سے تین چار قدم آگے آگے جا رہی تھی، اس طرح میرے ساتھ آ لگی جیسے طاقتور مقناطیس نے لوہے کے چھوٹے سے ٹکڑے کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو۔ وہ میرے ساتھ چپک گئی۔

آواز ایسی تھی جیسے تین چار بلیوں نے مل کر وہ آواز نکالی ہو جو وہ ایک دوسرے پر حملہ کرتے وقت نکالا کرتی ہیں۔ یہ ملایا کے جنگلوں کے ایک درندے کی غصیلی آواز تھی۔ اسے جنگلی بلی کہا جاتا تھا لیکن یہ شیر کی نسل کا درندہ تھا۔ اردو میں اُسے غالباً سیاہ گوش کہا جاتا ہے۔ ملایا میں اُسے تو ترا کہتے ہیں۔ عام طور پر اسے شیر ہی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا سائز بلی جتنا نہیں بلکہ تندرست اور بڑے کُتے جتنا اور رنگ ہلکا بادامی اور پیٹ سفیدی مائل بادامی ہوتا ہے۔ بھیڑ بکریوں کو یہ نہیں چھوڑتا، بہت دنوں سے بھوکا ہو تو گائے بیل پر بھی حملہ کر دیتا ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ درختوں پر چڑھ جاتا ہے۔ اگر اس کا پیٹ بھرا ہوا ہو تو انسان پر حملہ نہیں کرتا۔ اگر اسے انسان سے خطرہ محسوس ہو یا بھوکا ہو تو درخت سے انسان پر حملہ کرتا ہے اور انسان بے خبری میں مارا جاتا ہے۔

اس شیر کی غراہٹ سے میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ میں نے جنگ شروع ہونے سے پہلے دو بار یہ تو ترا شیر جنگل میں دیکھا تھا۔ دونو بار بہت دور تھا۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی درندگی کی کہانیاں بہت سنی تھیں، کبھی اس سے آمنا سامنا نہیں ہُوا تھا۔ شیر کی صرف دہشت ہی کافی ہوتی ہے۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ شیر پھر بولا تو میں نے اوپر دیکھا۔ بیس پچیس گز دُور ایک بڑے ٹہنوں والا پیپل کی قسم کا درخت تھا۔ اس جنگل میں ایسے درخت زیادہ نہیں تھے۔ زیادہ تر تاڑ، بانس اور ناریل کے درخت تھے۔ شیر ایک ٹہنی پر کھڑا ٹانگیں سکیڑتا، بے چینی سے اِدھر اُدھر ہوتا ہم پر غرّا رہا تھا۔

عائشہ خوف سے میرے ساتھ چپکی ہوئی کانپ رہی تھی۔ میں نے اُسے اپنے پیچھے کر لیا اور میں نیلنگ پوزیشن میں بیٹھ گیا۔ رائفل کندھے سے لگائی مگر نیچے کر لی۔

مجھے عائشہ کی سرگوشی سنائی دی ــــ "جلدی مار دو اسے۔"

"نہیں" ــ میں نے کہا ــ "گولی چلی تو جاپانی آجائیں گے۔"

"میرے ابا کہتے ہیں کہ یہاں قریب کوئی فوجی کیمپ نہیں" ــ عائشہ نے کہا۔

"میں فوجی ہوں عائشہ!" ــ میں نے کہا ــ "گشت والی کوئی پارٹی قریب ہو سکتی ہے۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

میں نے شیر پر نظر رکھی اور عائشہ کو ساتھ لیے آہستہ آہستہ پاؤں پر سرکتا، گھاس اور جھاڑیوں میں اُس طرف چل پڑا جدھر ہم شیر سے دُور ہو سکتے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ شیر نیچے آ کر ہمیں ڈھونڈے گا۔ میں سرکتا بھی تھا اور جھاڑیاں ہٹا کر شیر کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ وہ ابھی تک ٹہنی پر کھڑا تھا اور خر خر کیے جا رہا تھا۔

ہم اس سے پچیس تیس گز دُور چلے گئے۔ وہاں سے دیکھا تو ایک کی بجائے دو شیر تھے۔ ایک مادہ ہو سکتی تھی۔ دونوں ٹہنی پر بیٹھ گئے تھے۔ ہم آگے نکل گئے۔ عائشہ میرے بائیں بازو کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھی۔ بہت ہی ڈری ہوئی تھی۔

"اتنا زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں عائشہ!" ــ میں نے اپنا بازو چھڑا کر اُسے بازو کے گھیرے میں لے لیا اور اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس دہشت زدگی میں وہ

مجھے پانچ سات سال کی بچی لگ رہی تھی۔ میں نے کہا ــ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ رائفل میرے ہاتھ میں ہے۔"

اُس نے شاید ایسا مرد کبھی نہیں دیکھا تھا جو میری طرح دلیری سے باتیں کر سکتا ہو۔ اُس کا قد مجھ سے چھوٹا تھا۔ منہ اوپر کر کے مجھے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے سکون کی آہ لی اور ایک گال میرے سینے سے لگا دیا۔ وہ مجھے بہت دلیر مرد سمجھ رہی تھی لیکن میری حالت اُس کی نسبت بہتر نہیں تھی۔ میں خود ڈرا ہُوا تھا۔ شیر چھوٹا تھا یا بڑا، میرے لیے وہ شیر تھا جس کے متعلق ہر کوئی کہتا تھا کہ چیر پھاڑ دیتا ہے۔ میں اس پر گولی نہیں چلا سکتا تھا کیونکہ جاپانیوں کے دوڑے آنے کا ڈر تھا۔

عائشہ مجھے اپنا محافظ اور طاقتور انسان سمجھ رہی تھی، اس لیے مجھے یہی ظاہر کرنا تھا کہ میں اس کا طاقتور محافظ ہوں۔ عورت کو دیکھ کر مرد ویسے بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی دلیری میرے دل میں پیدا ہو گئی۔ میں نے شیروں کو دیکھا۔ وہ ٹہنی پر آرام سے بیٹھے تھے۔ عائشہ میرے بازو کے گھیرے میں تھی۔ میں نے بازو کا گھیرا تنگ کر دیا۔ اُس نے اپنا ایک بازو میری کمر کے گرد لپیٹ لیا۔ اس نے مجھے اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا تھا۔ میں نے اپنے آپ میں عجیب سا فخر محسوس کیا کہ اتنی خوبصورت لڑکی مجھے دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور انسان سمجھتی ہے۔

مجھ میں طاقت کا احساس تو پیدا ہو گیا، لیکن عائشہ کے جسم نے میرے اندر ایک کمزوری بیدار کر دی۔ میں نے ابھی شادی تو نہیں کی تھی، لیکن میں عورت سے ناواقف نہیں تھا۔ میں جن عورتوں سے واقف تھا، وہ مجھ جیسی سخت جان اور بدبودار تھیں۔ عائشہ پھول کی پتیوں کی مانند تھی مگر ان پتیوں کی ملائمت اور گداز میں دہکتے انگاروں کا اثر تھا۔

میں چلتے چلتے رُک گیا اور عائشہ کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیے ہوئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس طرح اپنے آگے کر لیا کہ اُس کا سینہ میرے سینے سے مل گیا۔ یہ وہ لڑکی تھی جسے ہم راستے میں کھڑے ہو کر دیکھا کرتے تھے۔ وہ اب میرے قبضے میں تھی۔

اُس نے میری گرفت کو تنگ ہوتا دیکھ کر اوپر دیکھا۔ میری اور اُس کی نظریں ٹکرائیں۔ میرا جسم یکلخت سرد ہو گیا۔ ایسے لگا جیسے برف جیسی یخ لہر میرے سر سے داخل ہوئی اور پاؤں کے ناخنوں تک پہنچ گئی ہو۔ آپ اسے جھوٹ کہیں گے لیکن یہ حقیقت ہے کہ عائشہ کی آنکھوں میں مجھے اُس کی روح نظر آئی۔ وہ سر سے پاؤں تک دودھ کی طرح سفید کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ ننگا تھا اور یہ چہرہ عائشہ کا تھا۔

مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ مجھے یاد ہے کہ میں پیچھے ہٹا تھا۔ عائشہ کا جسم غائب ہو گیا تھا۔

"کیا ہُوا غلام مہدی؟" ــــ مجھے عائشہ کی آواز سنائی دی۔

مجھے وہ نظر آ گئی۔ مجھ سے دو قدم دُور کھڑی مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور اپنے آپ میں آ گیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں" ــــ اُس نے میرے قریب آتے ہوئے کہا "چکر آ گیا تھا؟"

میں اُسے کہنے لگا تھا کہ نہیں عائشہ! مجھے چکر نہیں آیا تھا میں شیطان کے چکر میں آ کر قرآن کی قسم بھول چلا تھا، مگر میں نے کہا ــــ "ہاں عائشہ! مجھے چکر آ گیا تھا۔ بہت کمزور ہو گیا ہوں۔"

"جلدی چلو" ــــ اُس نے کہا ــــ "میں نے غلطی کی کہ تمہیں اتنی دُور لے آئی تھی۔ چل کے آرام کرو۔"

☆

ہم وہاں سے اپنے کھڈ کو جا رہے تھے تو عائشہ بار بار پیچھے دیکھتی تھی۔ اب

شیر نظر نہیں آتے تھے۔ عائشہ نے میرا بازو پکڑ رکھا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں جاپانیوں کے ڈر سے یہاں آ چھپا ہوں مگر یہاں تو شیر بھی ہیں۔ جاپانیوں سے بچا جا سکتا تھا، شیروں سے بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

"تم ایک مہینے سے یہاں ہو اور ندی تک جاتی ہو" میں نے پوچھا ــــ "پہلے کبھی تم نے شیر دیکھے تھے؟"

"کبھی نہیں دیکھے تھے" ــــ عائشہ نے جواب دیا ــــ "میرے ابا کہتے تھے کہ اس علاقے میں چند ایک شیر ہُوا کرتے تھے لیکن وہ جنگ کے دھماکوں اور اوپر سے گزرتے ہوئے ہوائی جہازوں کے شور سے کہیں بھاگ گئے ہوں گے۔"

ہم اپنے کھڈ میں اُتر گئے۔ میری جسمانی حالت اچھی نہیں تھی۔ بخار تو نہیں تھا، اس کے بعد کے اثرات نے اور تھکن نے جسم کمزور کر دیا تھا۔ میں کھڈ میں لیٹ گیا اور عائشہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ نیند سے میری آنکھیں بند ہونے لگیں تو اُس نے مجھے جھنجھوڑا۔

"تم سو جاؤ گے تو مجھے ڈر آئے گا" ــــ اُس نے بچوں کے سے لہجے میں کہا۔ "جاگتے رہو"

"عائشہ!" ــــ میں نے کہا ــــ "تم بچی نہیں، جوان ہو۔ تم یہاں اکیلی بھی رہی ہو۔ معلوم نہیں آگے چل کر حالات کیسے ہوں گے۔ دل کو مضبوط کرو۔ دلیر ہو جاؤ"

"پہلے یہاں شیر نہیں تھے" ــــ اُس نے کہا ــــ "تم شیروں سے نہیں ڈرتے؟"

"بالکل نہیں" ــــ میں نے جواب دیا اور مجھے ایک اور خیال آ گیا۔ میں نے عائشہ سے کہا ــــ "رات کو تو مجھے ہوش نہیں تھا کہ میں کہاں پڑا ہوں۔ آج رات کہاں سوؤں گا؟ یہ جگہ تمہارے لیے اور تمہارے باپ کے لیے ہے۔ یہاں تیسرے آدمی کی جگہ نہیں"

"ایسی ایک اور کھود لینا" ــــ عائشہ نے کہا ــــ "رات کو ابا آئیں گے تو ان کے ساتھ بات کرنا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم نے جب ایک دوسرے کو دیکھا تو میں نے اپنے آپ میں دھچکہ سا محسوس کیا۔ عائشہ کے ہونٹوں پر تبسم تھا۔ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہمیں اکٹھے نہیں رہنا چاہیئے عائشہ!" میں نے اپنے دل میں گھبراہٹ محسوس کی۔

"کیوں؟"۔۔۔ عائشہ نے معصومیت سے پوچھا۔ "ہم اکٹھے رہیں گے تو کیا ہو جائے گا؟"

"تم بہت خوبصورت لڑکی ہو عائشہ!"۔۔۔ میں نے بے بس اور مجبور سا ہو کر کہا۔ "اور تم جوان ہو۔ میں بھی جوان ہوں۔"

وہ چپ چاپ مجھے دیکھتی رہی جیسے وہ کچھ بھی نہ سمجھ رہی ہو۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور سنجیدگی تھی۔ اس سے مجھے دلی اطمینان ہُوا۔ وہ اُس راہ سے بیگانہ تھی جس راہ پر میری سوچ چلی جا رہی تھی۔ اُس کا ذہن جوان نہیں ہُوا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس کا باپ دانشمند ہے جو اسے یہاں لے آیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آیا کہ جنگ کا یہ پہلو کس قدر بھیانک اور ظالمانہ ہے کہ فاتح فوجی مفتوح ملک کی عورتوں کو اپنی لونڈیاں بنا کر ان کے لیے درندے بن جاتے ہیں۔ کسی کمسن بچی کی بھی عزت محفوظ نہیں رہتی۔

میں آپ کو سُنا چکا ہوں کہ جاپانی فوج نے گھروں میں داخل ہو کر عورتوں کو بے آبرو کیا اور ان میں جو خوبصورت اور جوان تھیں، انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اگر عائشہ کو باپ یہاں نہ لے آتا تو یہ بڑی ہی بُری موت مرتی۔ اس خیال سے میرا دل گھبرا گیا کہ عائشہ جیسی معلوم نہیں کتنی معصوم لڑکیاں جاپانیوں کے وحشی پن کا شکار ہو چکی ہوں گی۔ جس لڑکی کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ جوان ہے اور ایک جوان آدمی کا اُس کے ساتھ رہنا مناسب نہیں، وہ لڑکی ستاروں کی طرح پاک ہوتی ہے۔

"بتاؤ نا مہدی!" عائشہ نے میرے کندھے جھنجھوڑ کر پوچھا۔ "ہمیں کیوں اکٹھے نہیں رہنا چاہیئے؟ تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو۔۔۔۔ میں شاید تمہیں

اچھی نہیں لگتی۔"

اُس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ میں نے اُسے اپنے قریب کر لیا اور کہا کہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو، لیکن میں نے اسے وہ باتیں بتانا مناسب نہ سمجھا جو وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی۔ میرا جسم اتنا کمزور تھا کہ نیند اس پر غالب آ گئی۔

آنکھ کھُلی تو دن کا پچھلا پہر تھا۔ عائشہ وہاں نہیں تھی۔ میں جلدی سے اٹھا۔ کھوہ سے باہر نکلا۔ دھیمی سی آواز سے عائشہ کو پکارا۔ کوئی جواب نہ ملا تو میں کھڈ سے اوپر چلا گیا۔ مجھے عائشہ نظر آ گئی۔ وہ ایک درخت کے نیچے گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ اُسے میرے قدموں کی آہٹ نہ سنائی دی کیونکہ میں نے فلیٹ شوز (ربڑ کے تلووں والے) پہن رکھے تھے۔

"عائشہ!"۔۔۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے بلایا۔

اُس نے سر اُٹھایا۔ وہ شاید روتی رہی تھی۔ دھیمی سی آواز سے بولی۔ "میں تمہیں کیوں اچھی نہیں لگتی؟"

میں خاموش رہا۔ اُس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر میں نے اُسے اپنے قریب کیا اور کہا۔ "تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو عائشہ! میں تمہاری عزت پر قربان ہو جاؤں گا۔"

میں اُس کے سامنے بیٹھا ہُوا تھا۔ اُس نے میرے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیئے پھر میرے ہاتھ ہٹا کر سر میرے سینے پر اس طرح پھینک دیا جس طرح ڈرا ہُوا بچہ اپنی ماں کی گود میں چھُپ جاتا ہے۔ میں اُس کے بال سہلانے لگا مگر اُس کے بال اتنے ملائم تھے کہ میرا جسم کانپ گیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس خطرناک جنگل میں اپنے آپ کو زندہ اور سلامت رکھنا مشکل نہیں، عائشہ کے ساتھ تنہا رہنا میرے لیے بہت مشکل ہوگا۔

☆

شام رات کی تاریکی میں بدل گئی تو مجھے دھیمی سی آواز سنائی دی ۔۔۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"غلام مہدی.... عائشہ"

آواز عائشہ کے باپ عبدالرحمٰن کی تھی۔ میں کھوہ سے نکل کر باہر آیا۔ وہ تاریک سائے کی طرح کھڈ کے کنارے پر کھڑا دکھائی دیا۔

"اوپر آجاؤ۔ یہ سامان پکڑلو"۔ اُس نے کہا۔

میں اوپر گیا۔ اُس نے ایک بڑی ٹوکری اور کمبل اٹھا رکھے تھے۔ میں نے ٹوکری پکڑلی اور پیچھے اُتر گیا۔ اس میں کھانے پینے کا سامان تھا۔ کھوہ میں مٹی کے تیل سے جلنے والا چھوٹا سا لیمپ روشن تھا۔ عبدالرحمٰن کھوہ میں آیا تو میں نے اُس کے چہرے پر پسینہ دیکھا۔ اُس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ وہ ٹوکری اور کمبل اُٹھا کے تین میل پیدل چل کے آیا تھا۔ اپنی بیٹی کی عزت کی خاطر وہ اتنی مصیبت برداشت کر رہا تھا۔ اُسے اس حالت میں دیکھ کر میں نے ایک بار پھر اپنے دل میں عہد کیا کہ اس کی بیٹی کی عزت کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھوں گا۔

اُس نے اور کچھ کہے اور سنے بغیر میرے بازو کی پٹی کھولنی شروع کر دی۔ میں نے ران کے زخموں کی پٹیاں کھول دیں۔ اُس نے لیمپ قریب کر کے زخم دیکھے۔ وہ سپرٹ بھی لایا تھا۔ اُس نے سپرٹ میں روئی بھگو کر میرے زخم صاف کئے۔ درد نے میرا دماغ ماؤف کر دیا۔ اُس نے زخموں پر مرہم لگایا اور پٹیاں باندھ دیں۔ مجھے سکون آنے لگا۔ اُس نے میری نبض دیکھ کر بتایا کہ بخار نہیں ہے۔

میں اور عائشہ اُس کا لایا ہوا کھانا کھا رہے تھے تو میں نے اُسے بتایا کہ ہم نے دو شیر دیکھے ہیں اور گولی اس ڈر سے نہیں چلائی کہ جاپانی قریب ہوئے تو آجائیں گے"۔

"جاپانی فوج کا کوئی کیمپ قریب نہیں"۔ اُس نے کہا۔ "اس تمام علاقے پر اور شمال میں برما تک جاپانیوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اگر کہیں لڑائی ہے تو وہ برما میں ہوگی۔ پھر بھی تم نے اچھا کیا ہے کہ گولی نہیں چلائی۔ اِن شیروں سے زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ انسان پر حملہ نہیں کرتے، لیکن شیر آخر شیر ہے، نسل خواہ کوئی ہی ہو۔ یہ درندہ ہے۔ اسے انسان سے خطرہ محسوس ہو تو

حملہ کر دیتا ہے۔ اسے جب بھی دیکھو، چوکنے رہو اور راستہ بدل کر نکل جاؤ۔ تمہاری رائفل کے ساتھ سنگین ہے۔ اگر اچانک شیر حملہ کر دے تو تم حوصلہ قائم رکھ کر اُسے سنگین مار سکتے ہو لیکن اس کے لیے بہت دلیری کی ضرورت ہے۔ میں کل آؤں گا تو ایک برچھی لیتا آؤں گا۔ یہ عائشہ اپنے پاس رکھے گی"۔

میں نے عائشہ کی طرف دیکھا۔ اُس نے میری طرف دیکھا۔ میں سنجیدہ تھا۔ یہ لڑکی شیر کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

"شیر کو برچھی سے مارلوگی؟"۔ میں نے پوچھا۔

"تم ساتھ ہوگے تو مارلوں گی"۔ اُس نے کہا اور ہنس پڑی۔

میں بھی ہنس پڑا لیکن عبدالرحمٰن کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اُس نے پہلے مجھے دیکھا پھر عائشہ کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ کچھ دیر چپ رہا۔

"ان شیروں کے متعلق مجھے کچھ اور بھی بتا دیں"۔ میں نے کہا۔ "ہم یہاں جاپانیوں کے ڈر سے چھپے ہوئے ہیں مگر یہاں یہ درندے بھی موجود ہیں"۔

"اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ ان کی کچھار کہاں ہے تو اس کے قریب سے نہ گزرنا"۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ "ہو سکتا ہے شیرنی نے بچے دیئے ہوں۔ اگر ایسا ہے تو یہ شیر ہر شیر پر بھی حملہ کر دیتا ہے۔ ہمیں یہ اُمید بھی رکھنی چاہئے کہ شیر یہاں سے چلے جائیں گے۔ اگر انہیں یہاں خوراک ملتی رہی تو یہیں ڈیرے ڈال دیں گے، مگر یہ خطرہ بھی ہے کہ انہیں خوراک نہ ملی اور تم میں سے کوئی اُن کے سامنے آگیا تو یہ تم پر حملہ کر دیں گے۔ رات کو کھڈ سے باہر نہ جانا... بہرحال ہمیں انہی خطروں میں رہنا ہے"۔

"اور آپ ہر رات آتے ہیں" میں نے کہا "آپ کو زیادہ خطرہ ہے۔ اگر آپ ہمیں ایک ہفتے کا راشن دے جایا کریں تو آپ کو ہر رات نہ آنا پڑے۔ ہمیں اللہ کے سپرد کر دیں"۔

وہ سر جھکا کر سوچ میں پڑ گیا۔ بہت دیر بعد اُس نے مجھے سر سے اشارہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کیا اور خود کھوہ سے نکل گیا۔ میں اُس کے پیچھے گیا۔ وہ کھڈ کے کنارے پر چڑھ گیا اور بیٹھ گیا۔ میں بھی اُس کے پاس جا بیٹھا۔

"مہدی بھائی!" اُس نے دبے دبے سے لہجے میں کہا۔ "میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں کہ تم امانت میں خیانت نہیں کرو گے؟"

"قرآن کی قسم کے بعد میرے پاس یقین دلانے کا اور کوئی طریقہ نہیں"۔ میں نے جواب دیا۔ "اگر آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ آپ نے مجھے موت کے منہ سے نکالا ہے۔ میں اس احسان کے بدلے آپ کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔"

"اگر تم یہاں سے چلے گئے تو بہت جلدی موت کے منہ میں چلے جاؤ گے"۔ اُس نے کہا۔ "تمہارے لیے نہ فرار کا کوئی راستہ ہے نہ کہیں پناہ۔ مجھے دھوکہ دو گے تو میرے ریوالور سے مرو گے۔ میری امانت میں دیانت کرو گے تو میں تمہیں تھوڑے عرصے بعد ہندوستان پہنچا دوں گا۔ اور یہ بھی سُن لو کہ میرے پاس کچھ دولت بھی ہے۔ میں کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں۔ تمہیں انعام سے مالا مال کر دوں گا۔"

"نہ مجھے آپ کے ریوالور کا ڈر ہے نہ آپ کے انعام کا لالچ"۔۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔۔ "آپ مجھے دھمکی دے کر اور جرأت کا لالچ دے کر اپنی بیٹی کا محافظ بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کا غلام بن کر نہیں رہوں گا۔ اگر میرے دل میں بددیانتی ہوئی تو میں یہاں سے جا کر بھی بددیانتی کر سکتا ہوں۔ دن کو لڑکی اکیلی ہوتی ہے۔ آپ اگر ہر وقت اس کے پاس رہیں تو میں آپ کو آسانی سے قتل کر سکتا ہوں..... میں آپ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں۔ مجھے اپنا چھوٹا بھائی سمجھیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو ابھی احساس نہیں ہوا کہ ہم کتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ہم ان حالات میں زیادہ عرصہ زندہ یا محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ آپ ہر رات یہاں چوری چھپے آتے ہیں ایک نہ ایک دن پکڑے جائیں گے اور راز فاش

ہو جائے گا۔ میں فوجی ہوں۔ بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کر سکتا ہوں۔ آپ اور آپ کی بیٹی میں تو دم نہیں۔ آپ اپنی بیٹی کی حفاظت کا کوئی اور طریقہ سوچیں۔ مجھ پر شک کر کے اور میری زبانی قسموں سے شک رفع کر کے آپ کی بیٹی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ آپ ریوالور سے مجھے مار سکتے ہیں مگر اُس خطرے سے آپ کب تک بچے رہیں گے جس سے آپ نے بیٹی کو یہاں لا کر چھپایا ہے؟"

اُس نے ہاتھ جوڑ کر میری ٹھوڑی تھام لی اور التجا کی۔۔۔ "تم نے مجھے بڑا بھائی کہا ہے۔ چھوٹا بھائی بن کر دکھاؤ۔ ہم یہاں زیادہ عرصہ نہیں رہیں گے۔ یہاں کے چند ایک لیڈروں کو جاپان کے فوجی افسروں نے کہا ہے کہ وہ حکومت بنائیں۔ فی الحال حکومت کا کام فوجی افسر کر رہے ہیں لیکن ہمارے لیڈروں کو بھی وہ ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ تمام لیڈر مسلمان ہیں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ انہوں نے جاپانیوں سے کہا ہے کہ وہ شہریوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ضمانت دیں تو شہری ان کے وفادار ہو جائیں گے۔ سنا ہے کہ انہوں نے ضمانت دی ہے لیکن جب تک انتظام فوج کے ہاتھ میں ہے، اُن کی ضمانت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ جونہی حکومت ہمارے لیڈروں کے ہاتھ آ گئی، میں عائشہ کو یہاں سے گھر لے جاؤں گا اور تمہیں بھی ساتھ رکھوں گا۔ میں تمہیں اپنی کنٹین میں ملازم رکھ لوں گا یا کوئی اور نوکری دلا دوں گا۔ آج مجھ پر احسان کرو گے تو کل مجھ سے اس کا صلہ پاؤ گے۔ تمہیں اجر تو خدا دے گا لیکن میں تمہیں جو اجر دوں گا اس سے تم حیران رہ جاؤ گے۔"

وہ چونکہ پڑھا لکھا آدمی تھا اس لیے لفظوں کے چکر میں پڑا ہوا تھا۔ میں فوجی تھا اس لیے میں عمل اور حقیقت کی مختصر سی بات کرتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اُسے مجھ پر اعتبار نہیں آ رہا تھا۔ ہم بہت دیر باتیں کرتے رہے۔ اُس کی تسلی ہو گئی تو میں نے اُسے کہا کہ جس کھوہ میں وہ رات گذارتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں اس میں مَیں نہیں رہ سکتا۔ مجھے الگ انتظام کرنا پڑے گا۔ اُس نے مشورہ دیا کہ میں اس کھوہ کے قریب ہی کھڈ کی دیوار میں ایسی ہی ایک اور کھوہ کھود لوں۔ اس نے بتایا کہ مٹی نرم ہے۔ پتھر بہت کم ہیں۔ رائفل کی سنگین سے بھی یہ مٹی کھودی جا سکتی ہے۔

یہ کام اُسی وقت شروع نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ رات تھی۔ رات مجھے کھڈ کے باہر ایک درخت کے نیچے سونا پڑا۔ عبدالرحمٰن چار کمبل لایا تھا۔ دو زمین پر بچھائے، دو اوپر کر لیے۔

نصف شب کے بعد کا واقعہ ہے۔ اچانک میری آنکھ کھُل گئی۔ یوں لگا جیسے میرے قریب سے دو تین کتّے دوڑتے گزرے ہوں۔ وہ دُور نکل گئے تھے۔ مجھے اُن کی غصیلی غراہٹ سنائی دے رہی تھی، پھر یوں آواز سنائی دی جیسے ایک کتّے نے دوسرے کتّے کو پکڑ لیا ہے۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ میں سو گیا۔

مجھے عبدالرحمٰن نے جگایا۔ سحر ابھی تاریک تھی۔ وہ واپس جا رہا تھا۔ میں نے اُٹھ کر اُس سے ہاتھ ملایا۔

"اب بھی تمہیں بخار نہیں ہے"۔۔۔ اس نے کہا ۔۔۔ "میں دودھ کے تین ڈبے چھوڑ چلا ہوں۔ عائشہ پانی میں ملا کر تمہیں پلائے گی۔ کچھ پھل بھی ہے۔ آرام کرنا ٹھیک ہو جاؤ گے"۔

میں نے آرام نہ کیا۔ عائشہ کی کھوہ سے پانچ چھ گز دُور کھڈ کی دیوار میں ایسی جگہ دیکھ لی جو کھڈ کے اندر کے بونے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میں نے رائفل سے سنگین اُتار لی۔ اُس زمانے میں سنگین چوڑی ہوا کرتی تھی۔ اس کی شکل چھُری کی طرح تھی۔ میں نے زمین سے تقریباً ایک گز اوپر دیوار میں سنگین ماری تو سنگین آسانی سے مٹی میں اُتر گئی۔ کھدائی مشکل نظر نہ آئی۔ مشکل یہ تھی کہ میں بائیں ہاتھ سے کھدائی کر سکتا تھا۔ دایاں ہاتھ زخمی تھا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے کھدائی

شروع کر دی۔

کچھ دیر بعد عائشہ نے سنگین مجھ سے لے لی اور وہ کھوہ کھودنے لگی۔ اس کے جسم میں پھُرتی تھی اور اُس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے اس کام کو کھیل سمجھ رہی ہو۔ مٹی سے اس کے اتنے دلکش بال اور کپڑے مٹی کی طرح ہو گئے۔ وہ بچّوں کی طرح ہنستی اور کھودتی چلی جا رہی تھی۔ میں نے اُس سے سنگین لینا چاہی تو اُس نے نہ دی۔

دوپہر تک ہم باری باری کھدائی کرتے رہے۔ کھانا کھایا اور پھر کھدائی شروع کر دی لیکن میرا جسم جواب دینے لگا۔ میں نے عائشہ کو روک دیا۔ ہم نے اُس روز جو کھدائی کی وہ تقریباً تین فٹ لمبی، اتنی ہی اونچی تھی۔ عائشہ اس طرح خوشی کا اظہار کر رہی تھی جیسے بچے ریت کا گھروندا بنا کر خوش ہُوا کرتے ہیں یا جیسے ہم دو نوں اکٹھے رہنے کے لیے مکان بنا رہے ہوں۔ ہمارے حُلیے ایسے تھے جیسے ہم قبروں سے نکلے ہوں۔ نہانا ضروری تھا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی بہت وقت تھا۔

آج مجھے عائشہ کی ہر بات اور ہر حرکت یاد آتی ہے تو میں تصوّروں میں گُم ہو کر جوان ہو جاتا ہوں مگر حقیقت کی دنیا کی آوازیں مجھے ان تصوّروں سے گھسیٹ لیتی اور مجھے بوڑھا کر دیتی ہیں۔ میں پھر اُس خاموش اور چپ چاپ بستی کی طرف چل پڑتا ہوں جہاں کے مکین وہاں موجود ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے، بستے نہیں۔ وہ مٹی کی ڈھیریوں کے نیچے پڑے ہیں۔ وہیں ایک پختہ قبر عائشہ کی ہے۔ وہ اس میں اکیلی پڑی ہے۔ میں نے اُسے دفن کر کے بہت احتیاط کی تھی کہ اس پر مٹی نہ پڑے۔ میں خود قبر بند کرنے والوں کے ساتھ کام کرتا رہا تھا۔

☆

برسوں پہلے ہم دونوں نے ملایا کے جنگل میں قبر کی طرح کھوہ کھودی تھی تو عائشہ بچوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ اُس کے بالوں اور چہرے پر، ہاتھوں اور بازوؤں پر مجھے مٹی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ میں نے اُسے کہا کہ ندی پر چلتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"راستے میں شیر ہوں گے"۔۔۔ وہ سہم گئی۔ اس کی ہنسی غائب ہو گئی۔

"ہوتے رہیں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "مجھے دیکھ کر بھاگ جائیں گے"

اُس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں حیرت تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ شیر کا نام سُن کر میں بھی اندر سے کانپ گیا تھا۔ میں نے رائفل اٹھائی۔ اس پر سنگین چڑھائی۔ میگزین میں پانچ راؤنڈ تھے۔ عائشہ نے تولیہ اور صابن وغیرہ اٹھا لیا تھا۔

ہم کھڈ سے نکل کر ندی کی طرف چلے تو عائشہ میرے پیچھے تھی۔ شیروں کے ڈر سے نہ وہ کوئی بات کرتی تھی نہ میں کچھ بولتا تھا۔ عائشہ پہلے کی طرح اونچی گھاس اور درختوں کی جھکی شاخوں میں تیرنے کے لیے آگے نہ بڑھی۔ میں ہر طرف دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اونچے درختوں پر بھی میری نظریں جاتی تھیں۔ کچھ دُور جا کر عائشہ میرے پہلو میں آ گئی اور اس کے ساتھ ہی مجھے 'خرخر' اور غرّانے کی دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

میں نے رُک کر اندازہ کیا کہ یہ آوازیں کہاں اور کس طرف ہیں۔ اندازہ ہُوا تو میں راستہ بدل کر چلنے لگا۔ عائشہ کو میں نے بتا دیا کہ یہ آوازیں شیر کی ہیں۔ اُس نے ایک بازو میری کمر میں ڈال دیا۔

"ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں عائشہ!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میرا جسم آزاد رہنے دو"

"واپس چلو مہدی!"

"ہم زمین کے کیڑے نہیں عائشہ!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "شیروں میں رہنا ہے تو شیر بن کر رہنا پڑے گا"

میں نے اُس کا بازو اپنی کمر سے ہٹا دیا۔ آگے کچھ جگہ خالی تھی۔ گھاس دو تین اونچی تھی اور درخت دُور دُور تھے۔ ہم اُس جگہ پہنچے تو کوئی پچیس تیس گز دُور مجھے دو نر شیر نظر آئے۔ وہ کسی جانور کو کھا رہے تھے۔ جانور معلوم نہیں کون سا تھا۔ بھیڑیا بڑی ہو گی یا اسی قسم کا جنگلی کا کوئی جانور ہو گا۔ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ رات کو میرے قریب سے جو کتّے دوڑتے گزر گئے تھے وہ یہی شیر تھے جو اس جانور کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

اگر میں اکیلا ہوتا تو وہاں سے بھاگ جاتا۔ میں عائشہ کو دکھانے کے لیے کہ میں ڈرنے والا آدمی نہیں اور اُس کی پوری حفاظت کروں گا، وہاں رُک گیا۔

عبدالرحمٰن نے بتایا تھا کہ شیر کا پیٹ بھرا ہُوا ہو تو کسی پر حملہ نہیں کرتا۔ عائشہ میرے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ میں آگے چل پڑا۔

شیروں اور ہمارے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ ایک شیر نے ہماری طرف دیکھا۔ میں اُس کی طرف دیکھتا چلا گیا۔ اس نے دانت نکال کر بلیوں کے لڑنے جیسی آواز نکالی جیسے کہہ رہا ہو۔ "جاؤ، اپنا کام کرو"

ہم آگے نکل گئے۔ میں نے رائفل تیار رکھی ہوئی تھی اور میں پیچھے دیکھتا رہا۔

☆

"تم ڈرے نہیں؟"۔۔۔ ندی پر پہنچ کر عائشہ نے پوچھا

"شیر سے زیادہ خطرناک ڈر ہوتا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔۔۔ "تم دل سے ڈر نکال دو تو تمہارے جسم کی طاقت دُگنی ہو جائے گی"

ہم شیروں سے دُور نکل آئے تھے۔ میں نے کپڑے اُتار دیئے۔ انڈرویئر پہنے رکھا۔ زخموں کی وجہ سے میں پوری طرح نہا نہیں سکتا تھا۔ میں نے پہلے روز کی طرح زخمی ٹانگ پانی سے باہر رکھی اور سوچنے لگا کہ یہ مٹی کس طرح صاف کروں۔ عائشہ سے میں نے کہا تھا کہ وہ اُس جگہ چلی جائے جہاں ندی کا کنارا ذرا باہر کو آ جاتا تھا اور ادھر اُدھر سے ڈھکا ہُوا تھا۔ میں نے وہ جگہ دیکھی تھی۔ بڑا اچھا پردہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اُدھر چلی گئی ہے لیکن میں سر میں پانی ڈالنے کے لیے ندی میں جھکا تو عائشہ ندی میں اُتر کر میرے سامنے کھڑی تھی۔

اُس نے مجھے بٹھا دیا اور میرے سر پر ہاتھوں سے پانی ڈالنے لگی۔ اُس نے کہا۔۔۔ "پٹیاں بھیگ گئیں۔ میں بدل دوں گی۔ آبا دوائیاں دے گئے ہیں"

اُس نے کپڑے پہن رکھے تھے۔ دوسرے کپڑے ساتھ لائی تھی۔ میرے بار بار کہنے کے باوجود وہ مجھے نہلاتی رہی۔ اُس کے ہاتھ میرے تمام جسم پر پھرتے رہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُس نے مجھے صابن سے نہلایا۔ بالکل ایسے جیسے ماں اپنے بچے کو نہلایا کرتی ہے مگر وہ میری ماں نہیں تھی اور میں اُس کا بچہ نہیں تھا — اور میں بچہ تھا ہی نہیں، مرد تھا، جوان تھا، میرے خیالوں میں گہرائی اور پاکیزگی نہیں تھی۔ میری جوانی بارکوں میں گزری تھی جہاں ہم ہر بات ننگی اور لذیذ اصطلاحوں اور لفظوں میں کیا کرتے تھے۔

عائشہ کے ہاتھوں نے اور اس کے جسم نے بار بار میرے جسم کے ساتھ لگ کر مجھے فوجی جوان بنا دیا۔ مجھ پر کوئی آسیب طاری ہوگیا۔ اس کے اثر سے میں نے عائشہ کو بازوؤں پر اٹھا لیا۔ مجھے دائیں بازو کے زخم میں درد بھی محسوس نہ ہوا۔ عائشہ کھل کھلا کر ہنسی۔ میں نے بیٹھ کر اُسے پانی میں لٹا دیا۔ وہ اٹھی تو میں نے اُس کا سر اپنے ہاتھ سے نیچے کر کے اس کا سر دھویا۔ صابن سے بال دھوئے۔ اُس نے سر اوپر اُٹھایا اور میری طرف دیکھا۔

میں نے جب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو ایک تیر جیسی چیز میرے میرے دل میں اُتر گئی۔ مجھے اپنے زخموں میں درد کی ٹیسیں محسوس ہونے لگیں۔ میں تیزی سے اُٹھ کر کنارے پر آگیا اور عائشہ مجھے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے پوچھنا چاہتی ہو کہ مجھے کیا ہوگیا ہے۔

"تم کپڑے اُتار کر نہا لو عائشہ!" — میری آواز کانپ رہی تھی — "میں پرے چلا جاتا ہوں" — اور میں اپنے کپڑے اُٹھا کر اوٹ میں چلا گیا۔

☆

میں بہت بُری اذیت میں مبتلا تھا۔ مجھ پر شیطان غالب آگیا تھا لیکن مجھ میں اتنی سی انسانیت رہ گئی تھی کہ میں ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہو رہا تھا۔ عائشہ مجھے ایسی ویسی نظر نہیں آتی تھی۔ اُس کی بے تکلفی میں معصومیت تھی۔ میں اپنے آپ کو یہی یقین دلا رہا تھا کہ یہ لڑکی پاک اور نادان ہے۔ اُسے احساس ہی نہیں کہ اس جیسی خوبصورت اور نوجوان لڑکی مجھ جیسے مرد کو گناہوں کے اندھے کنوئیں میں پھینک سکتی ہے اور یہ مرد اُس جیسی معصوم لڑکی کو بھی گناہ کی کھائی میں گرا

سکتا ہے۔

میرے دل میں شیروں کا ڈر کم ہوگیا تھا۔ اُن کے قریب سے گزر کر میرا دل مضبوط ہوگیا تھا اور میں نے امید پیدا کر لی تھی کہ میں دوکا نہیں تو ایک شیر کا مقابلہ کر سکوں گا مگر اس نوجوان لڑکی نے میرے اندر جس شیر کو بیدار کر کے اُسے چھیڑ دیا تھا، میں اس سے ڈرنے لگا۔ اس پر قابو پانا میرے لیے محال ہوگیا۔

آپ عالم اور فاضل ہیں۔ آپ نے سینکڑوں کتابیں پڑھی ہوں گی۔ گناہ اور نیکی کے مسئلے کو آپ بہت اچھی طرح سمجھتے ہوں گے۔ میں جاہل اور گنوار ہوں۔ آپ کے علم نے آپ کو بتایا ہوگا کہ انسان پر شیطان کس طرح غالب آتا ہے اور انسان شیطان پر کس طرح غالب آسکتا ہے مگر شیطان کے ساتھ آپ کا واسطہ کبھی اس طرح نہیں پڑا ہوگا جس طرح مجھے پڑا تھا اور آپ نے علم کے زور سے کبھی شیطان کو زیر نہیں کیا ہوگا۔

میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ انسان گناہ کرنے پر اُتر آئے تو علم اُس کے آگے دیوار کھڑی نہیں کر سکتا، اور کوئی شیطان سے بچنے کا ارادہ کرلے تو بھی علم اُس کی مدد نہیں کر سکتا۔ یہ اپنے اندر کی روشنی ہے جسے بجھا دو تو گناہوں کے اندھیرے میں چلے جاؤ گے۔ اسے اپنے ایمان کے تیل سے زیادہ روشن کر دو تو وہ راستہ نظر آجائے گا جو خدا نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے۔

آپ کی اتنی زیادہ عمر ہوگئی ہے۔ آپ نے بھی وہ وقت دیکھے ہیں جو میں نے دیکھے ہیں۔ کیا آپ نے پرانے اور نئے زمانے میں یہ فرق نہیں دیکھا کہ جب علم اور کتابیں کم تھیں، آدمی کوئی کوئی پڑھا لکھا نظر آتا تھا، اُس وقت مرد اور عورت کے درمیان عورت کی حیا اور مرد کے اخلاق کے پردے حائل رہتے تھے۔ خاوند اور بیوی بھی سب کے سامنے ہنس کر اور بے تکلفی سے بات نہیں کرتے تھے۔ گھر میں لڑکی جوان ہوتی تھی تو اپنے جوان بھائیوں سے بھی شرماتی تھی، مگر تعلیم عام ہوئی، دیہات میں بھی سکول کھل گئے اور شہروں میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کالجوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو سب سے پہلے ہم جس زیور سے محروم ہوئے وہ عورت کی حیا اور مرد کا اخلاق تھا۔

عورتوں کو ہم ابھی تک مستورات کہتے ہیں مگر ان کا کچھ بھی مستور نہیں رہا۔ شہروں میں لوگ بے حیائی کو فیشن سمجھنے ہیں۔ شرم وحیا والی لڑکی یا لڑکے کو پسماندہ اور گنوار کہتے ہیں۔ اب نیکی اور بدی کی کوئی ٹکر نہیں۔ انسان اور شیطان نے دوستی کا معاہدہ کرلیا ہے۔

اگر آپ کتابوں کے حساب سے مجھے جانچیں تو میں اُسی طرح بے علم ہوں جس طرح برسوں پہلے ملایا کے جنگل میں تھا۔ میں جنگلی تھا۔ میں انگریز کی فوج کا سپاہی تھا۔ میں دوسرے سپاہیوں کی طرح راشن وردی اور تنخواہ کی خاطر بھرتی ہوا تھا۔ ہم سب جنگلی تھے۔ آپ کے ذہن میں پاکستان کی فوج کا سپاہی ہوگا جو اپنے ملک کی سلامتی اور اپنی قوم کی عزت کے لیے لڑتا ہے۔ مجھے آپ ایسا قابلِ قدر سپاہی نہ سمجھیں۔

کتابوں کے حساب سے میرا علم صفر ہے لیکن تجربے کے حساب سے میں عالم ہوں۔ میں آپ کو پوری تفصیل سے وہ سنا رہا ہوں جو مجھ پر بیتی ہے۔ آپ نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ مذہب اور اخلاق کا جتنا احترام اَن پڑھ انسانوں میں ہوتا ہے وہ تعلیم یافتہ لوگوں میں نہیں ہوتا۔ میں اس کی وجہ یہ سمجھتا ہوں کہ کتابوں میں ڈوبا ہوا انسان کوئی غلطی یا کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ کتابوں میں سے اپنی غلطیوں کے حق میں باتیں تلاش کرلیتا ہے۔ اَن پڑھ انسان نیکی کو نیکی اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو فریب نہیں دیتا۔ اس کے پاس فریب دینے کے لیے علم نہیں ہوتا۔

☆

عائشہ نے میرے اندر اُس شیطان کو بیدار کر دیا جو ہر انسان میں موجود ہوتا ہے تو میں ایسی اوٹ میں جا کر بیٹھ گیا جہاں سے وہ مجھے نظر نہیں آتی تھی۔ میں تصوّر

کی آنکھ سے دیکھ سکتا تھا کہ وہ ندی میں نہا رہی ہے اور اُس کے جسم پر ایک بھی کپڑا نہیں، مگر میں نے تصوّر کی آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا۔

میں آپ پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کر رہا کہ میں نیک اور پارسا تھا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں نیک اور پارسا بننے کی کوشش کر رہا تھا مگر میری یہ کوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آرہی تھی۔ بدی کی طاقت زیادہ معلوم ہوتی تھی۔

میرا دماغ سوچ سوچ کر تھک گیا تو میرے تصوّر میں عائشہ آگئی اور میں اس تصوّر سے بدمست ہوگیا۔ مجھے لطف سا آنے لگا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں تو عائشہ کا چہرہ بدلنے لگا اور یہ ایک ایسی لاش کا چہرہ بن گیا جو میں نے دیکھی تھی۔ یہ ایک کمسن ملائی لڑکی کی لاش تھی جو کھڈ میں پہنچنے سے پہلے میں نے ایک جھونپڑے میں دیکھی تھی۔ اس جھونپڑے میں ایک دودھ پیتے بچے کی لاش پڑی تھی اور دو لاشیں مردوں کی تھیں۔ اس لڑکی کا حلیہ بتاتا تھا کہ جاپانیوں نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ ان دو آدمیوں نے اپنی لڑکی کی عزت بچانے کی کوشش کی ہوگی۔

یہ کنبہ مسلمان تھا جس کا ثبوت قرآن مجید کا ایک نسخہ تھا جو جھونپڑے کی دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ میں انتقام کی آگ میں جلنے لگا تھا۔ جاپانیوں نے میری قوم کی بیٹی کی عصمت پر ڈاکہ ڈالا تھا۔

یہ مظلوم لڑکی یاد آئی تو عائشہ میرے ذہن سے اُتر گئی۔ پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے قرآن مجید کھولا تھا اور میری نظر ایک آیت کے ترجمے پر پڑی تھی — "سب تعریف اللہ کے واسطے ہے۔ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم پہچان لوگے۔ تیرا پروردگار تجھ سے غافل نہیں۔"

جاپانیوں نے مجھے جسمانی تکلیف میں ڈال دیا تھا اور میری جوانی اور عائشہ کے معصوم حُسن نے مل کر مجھے روحانی ایذا میں مبتلا کر دیا۔ مجھے جھونپڑوں کی لاشوں کے ساتھ جب قرآن کی یہ آیت یاد آئی کہ تیرا پروردگار تجھ سے غافل نہیں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں تو اس آیت کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پروردگار مجھ سے غافل نہیں اور مجھے اس خوفناک جنگل سے نکال لے گا مگر اب خیال آیا کہ پروردگار میری نیت اور میری بداعمالی کو بھی دیکھ رہا ہے اور وہ میرے گناہوں سے بھی غافل نہیں۔

میرا دل کسی کی مٹھی میں آگیا اور مٹھی شکنجے کی طرح بند ہونے لگی۔ میرا سر چکرانے لگا اور اس کے ساتھ ہی مجھے ہوا کی 'ساں ساں' میں قہر بھری سرگوشیاں سنائی دینے لگیں۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ سرگوشیاں خدا کی ہیں! اور مجھ پر خدا لعنت بھیج رہا ہے۔ میں نے گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ یہ میرا وہم نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرے اردگرد خدا کی سرگوشیاں منڈلا رہی ہیں۔

میرے آنسو نکل آئے۔ میں نے آسمان کی طرف منہ کرکے دل ہی دل میں خدا سے کہا۔ "مجھے بخش دو میرے پروردگار! میں گناہگار ہوں۔ تُو پروردگار ہے۔ مجھے اس جنگل میں پڑا رہنے دے لیکن مجھے جوانی کے جنگل سے نکال دے۔ مجھے ہمت دے کہ شیطان کا مقابلہ کرسکوں۔"

مجھے ذرا دیر بعد محسوس ہُوا کہ میری سسکیاں نکل رہی ہیں۔ میں نے سر گھٹنوں میں دے لیا۔

☆

کسی نے میرا سر اُٹھایا۔ میرے سامنے عائشہ بیٹھی تھی۔ میں نے جلدی سے ہاتھوں سے آنسو پونچھ ڈالے مگر عائشہ نے دیکھ لیا تھا کہ میں رو رہا ہوں۔ وہ مجھے حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھے دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور آدمی سمجھتی تھی مگر یہ طاقتور آدمی رو رہا تھا۔ مرد روتے اچھے نہیں لگتے — میں مسکرایا۔

"گھر یاد آگیا تھا" — میں نے جھوٹ بولا — "میں بہت دُور کا رہنے والا ہوں عائشہ! ... بہت دُور سے آیا ہوں .... میرا ملک بہت دُور ہے۔ معلوم نہیں اپنے ملک میں جا بھی سکوں گا یا نہیں۔"

"کون زیادہ یاد آتا ہے؟" — اُس نے پوچھا — "ماں؟ بہن؟ بیوی؟"

"سب یاد آگئے تھے" — میں نے جواب دیا — "میری بیوی نہیں ہے۔ میں نے شادی نہیں کی۔"

"سچ مہدی؟" — اس نے بے تابی سے کہا

"سچ کہہ رہا ہوں" — میں نے کہا — "میری منگنی ہوگئی ہے۔ شادی نہیں ہوئی۔"

اُس کا کھلا ہُوا چہرہ بُجھ گیا۔ اُس نے مایوسی کو چھپانے کی کوشش نہ کی۔

"اس لڑکی کے ساتھ تمہیں محبت ہوگی نا" — اس نے بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"نہیں عائشہ!" — میں نے کہا — "ہمارے ملک میں لڑکی اور لڑکے کو شادی سے پہلے محبت کرنے کی اجازت نہیں ہوتی نہ ہم اپنی پسند کی شادی کرسکتے ہیں۔"

"اپنی منگیتر کو تم پسند کرتے ہو؟"

"ہاں .... صرف اس حد تک کہ وہ میری بیوی بنے گی" — میں نے جواب دیا — "اگر اس سے منگنی ٹوٹ گئی اور کسی اور سے ہوگئی تو اُسے بھی اسی طرح پسند کرنے لگوں گا .... لیکن عائشہ! میں اپنے ملک پہنچوں گا تو شادی ہوگی۔ اس وقت تک میرے فوجی ہیڈ کوارٹر سے میرے گھر والوں کو اطلاع مل چکی ہوگی کہ میں جنگ میں مارا گیا ہوں میرے گھر میں ماتم ہو رہا ہوگا اور منگنی ٹوٹ چکی ہوگی۔"

اُس کا چہرہ کھل اُٹھا اور میرے چہرے پر نظریں جما کر وہ مسکرانے لگی۔

"ایک بات بتاؤ عائشہ!" — میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا — "تم یہ سُن کر اداس ہوگئی تھیں کہ میری منگنی ہوچکی ہے اور یہ سُن کر تم خوش ہو کہ میرے گھر والوں کو میری موت کی اطلاع مل چکی ہوگی؟"

اُس نے سر جھکا لیا اور اُنگلی سے زمین کو کریدنے لگی۔

"بولو نا عائشہ!"

"تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو مہدی!" — اُس نے سر جھکائے ہوئے کہا اور چُپ ہوگئی۔ ذرا دیر بعد اُس نے سر اُٹھایا اور بولی — "مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم پر کوئی اور لڑکی قبضہ کرے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے میرا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"تم مجھ پر قبضہ کرنا چاہتی ہو؟" — میں نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مسلتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"نہیں" — اُس نے جواب دیا — "تم مجھ پر قبضہ کرلو"

"ایک بات کہوں عائشہ!" — میں نے سنجیدہ ہو کر کہا — "آج تم نے ندی میں جس طرح مجھے نہلایا ہے اس طرح آئندہ نہ نہلانا"

"کیوں؟" — اُس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہم دونوں جوان ہیں نا!" — میں نے کہا — "یہاں دیکھنے والا کوئی نہیں، شیطان ہر جگہ موجود ہے"

"اوہ!" — اُس نے اس طرح سکون سے کہا جیسے میری بات سمجھ گئی ہو — "شیطان میرے قریب نہیں آسکتا۔ مجھ سے ڈرتا ہے۔ تم بھی اُسے ڈرا دو۔ میرے متعلق ایسی بات نہ سوچو۔ سوچو گے تو میں کہوں گی کہ تم بہت بُرے آدمی ہو"

میں چونک کر اُٹھا۔ سورج غروب ہو چلا تھا۔ اُسے اٹھایا اور واپس چل پڑے۔ عائشہ میرے آگے آگے چلی جا رہی تھی۔ اب اُس نے جو کپڑے پہنے تھے وہ مجھے پریشان کرنے لگے۔ اُس نے فراک کی طرح کی قمیض پہنی تھی جس میں سے اُس کے کندھے، پیٹھ کا کچھ بالائی حصہ اور سامنے گردن سے نیچے تک کا کچھ حصہ ننگے تھے۔ اُس کے بال دُھل کر اور زیادہ چمکدار ہو گئے تھے جو تیز ہوا سے اُس کے کندھوں پر بکھر کر اڑ رہے تھے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ اُس کی طرف نہ دیکھوں لیکن یہ کام بہت مشکل تھا۔ میں اپنے خیالات کسی اور طرف لے گیا۔

اچانک شیروں کی وہی غصیلی آواز سنائی دی جو میں نے کل سنی تھی۔ عائشہ پیچھے کو ہٹی اور میرے ساتھ آلگی۔ میں نے اُسے اپنے پیچھے کر لیا اور رائفل آگے کر لی۔ اب کے دونوں شیر درخت پر نہیں بلکہ ہمارے سامنے زمین پر کھڑے تھے۔ کل میں نے پہلے ایک ہی شیر دیکھا تھا۔ ہم آگے چلے گئے تو دوسرا نظر آیا تھا۔ آج دونوں اکٹھے تھے۔

ہم سے اُن کا فاصلہ پچیس تیس گز ہوگا۔ دونوں منہ پورے کے پورے کھول کر "نا۔ خا اور خر۔ خر" کی آوازیں نکالتے تھے۔

میری جوانی جو کچھ دیر پہلے کسی اور جوش میں آگئی تھی، اب شیروں کے مقابلے کے جوش میں آگئی۔ اگر جاپانیوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں گولی چلا دیتا۔ میں نشانہ باز فوجی تھا۔ میرا نشانہ خطا نہیں جا سکتا تھا۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ شیر اور زیادہ بولنے لگے لیکن پیچھے بھی ہٹنے لگے۔

"آگے نہ جاؤ مہدی!" — مجھے عائشہ کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میرے پیچھے رہنا عائشہ" — میں نے کہا — "ڈرو مت"

شیر پیچھے کو مُڑے اور بھاگ اُٹھے۔ گھاس اور جھاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ میں نے وہیں نظر رکھی جہاں سے وہ سبزے میں غائب ہوئے تھے۔

"وہ دیکھو" — عائشہ نے کہا — "درخت پر"

میں نے دیکھا۔ یہ کل والا درخت تھا۔ دونوں اُسی ٹہن پر چلے گئے تھے جہاں انہیں کل دیکھا تھا۔ میں نے عائشہ کو ساتھ لیا۔ نظر درخت پر رکھی اور ہم آگے نکل آئے۔ مجھے خیال آیا کہ آج تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے ہیں۔ جنگل میں جانور بھی نظر نہیں آتے جو ان دونوں کا پیٹ بھرتے رہیں۔ پرندے اور گلہریاں تھیں۔ کبھی کبھی بندر بھی اِدھر اُدھر سے آجاتے تھے یا میں اور عائشہ تھے جو اِن کی دو تین وقت کی خوراک بن سکتے تھے۔ لہٰذا ہم خطرے میں تھے۔

☆

کھانے پینے کے سامان کی کوئی کمی نہیں تھی۔ ہم دونوں نے پیٹ بھر لیے۔ عائشہ نے سٹوو جلا کر چائے بنائی۔ پھر عائشہ نے میری پٹیاں بدل دیں۔ زخموں کی حالت بہتر تھی۔ رات سیاہ کالی ہو گئی تھی۔

عبدالرحمٰن آگیا۔ ہمارے کھانے کے لیے بہت کچھ تھا اور وہ جلدی میں تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ وہ رات کیوں نہ رُک سکا۔ اُس نے اپنی جیب سے پیلے رنگ کی دو گولیاں نکال کر مجھے دیں اور کہا کہ دونوں کھالو، اِن سے آئندہ بخار کا خطرہ نہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رہے گا اور یہ جسم کی طاقت بحال کر دیں گی۔

میں نے دونوں گولیاں کھالیں۔ عبدالرحمٰن مجھے باہر کے حالات بتا رہا تھا۔ سنتے سنتے مجھے غنودگی آنے لگی۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا کہتا رہا اور کس وقت چلا گیا۔

میری آنکھ کھلی تو عائشہ مجھے جھنجھوڑ رہی تھی۔ میرے دل پر گھبراہٹ اور سر میں گرانی تھی۔ میں عائشہ کی کھوہ میں پڑا تھا۔ عائشہ بھی اسی کھوہ میں سوئی تھی۔ میں نے لیٹے لیٹے باہر دیکھا۔ دن کی روشنی تھی۔ یہ صبح کی روشنی ہونی چاہیئے تھی مگر عائشہ نے بتایا کہ دوپہر بھی گزر گئی ہے اور سورج غروب ہونے میں ڈیڑھ دو گھنٹے باقی ہیں۔ میں اٹھنے لگا تو محسوس ہوا جیسے جسم میں جان نہیں۔ اتنا زیادہ سو لینے سے جسم تر و تازہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ میں نے حساب لگایا۔ میں کم و بیش سولہ گھنٹے سویا تھا۔

عائشہ نے سٹوو جلا کر پانی گرم کیا اور اس میں ڈبے کا دودھ ملا کر چائے کی پتی ڈالی۔ یہ پینے کے بعد میرے جسم میں کچھ جان آنے لگی۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ نیند کا خمار ابھی باقی تھا۔ دماغ سویا سویا تھا۔

میں نے خاص طور پر دیکھا کہ عائشہ کچھ پریشان تھی۔ اس میں پہلے کی طرح شوخی اور بھولپن نہیں تھا۔

"تم کمزوری محسوس کر رہے ہو؟" — اس نے عجیب سی سنجیدگی سے پوچھا۔

"بہت زیادہ" — میں نے کہا — "مجھے شاید پھر بخار ہو گیا ہے"

"نہیں" — اس نے میرے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "بخار نہیں۔ تمہارا جسم ٹھنڈا ہے" — اس نے میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا — "نہیں.... بخار نہیں.... اٹھو ندی تک چلتے ہیں۔ نہا لو"

بخار کی کوئی علامت نہیں تھی۔ مجھے عائشہ کے ہاتھ اپنے جسم سے زیادہ گرم لگے۔ میں اٹھا مگر مجھے اٹھنے کے لیے کچھ طاقت صرف کرنی پڑی۔ میں نے احتیاطاً وہ بوتل جو عبدالرحمٰن بخار کے لیے لایا تھا۔ میں نے رائفل اٹھائی۔ کھڈے

کنارے کی ڈھلان چڑھنے کے لیے مجھے رائفل کا سہارا لینا پڑا۔ اس ڈھلان پر میں زخمی ہوتے ہوئے بھی آسانی سے چڑھ جایا کرتا تھا۔

عائشہ مجھ سے آگے اوپر چلی گئی۔ اس نے اوپر سے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا، رائفل کو زمین پر ٹکا کر سہارا لیا، تب میں اوپر گیا۔ میں جب چلنے لگا تو ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ جی میں آئی کہ عائشہ سے کہوں کہ تھوڑی دیر اور سو لینے دو، لیکن میں اس لڑکی کے سامنے اپنی کمزوری کا اظہار کرنے سے گھبراتا تھا جو مجھے اپنا طاقتور محافظ سمجھتی تھی۔

میں اس جسمانی کمزوری کو نہ سمجھ سکا۔ اتنی کمزوری تو میں نے اس وقت بھی محسوس نہیں کی تھی جب زخموں کے راستے میرے جسم کا خون نکل گیا تھا، زخموں میں پیپ پڑ گئی اور میں کئی دنوں سے بھوکا بھی تھا۔ اب مجھے بخار بھی نہیں تھا، زخم بھی ٹھیک ہو رہے تھے اور مجھے بڑی اچھی غذا مل رہی تھی اور میں تندرست آدمیوں کی طرح مسلسل سولہ گھنٹے سویا رہا تھا، پھر یہ کمزوری کیسی کہ مجھ سے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ سر میں ایسی گرانی کہ سر کہیں پٹخنے کو جی چاہتا تھا۔

عائشہ نے میری کمزوری دیکھ لی تھی۔ میرے پہلو میں آ کر بولی — "میرا سہارا لے لو" — اور اس نے میرا بایاں بازو اپنے کندھوں پر رکھ لیا اور اپنا بازو میری کمر کے گرد لپیٹ دیا۔

اس کا قد مجھ سے چھوٹا تھا۔ یہ کوئی سہارا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ میں ایک لڑکی کا سہارا قبول نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے پرے ہٹا دیا۔ وہ سامنے آ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"میں تمہیں اچھی نہیں لگتی؟" — اس نے مایوسی کے لہجے میں پوچھا۔

میں نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر کہا — "تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو عائشہ! میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں تو بہت دنوں کی بھوک، پیاس اور بخار سے بھی اتنا نڈھال نہیں ہوا تھا۔ اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

طرح ہارا نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہو جاؤ گے"۔ عائشہ نے کہا۔ "سر اور جسم پر پانی پڑے گا تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔"

عائشہ رُک رُک کر اور سوچ سوچ کر اُردو بولتی تھی تو لگتا تھا جیسے اڑھائی تین سال کا بچہ بول رہا ہو۔ وہ اُردو بولتے بہت پیاری لگتی تھی، مگر مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ بچی رہی ہی نہیں تھی، تجربہ کار عورت بن گئی تھی۔ میری محافظ بن گئی تھی۔ اس کیفیت میں وہ اور زیادہ اچھی لگتی تھی۔ اُس کی باتوں اور والہانہ حرکات سے میرے جسم میں جان آنے لگی، مگر میں نے اُس کا سہارا قبول نہ کیا۔

اور جب مجھے شیروں کی بھیانک خراٹوں جیسی غراہٹ سنائی دی تو میرے جسم میں جیسے بجلی کا کرنٹ آ گیا ہو۔ میں نے رائفل سیدھی کر لی اور رُک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے ان کے دوڑتے قدموں اور اُن کے گھاس میں سے گزرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ مجھے وہ درخت نظر آ رہا تھا جس پر میں نے پہلے بھی شیروں کو دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ٹہن پر دونوں شیر دکھائی دیئے۔ وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ہوتے اور منہ کھول کر اور خوفناک دانت دکھا کر "خاخا اور خرخر" کی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔

میں نے ذرا ہٹ کر راستہ بدل دیا اور ہم چلتے گئے۔ گھاس اور جھاڑے نکل کر پیچھے دیکھا۔ دونوں آرام سے بیٹھے تھے۔ ہم ندی تک چلے گئے۔ میں نے کپڑے اُتارے اور انڈر ویئر پہنے ہوئے ندی میں اُتر گیا۔ عائشہ بھی میرے پیچھے آنے لگی لیکن میں نے اُسے روک دیا۔ میں نے ہاتھوں سے سر پر پانی ڈالا۔ آنکھوں میں چھینٹے مارے۔ زخمی بازو اور ٹانگ کو بچا کر جسم پر پانی ڈالا۔ عائشہ نے ٹھیک کہا تھا کہ جسم پر پانی پڑے گا تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔ میرا جسم بہتر ہونے لگا۔

عائشہ نے میرے منع کرنے کے باوجود میرا جسم تولیے سے پونچھ ڈالا۔

اور عجیب بات یہ ہوئی کہ میری جذباتی حالت وہ نہ ہوئی جو ایک روز پہلے ہوئی تھی۔

ہم وہاں سے چلے تو نیند کا خمار اُتر چکا تھا۔ ٹانگوں میں طاقت آ گئی تھی اور میں تر و تازہ ہو کر چل رہا تھا۔ شیر اُسی ٹہن پر بیٹھے تھے۔ دونوں نے ہمیں دیکھا مگر اب انہوں نے بلند خراٹوں کی زبان میں غصّے کا اظہار نہ کیا۔ انہوں نے ذرا ذرا سے منہ کھولے، دانت دکھائے اور ہم راستہ بدلے بغیر گزر آئے۔ اب وہ ہمیں اجنبی یا دشمن نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے شاید ہمارے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا، مگر اس سمجھوتے کی شرط یہ تھی کہ ان کے پیٹ بھرے رہیں۔

☆

کھڈ میں پہنچے تو مجھے بھوک کا احساس ہوا۔ میں نے گزشتہ رات کھانا کھایا تھا اور اب دوسری رات آ رہی تھی۔ عائشہ نے مجھے کھانا کھلایا۔ مجھے یاد آیا کہ عبدالرحمن نے رات کو کہا تھا کہ وہ دن کو آئے گا۔

"تمہارا باپ نہیں آیا"۔ میں نے کہا۔ "معلوم نہیں کون سا ضروری کام ہے کہ رات کو بھی نہیں رُکا اور دن کو بھی نہیں آیا۔"

"آیا تھا"۔ عائشہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں ناپسندیدگی سی تھی۔ "تم گہری نیند سو رہے تھے۔ کہتا تھا کہ اسے نہ جگانا۔ وہ آج رات بھی نہیں آئے گا۔ کل اُس نے تمہیں جو دو گولیاں دی تھیں وہ دو اور گولیاں دے گیا ہے۔ کہتا تھا کہ جنگل کی آب و ہوا بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ بخار کا خطرہ ہے۔ اسے یہ گولیاں دے دینا۔"

"دے دینا"۔ میں نے کہا۔ "میں بیمار نہیں ہونا چاہتا۔"

"نہیں"۔ عائشہ نے کہا۔ "یہ گولیاں نہیں دوں گی"۔ اُس کا لب و لہجہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"عائشہ!"— میں نے پوچھا— "کیا بات ہے؟ تم اتنی پریشان اور کھوئی کھوئی سی کیوں ہو؟ یہ گولیاں مجھے کیوں نہیں دو گی؟"

"تم مجھے اپنا سمجھتے ہو؟"— اُس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا— "ساری عمر کے لیے اپنا سمجھو گے؟ اپنی منگیتر کو دل سے اتار دو گے؟... تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ میں تمام عمر تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ تمہارے ساتھ مرنا چاہتی ہوں۔"

"ہم ساتھ مریں گے عائشہ!"— میں نے کہا— "موت زیادہ قریب ہے۔ میرا وطن بہت دور ہے..... میں تمہاری خاطر ساری دنیا کو بھول جاؤں گا۔ موت کے مسافر ایک دوسرے سے بے وفائی نہیں کیا کرتے..... معلوم ہوتا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو"

"ہاں مہدی!"— اُس نے کہا— "میں تم سے کچھ چھپا رہی تھی۔ شاید اب بھی چھپائے رکھتی لیکن میرے دل میں تمہاری محبت اتنی زیادہ پیدا ہو گئی ہے کہ میں تمہیں کسی خطرے میں نہیں دیکھ سکتی۔ تم اتنے دلیر اور طاقتور مرد ہو کہ مجھے ہر خطرے سے بچا سکتے ہو۔ ہم دونوں خطرے میں ہیں۔ یہ خطرہ نہ جاپانیوں کا ہے نہ شیر دل کا۔ ہمیں اس شخص کی طرف سے خطرہ ہے جو میرا باپ بنا ہوا ہے.... عبدالرحمٰن میرا باپ نہیں ہے۔"

"پھر کیا ہے؟"— میں نے حیران ہو کر پوچھا— "یہ تمہارا کیا لگتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں"— عائشہ نے جواب دیا اور ایک اور جگہ کا نام لے کر کہا— "عبدالرحمٰن پہلے وہاں ہوتا تھا۔ وہاں بھی اس کی فوجی کینٹین تھی۔ اُس وقت میری عمر چھ سات سال تھی۔ میرا باپ عبدالرحمٰن کا دوست تھا۔ پہلے میری ماں مر گئی پھر کوئی ایک سال بعد میرا باپ بھی مر گیا۔ عبدالرحمٰن مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اُس کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ماں باپ کے سوا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے اور اس کی بیوی نے مجھے اپنی بچیوں کی طرح پالا۔ یہ اپنی بیوی

کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔ اس کا پیار میرے لیے تھا۔ مجھے دودھ، مکھن اور پھل وغیرہ بہت کھلاتا تھا اور پیار کرتا تھا۔ کپڑے بہت اچھے پہناتا تھا۔ اس نے مجھے شہزادی بنا کر میرے دل سے ماں باپ کی یاد مٹا کر دی....

"میں کھلنڈری لڑکی بن گئی۔ ہمارے پڑوس میں ہندوستان کے مسلمانوں کے گھر تھے۔ میں ان کے بچوں کے ساتھ کھیلتی تھی۔ انہی سے میں نے اُردو سیکھی تھی۔ عبدالرحمٰن مجھے اتنی اچھی غذا کھلاتا تھا کہ میں تو جیسے وقت سے پہلے جوان ہو گئی۔ پھر ہم سورت تھانی آ گئے۔ یہاں بھی عبدالرحمٰن کی کینٹین تھی۔ اس نے یہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں بھی ہمارے پڑوس میں ہندوستانی مسلمانوں کے دو گھر تھے۔ میں اُن کے بچوں میں گھل مل گئی مگر میں اب بچی نہیں تھی۔ عمر شاید تیرہ سال ہو گی لیکن جسمانی طور پر میں اسی طرح لگتی تھی جیسے آج ہوں....

"جاپانیوں کے حملے سے دو تین مہینے پہلے کی بات ہے کہ عبدالرحمٰن کی بیوی نے ایک روز مجھے کہا— 'کیا تم پسند کرو گی کہ میرا خاوند تمہارے ساتھ شادی کر لے؟'— میں نے جواب دیا کہ میں تو اسے اپنا باپ سمجھتی ہوں، اور تمہاری موجودگی میں میں اس کی بیوی کیسے بن سکتی ہوں؟ میں نے اُس سے یہ بھی پوچھا کہ اُس نے ایسی عجیب بات کیوں کہی ہے۔ اُس نے کہا— 'میرا خاوند تمہیں اپنی بیوی بنانے کے لیے پال رہا ہے۔ اسی لیے یہ تمہیں اتنی اچھی اور اتنی زیادہ غذا کھلاتا ہے۔ تم اب جوان ہو۔ میں تمہاری ملاقات تمہاری پسند کے کسی جوان آدمی سے کرا دوں گی۔ تم اُس کے ساتھ چلی جاؤ'....

"میں اُس کی بات پر حیران نہ ہوئی اور مجھے کوئی افسوس بھی نہ ہوا۔ شاید میں سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور اس کا مطلب کیا ہے۔ میں نے یہ دیکھا تھا کہ جوں جوں میں جوان ہوتی جا رہی تھی، عبدالرحمٰن کا اپنی بیوی کے ساتھ سلوک بہت بُرا ہوتا جا رہا تھا۔ اُسے اُس نے نوکرانی کا درجہ دے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

دیا تھا۔ عبدالرحمٰن کو تم نے دیکھا ہے کہ بوڑھا نہیں ہُوا۔ میں اس سوچ میں پڑ گئی کہ اگر مجھے شادی کے لیے کہہ بیٹھے تو میں کیا جواب دوں۔ اُس نے ایسی کوئی بات نہ کہی تو ایک روز میں نے خود اُسے بتا دیا کہ اُس کی بیوی نے مجھے کہا ہے کہ وہ میری ملاقات میری پسند کے کسی جوان آدمی سے کرا دے گی اور میں اس کے ساتھ چلی جاؤں....

"عبدالرحمٰن نے مجھے تو کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا لیکن اپنی بیوی کے ساتھ اُس کا سلوک زیادہ بُرا ہو گیا۔ ان میں لڑائی جھگڑا بھی ہُوا۔ عبدالرحمٰن نے اُسے مارا پیٹا اور وہ بیمار رہنے لگی۔ عبدالرحمٰن اُسے دوائی دیتا تھا جس سے وہ سوئی رہتی تھی۔ کل رات تم سو گئے، ساری رات سوئے رہے اور سارا دن سوئے رہے اور جاگ کر اُٹھے تو تم سے اُٹھا نہ گیا تو مجھے یاد آیا کہ عبدالرحمٰن نے کل رات تمہیں جو گولیاں دی تھیں، وہ یہی گولیاں بیوی کو دیا کرتا تھا۔ وہ سوئی رہتی تھی۔ جاگتی تھی تو اُٹھ نہیں سکتی تھی۔ وہ سات آٹھ روز بعد مر گئی۔ اب وہ تمہیں یہی گولیاں دینا لگا ہے۔ تمہاری یہ حالت ان گولیوں کے اثر سے ہوئی ہے۔ اسے پتہ چل گیا ہے کہ میں تمہیں چاہتی ہوں'۔ چاہتی ہوں۔"

عائشہ غالباً یہ کہہ رہی تھی کہ عبدالرحمٰن کی بیوی کے مرنے کے چند روز بعد جاپانی فوج نے حملہ کر دیا اور عبدالرحمٰن عائشہ کو یہاں لے آیا، مگر میں اس قدر بھڑک اُٹھا تھا کہ اُس کی بات پُوری نہ سُنی۔ میں اس شخص کو قتل کرنے پر تُل گیا۔

□□

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں پنجاب کا دیہاتی اور فوجی، اپنے دیہات کی روایات کے مطابق انتقام کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اُس دور میں بھی اور آج بھی ہم لوگ لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے جھگڑے اور تنازعے طے کیا کرتے ہیں۔ ہم صلح و صفائی کو بزدلی سمجھتے ہیں۔ عبدالرحمٰن نے مجھے گولیاں کھلا کر قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ کوشش اس لڑکی کی خاطر کی تھی جو مجھے چاہتی تھی۔ میرے دل میں عبدالرحمٰن کے خلاف عداوت اور رقابت پیدا ہو گئی۔ میں بھول ہی گیا کہ میں کہاں ہوں، کیسے حالات اور کیسے خطرات میں گھرا ہُوا ہوں۔ مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں زخمی ہوں اور مجھے عبدالرحمٰن کی مدد کی ضرورت ہے۔

عائشہ نے مجھے بتایا کہ عبدالرحمٰن اُس کا باپ نہیں اور اُسے بیٹی کی طرح پال کر اسے بیوی بنانا چاہتا ہے تو جلتی پر جیسے تیل چھڑک دیا گیا ہو۔ میری سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ عائشہ بھانپ گئی کہ میں بہت غصّے میں ہوں۔

"وہ آئے گا تو گولیوں کے متعلق اُس سے کچھ پوچھو گے؟"۔۔۔ عائشہ نے پوچھا۔

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"مہدی!"۔۔۔ اُس نے مجھے جھنجھوڑ کر کہا۔۔۔ "کیا سوچ رہے ہو؟ تم اس کے ساتھ یہ بات کرو گے جو میں نے تمہیں بتائی ہے؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اُسے کس طرح ختم کروں گا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں نے یہ سوچ لیا ہے کہ اُس کی لاش اس کھوہ میں رکھ کر کھوہ کو مٹی سے بھر دوں گا۔ اُسے ٹھکانے لگانے کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ اُس کی لاش جنگل میں پھینک آؤں گا۔ شیروں کا پیٹ بھر جائے گا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم نے ٹھیک نہیں سوچا"۔۔۔ عائشہ بولی۔۔۔ "ہو سکتا ہے اُس کی بیوی نے غلط کہا ہو کہ یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس عورت کو شک ہُوا ہوگا۔۔۔۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اپنی بیوی کو اسی قسم کی گولیاں دیا کرتا تھا اور اس کی جسمانی حالت یہی ہوتی تھی جو تمہاری ہوئی ہے پھر وہ مرگئی تھی مگر شادی والی بات غلط ہو سکتی ہے۔ وہ آئے گا تو میں اُسے اس کی بیوی کی یہ بات یاد دلاؤں گی اور اس کی نیّت معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"شادی والی بات غلط ہو سکتی ہے لیکن اس نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"پھر ہم کھائیں گے کہاں سے؟"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔۔۔ "اُسے تم قتل کر دو گے تو ہم اس جنگل میں جانوروں کی طرح خوراک ڈھونڈتے پھریں گے؟ ہم کب تک زندہ رہ سکیں گے؟ ہم اُسے دھوکے میں کیوں نہ رکھیں؟ اس کی نیّت کا بھی پتہ چل جائے گا۔"

مجھے توقع نہیں تھی کہ عائشہ عقل کی بات کر سکے گی۔ میں اُسے کمسن لڑکی سمجھ رہا تھا۔ میں جذبات کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ عائشہ کے حسن اور اس کی نوجوانی کے متعلق بھی میری سوچوں پر جذبات غالب آگئے تھے۔ مجھے عائشہ کی بات نے متاثر کیا۔

میرے دماغ سے گولیوں کا اثر بھی اُتر چکا تھا۔ میں نے عائشہ کی طرح حقیقت پر غور کیا تو مجھ پر واضح ہُوا کہ میں اپنے گاؤں میں نہیں ہوں جہاں اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا ہے۔ میں ایسے جنگل میں اور ایسے حالات میں گھر گیا تھا جن پر موت کا قبضہ تھا۔ میں درندوں سے ڈر ڈر کر جینے والا کمزور سا جانور تھا۔ میں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ یہاں عقل اور چالاکی کی ضرورت ہے۔ ذرا سی بھول چوک اور بے احتیاطی بہت بڑی مصیبت پیدا کر دے گی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں عبدالرحمٰن کو قتل نہیں کروں گا اور اس پر یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دوں گا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ عائشہ اس کی بیٹی نہیں اور یہ بھی کہ وہ مجھے جو گولیاں دے رہا ہے یہ مجھے جسمانی طور پر بیکار کرتے کرتے ختم کر دیں گی۔ میں نے یہ خطرہ بھی محسوس کر لیا کہ اگر اسے پتہ چل گیا کہ عائشہ نے مجھے اس کی اصلیّت اور نیّت بتا دی ہے تو وہ مجھے دھوکے سے پکڑوا دے گا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو عائشہ!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں اسے کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ تم اس سے بات کرنا اور میں اس پر نظر رکھوں گا۔ ہم بہت مجبور ہیں عائشہ! ہمیں عقل اور ہوش ٹھکانے رکھنے پڑیں گے۔"

"وہ کہہ گیا تھا کہ ایک دو راتیں نہیں آئے گا"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔۔۔ "اتنے دنوں میں تمہارا غصّہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور اطمینان سے سوچ سکو گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔۔۔۔ وہ آج رات نہیں آئے گا۔ تم باہر نہ سونا۔ ہم دونوں اسی کھوہ میں سوئیں گے۔"

"نہیں عائشہ!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں باہر سوؤں گا۔"

"کیوں؟"۔۔۔ اس نے بچّوں کی سی معصومیّت سے پوچھا۔

"تم بہت خوبصورت ہو عائشہ!"۔۔۔ میں نے ایسی بے چارگی سے کہا جیسے مجھ پر کسی آسیب کا قبضہ ہو۔۔۔ "مجھے اتنے سخت امتحان میں نہ ڈالو۔ انسان بہت کمزور چیز ہوتا ہے۔"

"تمہیں تو میں بہت ہی طاقت ور اور دلیر مرد سمجھتی ہوں"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔۔۔ "تم اپنے آپ کے لیے طاقتور نہیں ہو؟"

میں اُس وقت اُس کی یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ بہت بعد میں سمجھا۔ طاقتور اور دلیر آدمی اپنے آپ کے لیے کمزور اور بزدل ہُوا کرتے ہیں۔ انسان کامل تب بنتا ہے جب جوانی میں اپنی طاقت اور دلیری کو اپنے خلاف استعمال کرے اور اپنی جسمانی خواہشات اور حیوانی جذبات کے قلعے کو سر کر لے۔۔۔۔ میں اُس عمر میں اور اُس جنگل میں عائشہ کی بات نہ سمجھ سکا۔ میں نے عائشہ سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ بھی نہ کہا۔ وہ کھانے کا سامان نکالنے لگی اور میں نے لیمپ جلا دیا۔

☆

ہم پیٹ بھر چکے تو میں سوچنے لگا کہ میں عائشہ کو کس طرح سمجھاؤں کہ مجھے کھوہ سے باہر سونا چاہیے۔ میرا خیال تھا کہ اُسے کچھ بھی معلوم نہیں مگر اُس نے باتیں کیں تو مجھے پتہ چلا کہ اسے سب کچھ معلوم ہے۔ اس سے مجھے اطمینان ہُوا لیکن یہ اطمینان کافی نہیں تھا، مضبوط نہیں تھا۔

جنگل کی رات کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جھینگر اور مینڈک بول رہے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ تیندوے اور شیر بھی شکار کی تلاش میں گھوم پھر رہے ہوں گے لیکن ان کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی کیونکہ یہ تو تنہا شیر تھے جو گرجا اور دھاڑا نہیں کرتے۔

ان آوازوں میں مجھے عبدالرحمٰن کی آواز سنائی دی ۔۔۔ ”عائشہ.... مہدی!“

”وہ آگیا ہے“۔ عائشہ نے کہا۔

میں کھوہ سے نکلا تو وہ نیچے آگیا تھا۔ اُس نے کچھ سامان اُٹھا رکھا تھا۔ وہ بانس کی ایک برچھی بھی لایا تھا۔

”مجھے آج رات نہیں آنا تھا“۔ اُس نے کھوہ میں آکر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”آج آنا اس لیے ضروری سمجھا کہ میں چھ سات روز نہیں آسکوں گا۔ شہروں میں حالات بہت بہتر ہو گئے ہیں۔ ہمارے چند ایک لیڈروں کو جاپانیوں نے حکومت میں شامل کر لیا ہے۔ انہیں مقامی لوگوں پر اعتبار آگیا ہے۔

اب یوں ہو گا کہ جاپانی ہمارے لیڈروں کے مشوروں سے شہروں اور قصبوں میں شہریوں کی کمیٹیاں بنا رہے ہیں جو حکومت کی مدد کریں گی۔ لوگ جاپانیوں کے وفادار ہو گئے ہیں۔ جاپانیوں کی دست درازیاں بھی ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ پھر بھی عائشہ کے لیے وہ خطرہ موجود ہے جس سے بچانے کے لیے اِسے میں

یہاں لایا تھا۔ مجھے بھی قصبے کی کمیٹی میں شامل کیا جائے گا۔ میں اسی سلسلے میں باہر جا رہا ہوں۔“

”پھر تو ہم جلدی اپنے گھر جا سکیں گے“۔ عائشہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”کمیٹیاں بننے میں وقت لگے گا“۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔ ”شاید دو تین مہینے لگ جائیں گے۔“

وہ میری پٹیاں بدلنے لگا۔ میں نے اُسے روکتے ہوئے بتایا کہ عائشہ پٹیاں بدل چکی ہے۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی، وہ غائب ہو گئی۔ اُس نے عائشہ کی طرف دیکھا، پھر مجھے دیکھا اور بولا۔ ”تم نے آج بھی وہ گولیاں کھائی ہیں جو میں دے گیا تھا؟“

”ابھی نہیں“۔ میں نے جواب دیا۔ ”تھوڑی دیر بعد کھا لوں گا۔“

”میں نے جو گولیاں تمہیں کھلائی تھیں ان سے طبیعت میں کوئی فرق محسوس کیا تھا؟“

”بہت زیادہ“۔ میں نے بڑے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ”بڑی گہری نیند آئی تھی۔“

”یہ گولیاں لیتے رہنا۔ میں بہت سی گولیاں لے آیا ہوں۔ میری غیر حاضری میں استعمال کرتے رہنا“۔ اُس نے کہا۔ ”ان سے تمہارے جسم کی طاقت بحال ہو جائے گی.... میں برچھی لے آیا ہوں۔ جب بھی باہر جاؤ، برچھی عائشہ کے ہاتھ میں اور تمہارے ہاتھ میں رائفل ہونی چاہیے۔ ان شیروں سے زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں لیکن ان سے ہوشیار رہنا۔“

میں اپنے کمبل اُٹھائے کھوہ سے اوپر چلا گیا اور ایک درخت تلے کمبل بچھا کر لیٹ گیا۔ رائفل اپنے پاس رکھی۔ میں لیٹتا تھا تو آنکھ لگ جایا کرتی تھی مگر اُس رات نیند کا نام و نشان نہ تھا۔ میں بے چینی محسوس کر رہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا۔ میں جس زمین پر گہری نیند سویا کرتا تھا وہ جسم کو چبھ رہی تھی۔ میں جب تک عبدالرحمٰن کو عائشہ کا باپ سمجھتا رہا سکون اور اطمینان میں رہا۔ اب، عائشہ کے انکشاف کے بعد، یہ احساس مجھے آگ بگولہ کرنے لگا کہ عائشہ پر اس شخص کا کوئی حق نہیں۔ کبھی یہ خیال مجھے آگ بگولہ کر دیتا کہ عائشہ اس آدمی کی قیدی ہے۔

ایک بار تو میں بیٹے بیٹے اُٹھ بیٹھا اور رائفل اٹھالی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ عائشہ کو اس فریبی آدمی سے آزاد کرانا میرا فرض ہے۔ کبھی رقابت کا شعلہ بھڑکتا۔ "عائشہ اس سے نفرت کرتی ہے، اور مجھے چاہتی ہے۔ یہ شخص میرا ایک گھونسہ نہیں سہہ سکتا۔"

عبدالرحمٰن میرے لیے قابلِ نفرت شخص بن گیا۔ میرے دل میں اس کا احترام تھا مگر اس کی نیت کی پراگندگی نے اس کا چہرہ بگاڑ دیا تھا۔ مجھے ایسے نظر آنے لگا جیسے ایک خوبصورت آدمی کے چہرے کو چیچک نے مکروہ بنا دیا ہو۔ شاید آپ نے بھی تجربہ کیا ہوگا کہ نیت اور ضمیر صاف ہو تو چیچک والے چہرے بھی خوشنما لگتے ہیں۔ آپ اپنے گناہوں کو چھپا کر رکھیں، ان کا عکس آپ کے چہرے پر نظر آنے لگے گا۔ ہر کوئی کہے گا کہ یہ چہرہ کسی شریف انسان کا نہیں۔ اس کے مقابلے میں عائشہ جسے قدرت نے حُسن کا شاہکار بنایا تھا، مجھے پہلے سے زیادہ حسین نظر آنے لگی تھی لیکن مظلوم اور مجبور بھی۔

مجھے جب یہ خیال آیا کہ میں جو عائشہ کو عبدالرحمٰن کی قید سے رہائی دلانے کی سوچ رہا ہوں، خود اس کا قیدی ہوں تو میرا دل بجھ گیا اور خیالات کسی اور طرف چل پڑے۔ ایسے لگا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں مگر خواب ایسے تو نہیں ہوا کرتے۔ حقیقت اپنے آپ کو منوا رہی تھی۔ میں کروٹ بدلتا تھا تو زمین چبھتی تھی۔ میں جن حالات میں گھر گیا تھا، یہ کبھی تصوّر میں، کبھی خواب میں بھی نہیں آئے تھے۔ کل تو دُور کی بات تھی، پل کا

پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو جائے۔ شیر جھپٹ پڑیں یا جاپانی آدھمکیں اور پکڑ کر لے جائیں۔ ایسی صورتِ حال میں انسان سوچتا کچھ اور ہے، ہوتا کچھ اور ہے۔ میرا دماغ تھک گیا۔ میں نے سوچنا چھوڑ دیا اور آنکھ لگ گئی۔

☆

میری آنکھ بہت جلدی کھل گئی۔ میرے پاس عبدالرحمٰن بیٹھا تھا۔ اُسی نے مجھے جگایا تھا۔ سحر ابھی تاریک تھی۔ وہ صبح صادق تک اپنے گھر پہنچنے کے لیے صبح کاذب کے وقت چل پڑتا تھا۔

"میں جا رہا ہوں"— اس نے کہا— "تم سوئے رہو۔ رات تم نے گولیاں کھائی ہوں گی۔ گہری نیند سو جانا۔ یہ گولیاں تمہیں اتنی نیند دیں گی کہ تمہارے جسم کی طاقت دوگنی ہو جائے گی"۔

"میں نے رات گولیاں نہیں کھائی تھیں"— میں نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ آپ بہت دن نہیں آئیں گے"— میں نے کہا— "اگر میں گہری نیند سویا رہا تو عائشہ کی حفاظت کون کرے گا۔ وہ یہاں اکیلی بھی رہی ہے مگر شیر نہیں تھے۔ اب میرے ساتھ شیر بھی آگئے ہیں۔ مجھے بیدار اور ہوشیار رہنا ہے۔"

"ہاں ہاں!"— اُس نے قدرے ہکلا کر کہا— "گولیاں نہ کھانا۔"

"نہ کھاؤں گا تو بیمار نہیں ہو جاؤں گا؟"— میں نے اُسے پریشان کرنے کے لیے کہا۔

"نہیں"— وہ چپ ہو گیا۔ مجھے اندھیرے میں بھی پتہ چل رہا تھا کہ وہ پریشان ہے۔ کہنے لگا— "میں جتنے دن نہ آؤں، یہ گولیاں نہ کھانا۔ میں جب ہر رات آنے لگوں گا تو پھر گولیاں شروع کر دینا۔"

اُس کے لہجے میں پہلے والی پختگی نہیں تھی۔ وہ بیوقوفوں کی طرح

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بول رہا تھا۔ یہ اُس کی بزدلی اور فریب کاری کا ثبوت تھا۔ میں نے بڑی ہی مشکل سے اپنے غصّے پر قابو پایا۔

"میری بات غور سے سنیں جناب!"۔۔۔ میں نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "آپ کس چکر میں پڑے ہوئے ہیں؟ ہم یہاں خطروں میں پڑے ہیں جن کا مقابلہ ہمیں مل کر کرنا ہے مگر آپ مجھے خطرہ سمجھ رہے ہیں۔ آپ عائشہ کے لیے جاپانیوں کی طرف سے جو خطرہ محسوس کرتے ہیں وہی آپ مجھ سے بھی کر رہے ہیں۔"

وہ احمقوں کی طرح ہنس پڑا اور بولا۔ "نہیں نہیں.... میں تم سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔"

میری اس کے ساتھ بہت باتیں ہوئیں لیکن میں نے اصل بات نہ کہی۔ اُس کے راز کو راز ہی رہنے دیا۔ اُس کے بولنے میں پہلے جیسے رعب کی بجائے ہکلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔

"عبدالرحمٰن صاحب!"۔۔۔ میں نے کہا۔ "آپ نے مجھے انعام بھی پیش کیا تھا اور دھمکی بھی دی تھی۔ آپ مجھے عائشہ کی چوکیداری کے لیے غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کو بتا دیا تھا کہ نہ مجھے انعام کا لالچ ہے نہ دھمکی کا ڈر۔ آپ مجھے اپنا بھائی سمجھیں گے تو یہ میرے لیے بہت بڑا انعام ہوگا۔ میں اس کے عوض آپ کا غلام بنا رہوں گا.... اور اگر آپ مجھے دھوکہ دیں گے تو یہ سوچ لیں کہ میں نوجی ہوں۔ آپ نے مجھے پکڑوانے کی کوشش کی تو میں اس لڑکی کو بھی قتل کر دوں گا اور آپ کو بھی۔ میں بھاگ نکلنا بھی جانتا ہوں۔ میرے ساتھ بھائیوں کی طرح رہو۔"

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی زبان ہی بند ہو گئی ہو۔ میں چُپ ہو گیا تو وہ بھی چپ رہا۔ ذرا دیر بعد اُس نے اچانک میرا ایک ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں قرآن مجید لاتا ہوں"۔۔۔ اُس نے کہا۔ "تم قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ کہ تم عائشہ کو اپنی بہن سمجھو گے۔"

میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ شخص قرآن مجید اپنے پاس رکھے ہوئے تھا اور میرے ساتھ اتنا بڑا جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ قرآن مجید لانے کے لیے اُٹھنے لگا۔

"بیٹھے رہو"۔۔۔ میں نے اُسے بازو سے کھینچ کر غصّے سے کہا۔ "تم قرآن مجید کیوں ساتھ رکھے ہوئے ہو؟.... اللہ کے کلام کی بے ادبی کرتے ہو؟"۔۔۔ غصّے سے میری آواز کانپنے لگی۔ "خود جھوٹ بولتے ہو اور مجھ سے اللہ کے کلام کی قسم لیتے ہو؟.... خدا تمہیں اپنے کلام کی بے ادبی کی بڑی سخت سزا دے گا۔"

"مہدی بھائی!"۔ اُس نے ایسے لہجے میں کہا جیسے ابھی رو پڑے گا۔ کہنے لگا۔ "میں نے تمہارے ساتھ کوئی جھوٹ نہیں بولا.... بتاؤ، میں نے کیا جھوٹ بولا ہے؟"

"اب چلے جاؤ"۔ میں نے کہا۔ "اور دماغ ٹھکانے رکھو۔ میں تو یوں سمجھتا ہوں جیسے پھانسی کے تختے پر کھڑا ہوں۔ میرے ساتھ گڑبڑ کرو گے تو تمہیں بھی اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گا۔"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری بیٹی کی عزّت اور جان محفوظ رہے۔"

"یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ تم اسے اپنی بیٹی سمجھتے رہو۔" میں نے کہا۔

میری اس بات کا اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے پاس شاید کوئی جواب تھا ہی نہیں۔ اُس کے دل کا چور مجھے نظر آنے لگا تھا۔

وہ جانے کے لیے اُٹھا تو میں نے اُسے کہا کہ میں کچھ دُور تک اُس کے ساتھ جاؤں گا کیونکہ جنگل میں دو شیر موجود ہیں۔

"میرے پاس ریوالور ہے"۔ اُس نے کہا۔ "تم عائشہ کے پاس رہو۔"

وہ چُپ ہو گیا، پھر میری ٹھوڑی تھام کر بولا۔ "اسے اپنی بہن سمجھنا.... ہیں بھائی؟"

میں نے کچھ کہے بغیر اُس سے ہاتھ ملایا اور اُسے رخصت کر دیا۔ صبح

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی دُھند ابھی کالی تھی۔ وہ تاریک جنگل میں غائب ہوگیا۔

☆

میں وہیں کھڑا اُس کے متعلق سوچتا رہا۔ یہ خیال بھی آیا جیسے ہم دونوں میں سے کوئی ایک پاگل ہے۔ آج عبدالرحمٰن کی باتیں یاد آتی ہیں تو ان میں پاگل پن نظر آتا ہے۔

نیند سے میرا دماغ بوجھل ہو رہا تھا۔ میں رات بہت دیر سے سویا اور عبدالرحمٰن نے سحر کے وقت جگا دیا تھا۔ میں بچھے ہوئے کمبل پر لیٹ گیا۔ غنودگی آنے لگی تو عائشہ کا خیال آگیا۔ وہ سوئی ہوئی تھی ورنہ عبدالرحمٰن کے جانے کے بعد اوپر آجاتی۔ میں نیچے پھیلا گیا۔ کھوہ میں اندھیرا تھا۔ مجھے معلوم تھا لیمپ اور ماچس کہاں پڑے ہیں۔ میں نے نہایت آہستہ آہستہ کھوہ میں جا کر آواز پیدا کیے بغیر ٹٹولا۔ ماچس ہاتھ میں آگئی۔ اس سے لیمپ جلایا۔ یہ مٹی کے تیل سے جلنے والا چھوٹا سا لیمپ تھا۔

عائشہ بڑی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھ نہ کھُلی۔ وہ معصوم سی بچی لگ رہی تھی۔ اُس کے چند ایک بال بکھر کر منہ پر پڑے ہوئے تھے۔ اس لڑکی نے اپنے اور عبدالرحمٰن کے متعلق جو انکشاف کیا تھا، شاید اس کا اثر تھا کہ وہ مجھے بدلی بدلی سی لگی تھی۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر میری نظریں اس کے پاؤں سے چلیں تو پھسلتی سرکتی سر تک چلی گئیں۔

"میں تمام عمر تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں"۔۔۔ میرے ذہن میں عائشہ کے الفاظ گونجنے لگے جو اس نے مجھے گزشتہ شام کہے تھے۔ "میرے دل میں تمہاری اتنی محبت پیدا ہوگئی ہے کہ تمہیں کسی خطرے میں نہیں دیکھ سکتی"۔

میرا ایک ہاتھ اپنے آپ آگے بڑھا اور اس ہاتھ کی انگلیوں نے عائشہ کے سفید ماتھے اور گالوں پر پڑے ہوئے بال ہٹا دیئے۔ اُس وقت

وہ چت لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کے بال پیچھے کیے تو بھی اُس کی آنکھ نہ کھُلی۔

میرا ہاتھ ابھی اُس کے بالوں پر تھا۔ اس نے میری طرف کروٹ بدلی اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے گال کے نیچے رکھ لیا۔ میں نے اپنا ہاتھ کھینچا نہیں۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ میرے جذبات میں وہ اُبال نہ اُٹھا جو ندی پر اُٹھ چکا تھا اور جس سے بچنے کے لیے میں نے رات عائشہ کی یہ بات نہیں مانی تھی کہ میں اُس کے ساتھ کھوہ میں سو جاؤں۔

اس کی بجائے مجھے یہ خیال آیا کہ اس معصوم سی لڑکی کی قسمت میں نہ جانے اور کیا کچھ لکھا ہے۔ اس کے ماں باپ بچپن میں مر گئے۔ ایک ایسے آدمی نے اسے بیٹی بنا لیا جس کے دل میں بہت بڑا دھوکہ ہے۔ پھر اس لڑکی کو جنگل میں رہنا پڑا۔ اس جنگل پر اب جاپانی بھوکے بھیڑیوں کی طرح قابض تھے۔ جنگل میں شیر بھی تھے۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ لڑکی جاپانیوں سے محفوظ رہے گی۔ یہاں کب تک چھپی رہے گی؟ انجام کیا ہوگا؟۔۔۔۔ کچھ پتہ نہیں تھا۔ اس کی خوبصورتی اور نوجوانی اس کے لیے مصیبت بن گئی تھی۔ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ عبدالرحمٰن اسے ہر خطرے سے بچا بھی لے تو اسے اپنی بیوی بنا لے گا۔ اتنی زیادہ عمر کا آدمی، اتنی کمسن لڑکی کا شاذ و نادر ہی ہوگا۔

میرا خون کھولنے لگا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ عائشہ کو بچاؤں گا۔ اگر عبدالرحمٰن نے اسے مجھ سے دُور لے جانے کے لیے دھوکہ دیا تو میں دونوں کو گولی مار دوں گا۔ یہ تو مجھے نظر آنے لگا تھا کہ انجام موت ہوگا۔۔۔ میری موت، عبدالرحمٰن کی یا عائشہ کی موت یا ہم تینوں کو اکٹھے مرنا تھا۔

☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

یہاں میں ایک اور بات کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں یہ کہانی کیوں سنا رہا ہوں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں یہ تاثر پیدا نہیں کر رہا کہ میں نیک اور پارسا تھا۔ میں پڑھنے والوں کو کچھ اور بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ انسان اپنے ذہن کو جس طرف لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے اور ذہن انسان کو اُسی رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ ذہن ایک سانچہ ہے۔ اپنے آپ کو اس میں ڈال دو تو اسی سانچے میں ڈھل جاؤ گے۔ یہ سانچہ بدی کا بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا عموماً بدی کا ہی ہے۔ بدی میں جو کشش ہے وہ نیکی میں نہیں۔

میرے آگے عائشہ مجبور اور بے بس تھی۔ وہ مجھے چاہتی بھی تھی۔ میں اُسے آسانی سے اپنی خواہشات کا غلام بنا سکتا تھا مگر اُسے اس مجبوری کے عالم میں دیکھا تو میں اپنے ذہن کو بدی سے دُور لے گیا۔ دل میں ہمدردی پیدا ہو گئی، مگر اصل حقیقت یہ تھی کہ میں بہت بڑی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اندھی جوانی بار بار میری آنکھوں پر ہاتھ رکھتی تھی اور میں اس کے ہاتھ ہٹا کر نیکی اور بدی کو پہچاننے کی کوشش کرتا تھا۔ کبھی تو ذہن مجھے سیلاب کی طرح اپنے ساتھ بہا لے جاتا تھا اور میں ہاتھ پاؤں مار کر اس سے نکل آتا تھا۔

سیلاب بہت تیز اور تند تھا، اور یہی میری سب سے بڑی مشکل تھی۔

عائشہ جیسی حسین لڑکی میرا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھے گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں اس کے اتنی قریب بیٹھا تھا کہ اس کا جسم میری ٹانگوں کو چھو رہا تھا۔ اسے دیکھتے دیکھتے مجھے اپنا گاؤں یاد آ گیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے اپنی منگیتر یاد آ گئی۔ اُس نے میری بڑی بہن سے کہا تھا۔ "میری ساری عمر انتظار کرائے گا تو میں ساری عمر انتظار کروں گی۔ شادی اسی کے ساتھ کروں گی۔"

"کیا وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی؟" مجھے خیال آیا۔ "نہیں.... ایسا نہیں ہو سکتا۔" مجھے اپنے آپ سے جواب ملا۔ "میرے ماں باپ کو سرکاری اطلاع مل چکی ہو گی کہ آپ کا بیٹا جنگ میں مارا گیا ہے۔ میرے گھر ماتم ہو رہا ہو گا۔ چالیسواں بھی ہو چکا ہو گا اور میری منگیتر کے دوسرے امیدواروں نے اُس کے ماں باپ کے ہاں

جانا شروع کر دیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے اُس کا رشتہ طے ہو چکا ہو۔"

اس منگیتر کی یاد سے مجھے کوئی افسوس نہ ہُوا۔ میری منگیتر اب عائشہ تھی مگر اس سوچ نے مجھے پریشان کر دیا کہ میرے گھر اور گاؤں والے عائشہ کو قبول کر لیں گے؟ کیا عائشہ میرے پسماندہ گاؤں اور گھر کو قبول کرے گی؟ --- اس کے ساتھ ہی یہ خیال آ گیا کہ میں موت کے اس جنگل سے نکل بھی سکوں گا یا نہیں؟ اگر ہر طرف سمندر نہ ہوتا تو میں عائشہ کو ساتھ لے کر کیڑوں مکوڑوں کی طرح چل پڑتا۔ چھپتا چھپاتا کبھی تو ہندوستان میں داخل ہو جاتا۔

میں ایسے ہی اُلٹے سیدھے خیالوں میں کھویا ہُوا تھا کہ عائشہ کا ایک ہاتھ میری ران پر آ گیا۔ میں پریشاں خیالی سے بیدار ہو گیا۔ وہ ابھی تک گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ میں نے زخمی ٹانگ لمبی کر رکھی تھی۔ عائشہ نے نیند میں ہی سر اُٹھایا اور میری گود میں رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی زبان میں بڑبڑانے لگی۔ میں نہ سمجھ سکا۔

اُس کا ایک ہاتھ میرے سینے پر پھرنے لگا۔ میں نے اپنا ہاتھ اُس کے سر پہ رکھا اور میری انگلیاں اُس کے بالوں میں رینگنے لگیں۔ مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ اُس کے بال اُس سے زیادہ ملائم اور ریشمی ہیں جتنا میں سمجھا تھا۔

میرے جسم کے اندر ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں نے اپنے سینے میں آگ کی تپش محسوس کی۔ مجھے صاف پتہ چلنے لگا جیسے میرا وجود سر سے پاؤں تک دو حصّوں میں کٹ گیا ہو --- عائشہ معصوم سی بچّی ہے، مظلوم اور فریب زدہ ہے، اور عائشہ بہت خوبصورت اور جوان لڑکی ہے جو مجھے اتنا زیادہ چاہتی ہے کہ میرے ساتھ جینا اور میرے ساتھ مرنا چاہتی ہے۔

معلوم نہیں میرے وجود کا وہ کون سا حصّہ تھا جو دوسرے حصّے پر غالب آ گیا۔

میرا ہاتھ جو اُس کے کُھلے بکھرے ہوئے بالوں میں رینگ رہا تھا، مُٹھی بن گیا۔ اس مٹھی میں عائشہ کے بال تھے۔ میرا دوسرا ہاتھ اس کے پہلو پر چلا گیا اور آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔ میرے دونوں ہاتھوں کی گرفت اور حرکت شاید سخت

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہو گئی تھی۔ اس سے عائشہ کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے مجھے دیکھا۔ میں نے اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اُس نے سر اُٹھایا اور مجھے اتنی حیرت سے دیکھا کہ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں اور منہ کھل گیا۔ وہ آہستہ آہستہ مجھ سے پرے ہٹ گئی اور اُٹھ بیٹھی۔

"تم؟" — اُس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اُس نے ہنسنے کی کوشش کی مگر فوراً ہی اس کی ہنسی اور مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے — میں اپنے آپ میں آ گیا۔

"تم؟" — اُس نے جیسے حیرت زدہ سرگوشی کی ہو — "تم نے میرا سر اپنی گود میں رکھا تھا؟"

"نہیں عائشہ!" — میں نے ایسے لہجے میں کہا جیسے مجرم اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہو — "تم نے خود ہی نیند میں اپنا سر میری گود میں رکھ دیا تھا۔ تم خواب میں کچھ بول بھی رہی تھیں۔ مجھ پر کوئی شک نہ کرنا عائشہ!"

"نہیں.... تم پر کوئی شک نہیں کر رہی" — اُس نے دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"پھر تمہارے آنسو کیوں نکل آئے ہیں؟"

"میں خواب میں اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی" — اُس نے کہا — "اُس نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ میرے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔ میں اُس سے پوچھ رہی تھی کہ ماں کہاں ہے، اُسے کیوں نہیں ساتھ لائے؟ وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری ماں بھی آ جائے گی، تم سو جاؤ۔ میں نے کہا میں سو گئی تو تم پھر چلے جاؤ گے.... وہ مجھے کہہ رہا تھا تم سو جاؤ میں نہیں جاؤں گا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔"

وہ مسکرا بھی رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔ میرے وجود کے دونوں حصے جُڑ گئے۔ میں کش مکش سے آزاد ہو گیا۔

"تمہیں باپ کی شکل یاد ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"نہیں" — اُس نے ملول سے لہجے میں جواب دیا — "مجھے ماں کی شکل بھی یاد نہیں

لیکن دونوں کو خواب میں دیکھتی ہوں تو انہیں پہچان لیتی ہوں۔"

"تم انہیں اکثر خواب میں دیکھتی رہتی ہو؟"

"جس روز میرا دل بہت پریشان ہوتا ہے، اُس رات دونوں خواب میں آتے ہیں اور میرے ساتھ پیار کر کے چلے جاتے ہیں" — وہ سوچ میں پڑ گئی، پھر بولی — "آج خواب میں میرے باپ کی شکل کچھ کچھ تمہاری طرح تھی۔ شاید میرے باپ کی شکل تم سے ملتی جلتی ہو، اسی لیے تم مجھے اچھے لگتے ہو۔"

اُس نے اچانک میری طرف سرک کر اپنے دونوں بازو میرے گلے میں ڈال دیئے اور سر میرے کندھے پر پھینک کر بولی — "مجھے ماں باپ والا پیار دے سکتے ہو؟ مجھے عبدالرحمٰن صرف اس لیے اچھا لگا تھا کہ یہ مجھے بیٹی کہتا تھا۔ میں جوان ہو گئی تو اُس نے مجھے بیٹی کہنا چھوڑ دیا۔ مجھے بہت دُکھ ہوا تھا لیکن میں اسے باپ ہی سمجھتی رہی۔"

"میں تمہیں باپ سے بڑھ کر پیار دوں گا لیکن...."

"نہیں" — اُس نے مسکرا کر کہا — "میں تمہیں اپنا باپ تو نہیں بناؤں گی۔ میں کہہ رہی ہوں کہ میں اُس پیار کی پیاسی ہوں جو میرا باپ اپنے ساتھ قبر میں لے گیا ہے۔ میں اُس مرد کے انتظار میں تھی جو فریبی نہ ہو اور تمہاری طرح طاقتور اور دلیر ہو۔ تم مجھے اپنی پناہ میں لے لو، لیکن یہ پناہ ایسی نہ ہو جیسی عبدالرحمٰن نے مجھے دے رکھی ہے۔"

"تم نے عبدالرحمٰن کے ساتھ اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، میں نے رات اُس کے ساتھ بات کی تھی" — عائشہ نے کہا — "میں نے اُس سے پوچھا کہ خالہ (اُس کی بیوی) مجھے یہ جو کہتی تھی کہ آپ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ کیا یہ اس کا وہم تو نہیں تھا؟ — عبدالرحمٰن نے مسکرا کر مجھ سے کہا — 'میں تم سے کہوں کہ میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں تو تم کیا جواب دو گی؟' — میں نے جواب دیا کہ میں نے کبھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سوچا ہی نہیں۔ میں تو آپ کو اپنا باپ سمجھتی ہوں۔ اُس نے کہا۔ 'میں نے تو تمہیں اپنی بیٹی ہی سمجھ کر پالا تھا لیکن میرے دل میں تمہارا اتنا پیار ہے کہ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ تم کسی اور آدمی کی بیوی بن کر مجھ سے جُدا ہو جاؤ۔ میرا تمہارا خون کا کوئی رشتہ نہیں۔ تم میری بیٹی نہیں ہو، میری بھانجی اور بھتیجی نہیں ہو۔ تمہاری شلوار میرے ساتھ ہو سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں بھی میرے ساتھ اتنا پیار ہے کہ تم مجھ سے جُدا نہیں ہونا چاہو گی۔ ذرا دیکھو، میں تمہارے لیے کتنی بڑی مصیبت میں پڑا ہوں۔ تمہیں یہاں چھپا کر رات کو یہاں آتا ہوں۔ اس جنگل میں شیر بھی آ گئے ہیں، مگر میں تمہاری خاطر جان کا خطرہ مول لے کر یہاں آتا ہوں۔ اگر مجھے تمہارے ساتھ اتنا پیار نہ ہوتا تو میں کسی کے ساتھ تمہاری شادی کر دیتا یا تمہیں گھر میں ہی رکھتا۔ جاپانی آ جاتے اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاتے۔ میں پروانہ کرتا۔۔۔۔ بولو نا عائشہ! کیا تم میری بیوی بننا پسند کرو گی؟'۔۔۔۔

"اگر میں آزاد ہوتی تو اسے صاف کہہ دیتی کہ میں اُس کی بیوی نہیں بنوں گی لیکن میں نے اُسے دھوکے میں رکھنا بہتر سمجھا۔ میں اس شخص سے ڈرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو گولیاں کھلا کھلا کر مارا ہے۔ اس نے یہ قتل صرف اس لیے کیا ہے کہ مجھے اپنی بیوی بنا سکے۔ جو شخص قتل تک پہنچ سکتا ہے، اُس سے ڈرنا چاہیئے۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ میں نے پہلے ایسی بات کبھی نہیں سوچی تھی۔ اب آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے تو مجھے محسوس ہونے لگا ہے جیسے یہی خواہش میرے دل میں بھی ہے۔

"یہ سُن کر اُس نے مجھے اپنے بازوؤں میں لے کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ یہ شخص جو کل شام تک میرا باپ تھا، میرا ہونے والا خاوند بن گیا۔ اس نے کوئی اور ایسی ویسی حرکت تو نہیں کی۔ اگر دست درازی کرتا تو میں تمہیں بلا لیتی۔ میں نے اُسے کہا۔ 'مہدی مجھے آپ کی بیٹی سمجھتا ہے کیونکہ آپ نے اُسے یہی بتایا ہے اور میں نے بھی یہی بتا رکھا ہے۔ آپ نے

اسے یہ بھی کہا تھا کہ ملک کے حالات صحیح ہو جانے کے بعد آپ اُسے اپنے ساتھ لے چلیں گے اور کوئی ملازمت دے دیں گے'۔۔۔۔

"اُس نے کہا۔ 'دل سے مہدی کا خیال دو۔ اسے میں زیادہ دیر اپنے ساتھ نہیں رہنے دوں گا۔ اسے یہاں سے کسی بہانے چلتا کروں گا۔ ہم ڈیڑھ دو مہینوں تک واپس چلے جائیں گے۔ ہم اسے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ اگر اس نے ہمارا پیچھا نہ چھوڑا تو میں جاپانی فوجیوں کو اطلاع دے کر اسے پکڑوا دوں گا۔ جنگ ختم ہونے تک یہ جنگی قیدیوں میں پڑا رہے گا'۔۔۔۔

"میں نے تمہارے متعلق کہا۔ 'یہ اتنے اچھے طریقے سے ہمارا ساتھ دے رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو کیا میں یہاں رہ سکتی تھی جہاں اب شیر بھی آ گئے ہیں؟ یہ اتنا دلیر آدمی ہے کہ ندی کو آتے جاتے ہم پر شیر غراتے ہیں تو یہ ڈرتا نہیں۔ مجھے پیچھے کر کے خود آگے ہو جاتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ شیروں سے نہیں بلکہ شیر اس سے ڈرتے ہیں۔ میں آپ کی بیوی بننا تو پسند کر لوں گی لیکن یہ پسند نہیں کروں گی کہ آپ مہدی کو دھوکہ دیں'۔۔۔۔

"اُس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہدی تمہیں اچھا لگتا ہے۔ میں نے کہا کہ بُرا بھی نہیں لگتا۔ یہ سُن کر وہ چپ ہو گیا اور اس کے چہرے پر اداسی آ گئی۔ چونکہ یہ زیادہ عمر کا آدمی ہے اس لیے اسے شک ہو گیا۔ کہنے لگا۔ 'عائشہ! تم ابھی بچی ہو۔ تم ابھی اچھے بُرے انسانوں کو نہیں سمجھتی۔ تم جوان تو ہو گئی ہو لیکن ذہنی طور پر تم ابھی بچی ہو۔ مہدی بھی جوان ہے۔ اس کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ یہ ہندوستان کا فوجی ہے۔ ان لوگوں میں اخلاق نہیں ہوتا۔ جوانی بڑی خطرناک چیز ہوتی ہے۔ مرد ہو یا عورت، جوانی میں ہر خطرے سے اُسے پیار ہوتا ہے۔ ان خطروں میں لذت ہوتی ہے۔ جس طرح یہ جنگل ہے، اسی طرح جوانی بھی جنگل ہوتی ہے۔ جوانی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کے جنگل میں آکر انسان کو ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ اس کی ہریالی، درخت، پھول اور پودے دل کو لبھاتے ہیں مگر اسی جنگل میں درندے بھی ہوتے ہیں۔ انسان بھی درندہ بن جاتا ہے۔ تمہاری جوانی کا جنگل زیادہ خطرناک ہے۔ تم بہت حسین ہو عائشہ! اور مہدی آسمان سے اُترا ہُوا فرشتہ نہیں"۔۔۔

"میں خاموش ہوگئی۔ اس نے کہا ۔۔۔ "میں اُسے دھو۔ نہیں دوں گا۔ مجھے اس کی بیماری کی بہت فکر ہے۔ تم اسے ہر شام دو گولیاں دے دیا کرو۔ ن سے یہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا"۔۔۔ میں نے کہا کہ دے دیا کروں گی"۔

میں نے عائشہ کو بتایا کہ میں نے عبدالرحمٰن کو کیا کچھ کہا ہے۔

"ہمارا انجام کیا ہوگا مہدی؟" ۔۔۔ عائشہ نے پوچھا ۔۔۔ "کیا ہم یہاں سے نکل سکیں گے؟"

"میری کوشش یہی ہوگی کہ یہاں سے نکل جائیں لیکن جائیں گے کہاں؟" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "میرے زخم ذرا ٹھیک ہولیں تو میں اس جنگل میں گھوموں پھروں گا۔ شاید کہیں اور پناہ مل جائے۔ اُس وقت تک ہم عبدالرحمٰن کو دھوکے میں رکھیں گے ۔۔۔ میں حیران ہوں عائشہ! اس فریبی نے اپنے ساتھ قرآن مجید کیوں رکھا ہُوا ہے؟"

"اس علاقے میں تقریباً تمام آبادی مسلمانوں کی ہے"۔ عائشہ نے جواب دیا ۔۔۔ "گھر سے نکلتے وقت اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ قرآن مجید ساتھ رکھے گا تاکہ کسی گاؤں میں جانا پڑے تو وہاں کے لوگوں کو یقین دلانے کے لیے کہ ہم مسلمان ہیں، یہ قرآن مجید دکھایا جاسکے"۔

"اگر ہم یہاں سے زندہ نکل گئے تو تم میرے ساتھ میرے ملک میں چلی چلو گی؟"

"جہاں لے جاؤ گے وہاں چلوں گی" ۔۔۔ اُس نے جواب دیا ۔۔۔ "جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے"۔

"کاش، میں اسے اپنے ساتھ ملک میں نہ لاتا۔ ہم اسی جنگل میں اکٹھے مرجاتے۔ اُس نے کہا کہ جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے مگر میں اکیلا جی رہا ہوں۔ میں نے اُس کے ساتھ مرنے

کی کوشش کی تھی۔ کامیاب نہ ہوسکا۔

☆

اُس روز میں نے اپنی کھوہ پوری کھود لی۔ اس میں زیادہ تر محنت عائشہ کی تھی۔ اُس روز اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ میں زیادہ مشقت نہ کروں کیونکہ میرا ایک بازو اور ایک ٹانگ زخمی تھی۔ میری کوشش یہ بھی تھی کہ وہ زیادہ کام نہ کرے۔ اس کوشش میں کھوہ مکمل ہوگئی۔ یہ عائشہ کی کھوہ سے جو معلوم نہیں کب کسی نے کھودی تھی یا شاید قدرتی تھی، زیادہ فراخ اور لمبی تھی اور اس کی چھت اتنی اونچی تھی کہ اس میں بیٹھو تو سر سے ڈیڑھ دو فٹ اوپر رہتی تھی۔

ہم نے مٹی اِدھر اُدھر بکھیر دی اور عائشہ لمبی گھاس کا گٹھا لے آئی۔ اسے ہم نے کھوہ میں بچھا دیا۔ کیلے کی قسم کے وہاں بہت درخت تھے۔ ہم دونوں جا کر اُن کے پتے جو کیلے کے پتوں کی طرح چوڑے اور لمبے تھے، توڑ لائے اور گھاس پر بچھا دیئے۔ مجھے آج وہ وقت یاد آتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دو پنچھی گھونسلہ بنا رہے تھے ۔۔۔ اور ہم یہ آشیاں اس طرح بنا رہے تھے جیسے ہمیں ساری عمر اسی میں گزارنی تھی۔ عائشہ بہت ہی خوش تھی اور مجھے لذت سی محسوس ہورہی تھی۔

"عائشہ!" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "یہ کھوہ تمہارے جعلی باپ کی قبر نہ بن جائے"۔

عائشہ کے ہاتھ ساکن ہوگئے۔ اُس نے میری طرف دیکھا۔ اس کا شگفتہ چہرہ بُجھ گیا تھا۔ اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ بات میں نے کہی ہے کہ یہ کھوہ عبدالرحمٰن کی قبر نہ بن جائے۔

"مہدی!" اُس نے اداس سے لہجے میں کہا ۔۔۔ "ایسی بات سُن کر ہی میرا دل مرجاتا ہے۔ میں جانتی ہوں تم اتنے طاقتور ہو کہ عبدالرحمٰن کو قتل کرسکتے ہو مگر تم ایسی بات کہتے ہو تو مجھے تم سے ڈر آنے لگتا ہے"۔

وہ واقعی ڈر گئی تھی۔ میرے قریب آگئی۔ میں اس کا ڈر رفع کرنے کے لیے ہنس پڑا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"انسان انسان کو کیوں قتل کرتا ہے؟" — عائشہ نے کہا۔ "انسان انسان کی جان کس طرح لے لیتا ہے؟"

"اسے روکا نہیں جا سکتا" — میں نے کہا۔ "ایسے ہوتا آیا ہے، ایسے ہی ہوتا چلا جائے گا۔ ہم یہاں کیوں چھپے ہوئے ہیں؟.... کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ کچھ انسان ہمیں جان سے مار ڈالیں گے۔ عبدالرحمٰن نے اپنی بیوی کو کیوں گولیاں کھلا کھلا کر مارا ہے؟.... اس لیے کہ وہ ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ مجھے اسی طریقے سے کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟.... اس لیے کہ اُسے ڈر ہے کہ یہ لڑکی اس کے قبضے سے نکل جائے گی۔ میں عبدالرحمٰن کو قتل کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہوں؟.... کیونکہ یہ لڑکی مجھے بھی اچھی لگتی ہے، اور اس لیے بھی کہ میں اس مظلوم لڑکی کو ایک ظالم فریبی سے بچانا چاہتا ہوں.... لالچ اور ہوس انسان کو درندہ بنا دیتی ہے۔ تم نے قتل ہوتے دیکھے نہیں۔ میں نے جاپانیوں کی توپوں سے بہت سے ساتھی تڑپ تڑپ کر مرتے دیکھے ہیں۔ جاپانی سامنے آئیں گے تو میں انھیں قتل کرنے کی کوشش کروں گا.... تم ڈرو نہیں عائشہ! میں تمہیں قتل نہیں کروں گا اور تمہیں قتل ہونے بھی نہیں دوں گا۔"

☆

مٹی سے ہمارے منہ سر ایک ہو گئے تھے۔ ہم نہانے کے لیے ندی کو چل پڑے۔ میرے ہاتھ میں رائفل تھی۔ ہم جب اُس جگہ پہنچے جہاں شیر نظر آیا کرتے تھے، تو میں نے عائشہ کو اپنے پیچھے کر لیا اور ہم دونوں ہر طرف دیکھتے ہوئے محتاط سے آگے بڑھنے لگے۔ شیر کہیں نظر نہ آئے۔ وہ اس درخت پر بھی نہیں تھے۔ ہم اور زیادہ چوکنے ہو گئے۔

آہستہ آہستہ چلتے ہم ندی تک چلے گئے۔ میں نے عائشہ سے کہا کہ وہ اپنی جگہ جا کر نہا لے۔ اس جگہ سے ندی کا کنارہ باہر کو آیا ہوا تھا اور اس

کے اردگرد درخت اونچے پودے اور گھاس تھی۔ یہ ایسی اوٹ تھی جہاں عائشہ پردے میں نہا سکتی تھی۔

وہ اس اونچے سبزے میں غائب ہو گئی اور میں کپڑے اُتار کر کچھ دور ندی میں اُتر گیا۔ میں نے انڈر ویئر پہن رکھا تھا۔ میرے ذہن پر عبدالرحمٰن سوار تھا۔ میں پانی میں بیٹھنے لگا تو مجھے قریب سے ہی شیر کی مخصوص آواز سنائی دی۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ان شیروں کی آواز غراہٹ چیخ اور خراٹے کی ملی جلی آواز ہوتی ہے۔ ایسی آواز نکالتے ہوئے یہ شیر منہ پورا کھول لیتا ہے۔ آواز میرے کانوں میں پڑی اور اس کے ساتھ ہی مجھے عائشہ کی چیخ سنائی دی۔

میری ٹانگ زخمی تھی اس لیے میں تیز دوڑ نہیں سکتا تھا، مگر مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ میں اُڑا تھا یا دوڑا تھا۔ رائفل کنارے پر پڑی تھی۔ عائشہ اور زیادہ دُور تھی۔ وہ بونے درختوں، پودوں اور اونچی گھاس کی اوٹ میں تھی۔ میں شاید دو یا تین سیکنڈ میں رائفل اُٹھائے، جھاڑ کو چیرتا عائشہ تک پہنچ گیا۔

مجھے سب سے پہلے دونوں شیر نظر آئے۔ چونکہ میں دوڑتا گیا تھا اس لیے وہ پہلے ہی چوکنے ہو گئے اور مجھے دیکھتے ہی گھنے سبزے میں غائب ہو گئے۔ میں نے رائفل اُدھر کر کے گولی چلا دی۔ میں اس خدشے کو بھول ہی گیا کہ گولی کی آواز پر جاپانی آ جائیں گے۔ میری گولی خطا گئی تھی کیونکہ میں نے شست لیے بغیر چلائی تھی۔

گولی چلانے کے بعد میری نظر عائشہ پر پڑی۔ وہ مجھ سے پانچ سات قدم دُور کنارے پر پڑی تھی۔ اُس کی ٹانگیں پانی میں تھیں۔ اُس کی فراک نما قمیض اُتری ہوئی تھی۔ پاجامہ ابھی تک پہن رکھا تھا۔ اس طرح وہ ناف سے اوپر ننگی تھی۔ میں نے دوڑ کر اُسے اُٹھایا۔ ایک فوجی جوان کے لیے ایک لڑکی کا وزن کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ بیہوش تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے اُس کا سارا جسم دیکھا۔ کہیں خراش تک نہیں تھی۔ وہ شیروں کے خوف سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ میں بیٹھ گیا اور اسے گود میں لے کر سینے سے اس طرح لگا لیا جس طرح ماں اپنے ڈرے ہوئے بچے کو اس طرح اپنے ساتھ چپکا لیتی ہے جیسے اُسے اپنے وجود میں جذب کر لینا چاہتی ہو۔

☆

یہاں میں آپ کو کہانی سے ہٹا کر ایک اور بات بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تو آپ کو پتہ چل چکا ہے کہ میری کوئی تعلیم نہیں، میرے پاس صرف تجربہ ہے۔ میں آپ کو وہ سنا رہا ہوں جو مجھ پر بیتی ہے۔ اسے علم کے ترازو میں آپ خود تول لیں اور یہ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ میری یہ بات کس طرح بیان کی جائے۔ میں زخمی ٹانگ سے دوڑ نہیں سکتا تھا مگر شیروں کی آواز کے ساتھ مجھے عائشہ کی چیخ سنائی دی تو میں اتنا تیز دوڑ کر عائشہ تک پہنچا جتنا میں اچھی بھلی ٹانگ سے کبھی نہیں دوڑ سکا تھا۔

مجھے دوسرا تجربہ یہ ہُوا کہ عائشہ جیسی نوجوان اور حسین لڑکی کا اوپر کا جسم بالکل عریاں تھا۔ میں نے بھی صرف انڈرویئر پہن رکھا تھا۔ میں نے عائشہ کو اپنی گود میں لٹا کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا مگر میں نے اپنے جذبات میں کوئی ہلچل محسوس نہیں کی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا کوئی فوجی ساتھی زخمی ہو کر بیہوش ہو گیا ہے اور میرا یہ فرض ہے کہ اسے ہوش میں لاؤں۔ یہی عائشہ تھی جس نے مجھے ندی میں نہلایا تھا تو میرے جذبات میں طوفان آ گیا تھا۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ وہ آئندہ میرے جسم کو ہاتھ نہ لگائے۔

اس سے مجھ پر یہ انکشاف ہُوا کہ انسان میں اس قدر جسمانی اور روحانی قوت ہوتی ہے کہ وہ زخمی ٹانگ کے ساتھ اتنی تیز دوڑ سکتا ہے جتنا وہ اچھی بھلی ٹانگ سے بھی نہیں دوڑ سکتا ۔۔۔ اور روحانی قوت بھی اتنی ہوتی

ہے کہ اتنی حسین لڑکی کے عریاں جسم کو اپنے ساتھ لگا کر بھی شیطان پر غالب آ سکتا ہے۔ ہم جو بدی کی راہ پر چل نکلتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے کے لیے ہم اپنی روحانی یا ایمانی قوت کا استعمال نہیں کرتے۔

عائشہ نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ مجھے دیکھا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ میں ہی ہوں تو اُس نے بچوں کی طرح دونوں بازو میرے گلے میں ڈال دیئے اور میرے ساتھ چپک گئی۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

میں اسے تسلّی دلاسہ دینے لگا۔ میں نے اُسے الگ کیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔

"شیروں نے تم پر حملہ تو نہیں کیا تھا؟" ـــ میں نے پوچھا۔

"نہیں" ـــ اس نے ڈری ہوئی آواز میں کہا ـــ "میں نے ابھی سارے کپڑے نہیں اُتارے تھے کہ شیر گھاس اور جھاڑیوں میں سے نکلے۔ وہ مجھ سے آٹھ دس قدم دُور تھے۔ انہوں نے منہ کھول کر آواز نکالی تو میری چیخ نکل گئی پھر مجھے ہوش نہ رہا.... تم میری چیخ اور شیروں کی آواز سُن کر آئے تھے؟"

"میں نے آکر گولی چلائی تھی" ـــ میں نے کہا ـــ "شیر تمہیں کھانے کے لیے نہیں، پانی پینے کے لیے آئے تھے۔ انہیں حملہ کرنا ہوتا تو تم دُور نہیں تھیں، وہ حملہ کر دیتے۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم برچھی سے شیر کا مقابلہ کرو گی۔"

"کہاں ہے برچھی؟" ـــ اُس نے کہا ـــ "برچھی ہوتی تو مقابلہ کرتی۔"

"تم آدھی پانی میں تھیں" ـــ میں نے کہا ـــ "اگر تم بیہوشی میں منہ کے بل پانی میں گر تیں تو تمہاری موت یقینی تھی کیونکہ تمہارے پھیپھڑوں میں پانی چلا جاتا.... حوصلہ مضبوط رکھو عائشہ! یہ شیر اُس وقت حملہ کریں گے جب انہیں بھوک مجبور کرے گی۔"

اُس کے ہوش ٹھکانے آ چکے تھے۔ وہ مسکرائی۔ میں نے اُسے کہا کہ نہا لو۔ میں اُٹھا تو وہ میری طرف دیکھ رہی تھی، پھر اُس نے اُدھر دیکھا جہاں اُسے شیر نظر آئے تھے۔ وہ مجھے اپنے قریب رکھنا چاہتی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"میں دُور نہیں جاؤں گا"۔ میں نے کہا۔

"یہیں رہو"۔ وہ بولی۔ "منہ اُدھر کرلو"۔

میں جھاڑیوں کی اوٹ میں چلا گیا اور اُس کی طرف پیٹھ کرلی۔ مجھے اُس کے پانی میں اترنے کی آواز آئی، پھر اُس کے نہانے کی آوازیں سننے لگا اور میرے اندر وہ مہدی جاگ اٹھا جو دیہاتی تھا، فوجی تھا اور جوان تھا۔ یہ انسان نما حیوان میری گردن پیچھے کو موڑنے لگا۔ میں نے اپنی گردن مڑنے نہ دی، مگر وہ طاقت غالب آرہی تھی جو میری گردن عائشہ کی طرف موڑ رہی تھی۔

میں عائشہ کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک بار تو میں گھوم ہی گیا تھا لیکن میں نے آنکھیں جھاڑی کے پیچھے کرلیں۔ میرا وجود ایک بار پھر دو حصّوں میں کٹ گیا اور یہ دونوں حصّے ایک دوسرے کو لہولہان کرنے لگے۔ یہ ایسی کشمکش تھی کہ میں اذیّت میں مبتلا ہوگیا۔ میری رُوح کی وہی قوّت جو کچھ دیر پہلے بیدار ہوگئی تھی، جانے کہاں گئی۔ میں اسے ڈھونڈ رہا تھا۔

"عائشہ!"۔ اپنے آپ ہی میرے منہ سے نکلا۔ "جلدی کرو۔ کپڑے پہن لو"۔

میری آواز میں غصّہ تھا۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا نہیں۔

"کیوں؟"۔ اُس نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "شیر پھر آگئے ہیں؟"

"نہیں"۔ میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "دیر ہورہی ہے"۔

اُس نے بہت جلدی کپڑے پہن لیے اور وہ میرے پاس آن کھڑی ہوئی۔ میں اٹھا اور مجھے ایسا سکون محسوس ہُوا جیسے میں نے کوئی ناممکن مہم سر کرلی ہو۔

"یہیں کھڑی رہو"۔ میں نے کہا۔ "اب میں نہالوں"۔

میں نہاتے وقت سوچ رہا تھا کہ عبدالرحمٰن نے عائشہ سے ٹھیک کہا تھا کہ جوانی جنگل کی مانند ہوتی ہے۔ جوانی میں آکر انسان جنگلی بن جاتا ہے۔ انسان جنگل کے درندوں سے ڈرتا ہے مگر انہیں قریب سے دیکھنا بھی چاہتا ہے۔ جنگل میں کوئی قانون نہیں ہوتا۔ کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ انسان وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے جو وہ مہذب لوگوں کے سامنے نہ کرسکتا۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جنگل میں کوئی اور دیکھنے والا نہ ہو تو خدا تو ہر جگہ

موجود ہے۔ میرے دل میں عائشہ کو نہاتے دیکھنے کی خواہش بھی تھی اور اس خواہش پر غصّہ بھی آتا تھا۔ میں نے اسی غصّے کے عالم میں عائشہ کو پکارا تھا اور اسی غصّے نے مجھے جوانی کے جنگل سے نکال لیا تھا۔

☆

ہم ندی سے واپس آرہے تھے تو مجھ پر خاموشی طاری تھی۔ میں جیسے اپنے آپ میں تھا ہی نہیں۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ عائشہ میرے پیچھے پیچھے چلی آرہی ہے۔ یہ خیال بھی نہیں تھا کہ راستے میں شیر ہوں گے۔

"تم نے بتایا تھا کہ تم نے گولی چلائی تھی"۔ عائشہ نے کہا۔ "میں تو بے ہوش پڑی تھی۔ گولی کی آواز سن کر جاپانی نہ آجائیں"۔

"گولی نکل چکی ہے"۔ میں نے چونک کر کہا۔ "اب جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

مجھے اچانک خیال آیا کہ ہم عبدالرحمٰن کے محتاج کیوں بنے ہوئے ہیں۔ اُس نے بتایا تھا کہ لڑائی برما میں ہورہی ہے اور یہاں امن وامان ہے۔ برما وہاں سے بہت دُور تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا تھا کہ جنگل میں اب جاپانی فوج نہیں ہوگی۔ میں نے سوچا کہ میں بھی عائشہ کی طرح مجبور اور محتاج ہوکر کیوں بیٹھ جاؤں۔ کیوں نہ میں جنگل میں گھوموں پھروں اور کسی بستی کا پتہ چلاؤں۔ جیسا کہ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ علاقہ مسلمانوں کا ہے، مجھے اُمید تھی کہ کہیں پناہ مل جائے گی، مگر میں اکیلا نہیں جانا چاہتا تھا۔ مجھے عائشہ کو ساتھ رکھنا تھا، اور یہی اصل مسئلہ اور بہت بڑا خطرہ تھا۔

ہم کھڈ میں پہنچے تو میں نے عائشہ سے پوچھا کہ وہ اس علاقے سے کہاں تک واقف ہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ شہر سے کبھی باہر نہیں نکلی اس لیے اسے علاقے سے واقفیت نہیں۔ میں نے اُسے بتادیا کہ میرا ارادہ کیا ہے۔ اس نے رضامندی ظاہر کردی۔

عائشہ نے میری پٹیاں بدل دیں۔ زخم تیزی سے اچھے ہورہے تھے۔ میری الگ کھوہ تیار ہوچکی تھی۔ رات گہری ہوگئی تھی۔ میں سونے کے لیے اپنی کھوہ میں جانے کو اُٹھا تو عائشہ نے میرا بازو پکڑلیا۔ میں نے اسے دیکھا۔ لیمپ کی روشنی میں مجھے اُس کی شفاف آنکھوں میں التجا کا تاثر نظر آیا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"مجھے الگ سونے دو عائشہ!" — میں نے کہا — "ڈرو مت۔ ہمارا سفر بہت لمبا ہے۔ اپنے آپ کو ایسی منزل کے لیے تیار کرلو جہاں ہو سکتا ہے موت ہماری منتظر ہو۔ دل مضبوط رکھو۔"

اُس نے میرا بازو چھوڑ دیا۔ میں اُس کی طرف دیکھے بغیر باہر نکلا اور اپنی تاریک کھوہ میں لیٹ گیا۔ وہاں کوئی لیمپ نہیں تھا۔ تھکن سے جسم ٹوٹ رہا تھا۔ نیند سے دماغ بوجھل ہو رہا تھا، آنکھیں بند ہو رہی تھیں مگر میں لیٹنے کی بجائے قبلہ رُو ہو کر بیٹھ گیا اور میرے ہاتھ اپنے آپ خدا کے حضور اُٹھ گئے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے خدا کو بلند آواز سے پکارا تھا یا سرگوشیوں میں، وہ الفاظ یاد ہیں۔

مجھے قرآن کے الفاظ یاد آ گئے۔ میں آپ کو سنا چکا ہوں کہ عبدالرحمٰن اور عائشہ تک پہنچنے تک میں نے کیسا سفر طے کیا تھا۔ میں ایک جھونپڑے کے اندر چلا گیا تھا۔ اندر ایک عورت، دو آدمیوں اور ایک بچّے کی لاشیں پڑی تھیں۔ دیوار کے ساتھ قرآن مجید لٹک رہا تھا۔ میں نے کھولا تو میری نظر اس آیت پر پڑی — "سب تعریف اللہ کے واسطے ہے۔ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا جنہیں تم پہچان لوگے۔ تیرا پروردگار تجھ سے غافل نہیں ہے۔"

خدا کے کلام کے یہ الفاظ آج بھی میرے سینے میں نقش ہیں۔ میں نے خدا سے گڑگڑا کر دعا کی کہ پروردگار، مجھے اپنی نشانیاں دکھا جنہیں میں پہچان لوں۔ میرے پروردگار! مجھ سے غافل نہ ہو جانا۔ اگر میں تجھ سے غافل ہو جاؤں تو میری جان لے لینا۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میرا جسم زخموں اور بیماریوں سے گل سڑ جائے تو بھی برداشت کرلوں گا مگر میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں۔ میں گناہ سے ڈرتا ہوں۔ میں شیطان سے ڈرتا ہوں۔ میری جوانی کو، میرے دل کو مردہ کردے۔ میں اس مظلوم لڑکی کو اپنی پناہ میں رکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے شیطان سے پناہ دے میرے پروردگار!

میرے آنسو بہنے لگے۔ میں لڑھک گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔ میں خواب میں معلوم نہیں کیا دیکھتا رہا۔ آخر میں دیکھا کہ میں جھونپڑے میں عورت کی لاش کے

پاس بیٹھا ہوں اور اُس کے منہ اور سر پر ہاتھ پھیر کر کہہ رہا ہوں — "میں تمہاری بے عزّتی کا انتقام لوں گا۔"

لاش میں حرکت ہوتی ہے۔ اس کا ایک ہاتھ اوپر اُٹھتا اور میرے منہ اور سر پر پھرنے لگتا ہے۔ دُھندلا نے لگتی ہے۔ لاش غائب ہو جاتی ہے مگر اپنے گال پر نرم و ملائم سا ایک ہاتھ محسوس کر رہا ہوں۔

میری آنکھ کھُل گئی۔ میں پہلو کے بل لیٹا ہُوا تھا۔ میرے قریب عائشہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ وہ بھی پہلو کے بل تھی اور اُس کا منہ میری طرف تھا۔ اس کا ہاتھ میرے گال پر تھا اور میرا ہاتھ اس کے بالوں میں اُلجھا ہُوا تھا۔ معلوم نہیں وہ میری کھوہ میں کس وقت آ گئی تھی۔ وہ دن کو شیروں سے ڈری تھی، اس لیے رات اکیلے سونے سے ڈرتی تھی۔

میں نے نہایت آہستہ آہستہ اُس کا ہاتھ اپنے منہ سے ہٹایا اور اپنا ہاتھ اس کے بالوں سے نکالا۔ میں سرک کر کھوہ سے باہر آ گیا۔ رات گذر گئی تھی۔ صبح ابھی تاریک تھی۔ میں کھڈ سے اوپر چلا گیا اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد عائشہ اوپر آ گئی اور میرے سامنے بیٹھ گئی۔

"رات ڈر سے مجھے نیند نہیں آ رہی تھی" — اُس نے کہا — "تمہیں جا کر دیکھا تو اندھیرے میں تمہارے خراٹے سنائی دیئے۔ میں تمہارے پاس لیٹ گئی۔"

اُس نے یہ بات اس طرح سنائی جیسے یہ کوئی نہایت معمولی بات تھی۔ میں نے کچھ بھی نہ کہا۔ دل میں ارادہ کیا کہ جس طرح یہ لڑکی معصوم اور بھولی بھالی ہے، میں بھی اسی طرح معصوم بن جاؤں گا۔

وہ ناشتے کے لیے مجھے نیچے لے گئی۔

"میں آج جنگل کی تلاشی لوں گا" — میں نے کہا — "کوئی گاؤں یا کوئی جھونپڑا ڈھونڈوں گا۔ میں تمہیں اور اپنے آپ کو داؤ پر لگانا چاہتا ہوں۔"

عائشہ نے میری تجویز کے خلاف کئی باتیں کہیں۔ اس کے حق میں بھی ایک دو باتیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہیں۔ میں نے اُسے یقین دلایا کہ میں بہت محتاط رہوں گا اور بلا سوچے سمجھے کوئی قدم نہیں اُٹھاؤں گا۔ میں نے اُسے دل مضبوط رکھنے کو کہا اور یہ بھی کہا کہ شیر ادھر نہیں آئیں گے۔ اگر آگئے تو وہ برچھی ہاتھ میں رکھے۔

☆

میں رائفل لے کر نکل کھڑا ہوا۔ میں نے یاد کرنے کی بہت کوشش کی کہ میں جب زخمی ہو کر آیا تھا تو کس راستے سے اس کھڈ تک پہنچا تھا۔ مجھے کچھ بھی یاد نہ آیا، سوائے اس کے کہ میں نیم بیہوشی کی حالت میں یا نیند میں چلا جا رہا تھا کہ اس کھڈ میں مجھے عائشہ کھڑی نظر آئی تھی اور اسے میں نے جن، چڑیل یا کسی مری ہوئی خوبصورت لڑکی کی بدروح سمجھا تھا۔ مجھے راستے میں دو جھونپڑے نظر آئے تھے جن میں ان کے مکینوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان کے سوا میں نے کوئی اور آبادی نہیں دیکھی تھی۔ مجھے وہ سمت معلوم تھی جس سمت عبدالرحمٰن کا قصبہ تھا۔ میں اُدھر نہیں جانا چاہتا تھا۔

میں ایک اور طرف چل پڑا لیکن میں ایک فوجی جوان کی طرح نہیں چل رہا تھا بلکہ جنگل کے بڑے ہی کمزور جانور کی طرح چھپ چھپ کر اور ہر طرف دیکھتا جا رہا تھا کہ کوئی درندہ نہ دیکھ لے۔ مجھے سب سے زیادہ ڈر انسانی درندوں کا تھا اور یہ انسان جاپانی تھے۔ میں وہاں کے کسی باشندے کی نظر میں آنے سے بھی بچ رہا تھا۔ میں پنجابی جوان تھا۔ صاف پہچانا جاتا تھا کہ میں انگریزوں کی فوج کا آدمی ہوں۔

میں بہت دُور نکل گیا۔ ندی راستے میں آئی تو میں جُوتے اُتار کر اس میں سے گزر گیا۔ اگر میں اپنی صحیح چال چلتا تو اتنے وقت میں بہت ہی دُور نکل جاتا۔ جنگل ہر جگہ ایک ہی جیسا تھا۔ زمین کہیں اونچی کہیں نشیبی تھی اور کچھ علاقہ چٹانی بھی تھا۔

اچانک مجھے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں گھنے پودوں میں چھُپ گیا۔ میرے سامنے سے اور بالکل قریب سے ایک بکری دوڑتی ہوئی گزری اور اُس سے سات آٹھ قدم پیچھے دو تو تر اشیر دوڑتے گزر گئے۔ فوراً

بعد بکری کی بڑی خوفناک آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی شیروں کی آوازیں بھی آئیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ شیروں نے بکری کو پکڑ لیا ہے۔ میں نے اُٹھ کر دیکھا۔ شیروں نے بکری کو گرا لیا تھا اور اُسے بھنبھوڑ رہے تھے۔

میں بتا نہیں سکتا کہ یہ وہی دو شیر تھے جو ہمیں ندی کے راستے میں ملا کرتے تھے یا یہ کوئی اور تھے۔ بہرحال یہ جو کوئی بھی تھے، مجھے ان سے ڈرنا نہیں چاہیے تھا۔ انہیں پیٹ بھرنے کو شکار مل گیا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ بکری جنگلی نہیں ہو سکتی۔ قریب کوئی آبادی ہو گی اور یہ گھریلو بکری ہو گی۔ میں اُس طرف چل پڑا جدھر سے بکری آئی تھی۔

کوئی ایک میل گیا ہوں گا کہ مجھے لڑکوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ کہیں قریب ہی تھے۔ میں چُپ کر آگے بڑھنے لگا۔ مجھے لڑکے نظر آگئے۔

یہ تیرہ چودہ سال عمر کے دو لڑکے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کچھ تلاش کر رہے تھے۔ بکری شاید انہی کی تھی۔ میں پاؤں پر سرکتا ان سے دُور دُور اور آگے چلا گیا۔ مجھے دس بارہ جھونپڑے نظر آگئے۔ دیہاتی ملائی، مرد اور عورتیں بھی نظر آئیں۔

میں واپس چل پڑا۔

□□

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جھونپڑے اور ان کے پاس گھومتے پھرتے مردوں اور عورتوں کو دیکھ کر میرے وجود میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ایک عرصے بعد آبادی نظر آئی تھی، مگر یہ سوال ذہن میں اُٹھا کہ مجھے اور عائشہ کو یہاں پناہ اور تحفظ مل جائے گا یا نہیں تو خوشی کافور ہوگئی۔ یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس گاؤں کے لوگ مسلمان ہیں یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ ان جنگلوں میں ایسے قبیلے بھی رہتے ہیں جو انسانی کھوپڑیوں کے شکاری ہیں، اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کوئی مذہب نہیں۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں کی آبادی کچھ کم نہیں۔ مجھے مسلمانوں کے ہاں پناہ ملنے کی اُمید تھی لیکن مجھے اب یہ دیکھنا تھا کہ اس گاؤں میں کوئی مسلمان گھرانہ ہے بھی یا نہیں۔

میں یہ گاؤں دیکھ کر واپس آرہا تھا تو میں نے جن لڑکوں کو اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرتے دیکھا تھا، وہ گاؤں کو دوڑے جارہے تھے۔ میں جھاڑیوں میں دبک گیا۔ وہ میرے قریب سے گزرے۔ اُن کے چہروں پر خوف و ہراس تھا۔ وہ غالباً دیکھ آئے تھے کہ اُن کی بکری کو شیر کھا رہے ہیں۔ لڑکے دُور چلے گئے تو میں جھاڑیوں سے اُٹھا اور جس طرح چھپتا چھپاتا آیا تھا، اسی طرح واپس چل پڑا۔ کوئی ایک سو گز دُور مجھے یہ شیر نظر آئے۔ وہ بکری کو کھا رہے تھے۔

عائشہ کھڈ کے باہر بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دُور سے دیکھ کر دوڑی آئی اور میرے ساتھ لپٹ گئی۔ میں نے اُسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

"میں تمہارے لیے پریشان رہی ہوں"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "تم شاید بہت دُور چلے گئے تھے؟"

"ایک میل سے کچھ زیادہ"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "دس بارہ جھونپڑوں کا ایک

گاؤں دیکھا ہے۔ میں قریب نہیں گیا۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ کون سے مذہب کے لوگ ہیں"۔

"انہوں نے کپڑے پہن رکھے تھے؟"۔۔۔ عائشہ نے پوچھا۔

مردوں نے بنگالیوں کی طرح دھوتیاں باندھ رکھی تھیں۔ بنگال کے دیہاتیوں کا بھی یہی لباس ہوتا ہے۔ یہ دھوتیاں سامنے سے سلی ہوئی ہوتی ہیں۔ بعض نے بنیان نما قمیضیں پہن رکھی تھیں۔

میں نے عائشہ کو بتایا تو اُس نے کہا کہ یہ مسلمان ہوں گے۔ جنگل میں رہنے والے دوسرے مذہبوں کے لوگ یا بے مذہب قبیلے صرف ستر ڈھانپنے کے لیے گز بھر کپڑا کمر سے باندھ لیتے ہیں۔ اُن کی عورتیں بھی اوپر سے عموماً ننگی ہوتی ہیں۔

"مجھے وہاں ایک بار پھر جانا پڑے گا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "اگر یہ لوگ مسلمان ہیں تو میں وہاں پناہ لینے کی کوشش کروں گا۔ ہمیں بہت جلدی یہاں سے نکلنا ہے۔ عبدالرحمٰن نے بتایا تھا کہ جاپانی یہاں مقامی لوگوں کی جو حکومت بنا رہے ہیں، اس میں عبدالرحمٰن کو بھی شامل کیا جائے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنے قصبے کی کسی سرکاری کمیٹی میں شامل ہوگیا تو وہ پہلا کام یہ کرے گا کہ مجھے جاپانیوں کے حوالے کرائے گا اور تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا، پھر تم اُس کی بیوی بن جاؤ گی"۔

"یہ بھی تو خطرہ ہے کہ ہم یہاں سے چلے گئے تو وہ ہمیں تلاش کرائے گا"۔ عائشہ نے کہا۔۔۔ "ہم اس جنگل سے نکل تو نہیں جائیں گے"۔

"میں اُسے ختم کردوں گا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہی زندہ رہے گا"۔

عائشہ کے آنسو نکل آئے۔ دبی دبی آواز میں بولی۔۔۔ "یہ خون میری خاطر ہوگا۔ میں اکیلی مرجاتی ہوں"۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے یوں لگا جیسے عائشہ نے میری مردانگی کو للکارا ہو اور اُس نے یہ کہا ہو کہ تم مجھے بچا نہیں سکو گے، اس لیے میں خودکشی کر لیتی ہوں۔ میری جذباتی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے خدا نے مجھے عائشہ کی حفاظت کے لیے پیدا کیا اور یہاں بھیجا ہے اور مجھے اس کو اپنی جان دے کر بھی زندہ رکھنا ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے اس کی موت منظور ہوتی تو میں عبدالرحمٰن کا غلام بنا رہتا اور اپنی جان کی حفاظت کرتا۔

عائشہ قتل کے نام سے بھی ڈرتی تھی۔

آپ نے ناول، افسانے اور سچے قصے بہت پڑھے ہوں گے۔ یہ شہروں میں رہنے والے لوگوں کی کہانیاں ہوتی ہیں، یا اپنے دیہات کے قصے ہوتے ہیں جن کے ماحول اور لوگوں کو آپ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ میں جس ماحول کی کہانی سنا رہا ہوں، یہ آپ اچھی طرح نہیں سمجھ سکیں گے۔ ایسی کہانیاں وہی پوری طرح سمجھ سکتا ہے جو ماحول اور حالات کو سمجھ سکے، ورنہ آپ اِسے انوکھی اور حیران کن کہانی سمجھیں گے۔ میں شہری قسم کے ناول کا ہیرو نہیں تھا۔ میرے خیالوں میں پہلے ہی گہرائی نہیں تھی۔ علم بھی نہیں تھا۔ کبھی تو ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے میں حیوان بن گیا ہوں اور ایک ٹیلہ پر دوسرے حیوان سے لڑ رہا ہوں۔ میں شاید انسان نہیں رہا تھا۔ کھوہوں میں چھپ چھپ کر رہنے والے اور مادہ پر لڑنے والے اور پیٹ بھرنے کے لیے مارے مارے پھرنے والے انسان نہیں ہُوا کرتے۔

میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ عائشہ پسند کرے نہ کرے، اگر کوئی اور پناہ نہ ملی اور عبدالرحمٰن سامنے آ گیا تو میں اُسے قتل کر دوں گا۔ میں یہ سوچ ہی نہ سکا کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔

☆

دن کا پچھلا پہر تھا۔ عائشہ نے کہا کہ ندی پر نہانے چلتے ہیں۔ ہم چلے تو عائشہ ڈری ہوئی تھی۔ میرے ساتھ لگی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں حسبِ معمول رائفل تھی اور میں اس انتظار میں چلا جا رہا تھا کہ شیروں کی غصیلی آواز سنائی دے گی، پھر وہ مجھے درخت پر نظر آئیں گے مگر ندی تک مجھے شیر نہ دکھائی دیئے۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ جن شیروں کو میں نے بکری کو کھاتے دیکھا تھا وہ یہی تھے۔ بھوک انہیں اِدھر لے گئی تھی۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ اُدھر چلے گئے اور وہاں انہیں بکری مل گئی تھی۔ ورنہ وہ ہم دونوں سے پیٹ بھرتے۔

میں نے عائشہ سے کہا کہ وہ اوٹ میں جا کر نہا لے جہاں وہ ہر روز نہایا کرتی تھی۔ اُس نے کہا کہ ڈر آتا ہے۔ اسی اوٹ میں اُس نے شیر دیکھے اور وہ خوف سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ اُس نے کہا کہ میں اُس کے ساتھ چلوں تو وہ نہائے گی۔ میں اُس کے ساتھ جانے سے گریز کر رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ شیر یہاں نہیں ہیں مگر وہ بیٹھ گئی۔ میں نے کپڑے اُتارے اور انڈرویئر پہنے ہوئے ندی میں اُتر گیا۔ عائشہ کنارے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُدھر میری پیٹھ تھی۔

مجھے اپنے قریب ندی میں شڑاپ شڑاپ سنائی دی اور یہ آواز میرے قریب آ رکی۔ میں نے چونک کر دیکھا اور سُن ہو کے رہ گیا۔ میرے قریب عائشہ کھڑی تھی۔ اُس نے کمر کے گرد چھوٹا سا کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اس سے اوپر وہ بالکل عریاں تھی۔

پانی میرے گھٹنوں تک تھا۔ وہ جھکی اور دونوں ہاتھوں سے مجھ پر پانی پھینکنے لگی۔ وہ بچوں کی طرح ہنس رہی تھی مگر وہ بچی نہیں جوان تھی۔ میں بھی جوان تھا اور میں پیغمبر نہیں تھا۔ میری تو جیسے زبان ہی بند ہو گئی ہو۔ مجھ پر سکتہ سا طاری ہو گیا تھا اور میں اس کوشش کے باوجود کہ اُسے نہ دیکھوں اُس سے نظریں ہٹا نہ سکا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

وہ نہانے لگی۔ اُس نے یہ بھی نہ دیکھا کہ میرا ردِعمل کیا ہے۔ میں نے لپک کر اُسے بازوؤں پر اُٹھا لیا۔ وہاں دیکھنے والا کون تھا؟

اُس نے اپنے دونوں بازو میری گردن میں ڈال دیئے اور ہنسنے لگی۔ میں اُسے اسی طرح اُٹھائے ہوئے ندی میں چلتا اُسے جھاڑیوں اور بونے بونے درختوں کی اُس گھنی اوٹ میں لے گیا جہاں وہ میری نظروں سے اوجھل ہو کر نہایا کرتی تھی۔

وہاں میں کنارے پر آیا اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اُس کی ہنسی بجھ گئی۔ میں نے بیٹھ کر اُسے گھاس پر لٹا دیا۔ پیشتر اس کے میں اُس پر جھکتا، وہ اُچک کر اُٹھ بیٹھی۔ اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا تھا۔ کھلا ہُوا چہرہ مرجھا گیا تھا۔

میں نے اُس کے عریاں کندھے تھامے اور اُسے اپنی طرف کرنے لگا تو اُس نے اپنے کندھوں سے میرے ہاتھ جھٹک کر کہا — "مہدی!"

میں شاید پھنکار رہا تھا۔ میں نے اس کے گال تھام لیے۔

اُس نے میرے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر جھنجھوڑا اور چلّا کر بولی "مہدی!"

مگر میرے تو کان ہی بند ہو گئے تھے۔ میں انسان نہیں رہا تھا۔

مجھے اُس وقت احساس ہُوا کہ میں انسان ہوں جب عائشہ کا ہاتھ بڑی زور سے میرے گال پر پڑا۔ اُس نے پوری طاقت اور عتاب سے میرے منہ پر تھپڑ مارا، پھر ایک تھپڑ میرے دوسرے گال پر مارا۔

"تم بھی کتے ہو" — اُس نے چلّاتی آواز میں کہا — "مجھے کُتیا سمجھتے ہو۔ تم بھی عبدالرحمٰن کی طرح خنزیر ہو" — اُس کے آنسو بہنے لگے، پھر وہ سسکنے لگی۔

میں پتھر کا بُت بن گیا۔ مجھ پر ایک بار پھر ویسا ہی سکتہ طاری ہو گیا جیسا کچھ دیر پہلے اُس وقت ہُوا تھا جب میں نے ندی میں اپنے قریب عائشہ کو عریاں دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اور گھنے سبزے کی اوٹ میں غائب ہو گئی۔

میں اپنے آپ میں آنے لگا اور محسوس کرنے لگا کہ یہ تھپڑ میری روح پر پڑے ہیں۔ میرے وجود کے اندر دو دھماکے ہوئے۔ سکتہ ایک ہنگامے میں بدل گیا۔ ایسے لگا جیسے شیطان بھی مجھ پر لعنت بھیج رہا ہو۔ میں اپنے آپ میں چھپنے لگا۔ میری مردانگی اور میری دلیری ختم ہو گئی۔ میں کمزور سا انسان بن گیا جو اپنی جان بچانے کے لیے جاپانیوں سے بھاگتا پھر رہا تھا — گناہ کا احساس جسم کی طاقت چوس لیا کرتا ہے۔ حیوان بنتے دیر نہیں لگتی، انسان بننا بڑا ہی مشکل ہے۔

اچانک خیال آیا کہ کھڈ میں عائشہ نے کہا تھا — "میں اکیلی مر جاتی ہوں" — اُس نے خودکشی کی بات کی تھی۔ خودکشی کا خیال آتے ہی میں جھاڑیوں اور درختوں کی جھکی جھکی شاخوں کو چیرتا باہر دوڑا۔ وہ مجھے نظر آ گئی۔ تھوڑی ہی دور زمین پر بیٹھی تھی۔ اُس نے سر گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔ اُس کے جسم پر مکمل لباس وہی ذرا سا کپڑا تھا جو اُس کی کمر کے گرد لپٹا ہُوا تھا۔

میں تو اس کی طرف دوڑا تھا مگر اُسے دیکھ کر میرے قدم رُک گئے اور میں اس طرح اُس کے قریب جانے سے گھبرانے لگا جیسے یہ عائشہ نہ ہو بلکہ میرے گناہوں کی گٹھڑی ہو جسے ہاتھ لگاؤں گا تو میرے گناہ مجھے سانپوں کی طرح ڈس لیں گے۔

میں ڈری ڈری سی چال چلتا اُس کے قریب گیا اور بیٹھ گیا۔ میں نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر ہاتھ جیسے اپنے آپ ہی پیچھے آ گیا ہو۔ میں اُس کا فراک اٹھا لایا اور اُس پر ڈال دیا۔ اُس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کے آنسو اس طرح بے جا رہے تھے کہ اس کے گال دُھل گئے تھے۔ اب جو میں نے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ مجھے پانچ چھ سال کی بچی لگی۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ ندامت کے آنسو تھے۔

"مجھے معاف کر دو عائشہ!" — میں نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر التجا کی — "مجھ پر شیطان کا غلبہ ہو گیا تھا"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم مجھے بہت اچھے لگے تھے"۔۔۔ اُس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔۔۔ "میں سمجھی تھی کہ تم دوسروں کی طرح نہیں ہو"

"میں دوسروں کی طرح نہیں ہوں عائشہ!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "اگر میں دوسروں کی طرح ہوتا تو تم رات کو بھی میرے پاس اکیلی ہوتی ہو۔ تم پھول جیسی لڑکی ہو۔ مجھ جیسے فوجی جوان سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتیں لیکن میں نے کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کی۔ تمہیں معلوم نہیں، جاپانیوں کے حملے سے پہلے میری رجمنٹ کی بارکیں تمہاری کنٹین کے قریب تھیں۔ تم جب شام کو سیر کے لیے نکلا کرتی تھیں تو میں اپنے دوستوں کے ساتھ تمہیں دیکھنے کے لیے تمہارے راستے میں جا کھڑا ہوتا تھا۔ ہماری عقل اور ہمارا اخلاق یہی کچھ تھا۔ اس وقت میری نیت ٹھیک نہیں تھی۔ بارکوں کی زندگی ایسے ہی گزرا کرتی ہے عائشہ! اگر تم مجھے یہاں مل گئیں تو میری نیت صاف ہو گئی"۔

"نہیں!"۔۔۔ اُس نے سر کو زور زور سے ہلا کر کہا۔۔۔ "تمہاری نیت اب بھی صاف نہیں۔ کیا عورت کو خدا نے اِس لیے پیدا کیا ہے کہ اسے دیکھو تو شیطان بن جاؤ؟ عبدالرحمٰن کو میں اپنا باپ سمجھتی تھی مگر وہ کچھ اور نکلا۔ تمہیں بھی میں کچھ اور سمجھی تھی اور تم کچھ اور نکلے۔ ہم یہاں سے نکل جائیں گے تو ہماری شادی ہو جائے گی۔ کیا تم انتظار نہیں کر سکتے؟"

"تم بہت خوبصورت لڑکی ہو عائشہ!"۔۔۔ میں نے جھنجھلا کر کہا۔۔۔ "اور میں پتھر نہیں۔ تم سمجھتی کیوں نہیں؟"

وہ اس قدر پاک اور صاف لڑکی تھی کہ بہت کچھ سمجھتے ہوئے بھی یہ نہیں سمجھ رہی تھی کہ انسان حیوان کیوں بن جاتا ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ میرے سامنے اس طرح کپڑے نہ اُتارا کرے تو اُس نے کہا۔۔۔ "میں ہر کسی کے سامنے تو کپڑے نہیں اتار دیتی۔ تمہارے ساتھ میری محبت ایسی ہے کہ تمہیں میں اپنا جسم سمجھتی ہوں"۔

میں خاموش رہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"تم پر شیطان کا قبضہ ہونے لگے تو خدا کو یاد کیا کرو"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "میں ہر وقت خدا کو یاد کرتی ہوں۔ تم کسی آبادی کی تلاش میں چلے گئے تھے تو میں خدا سے دعا کرتی رہی تھی کہ تم خیریت سے واپس آجاؤ اور تمہیں جاپانی نہ دیکھ لیں۔۔۔ خدا تمہیں زندہ اور سلامت لے آیا"۔

"جاؤ، نہا لو"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "شام ہو رہی ہے"۔

وہ ڈرے ہوئے معصوم بچے کی طرح اٹھی اور ندی میں اُتر گئی۔ میں نے اُس کی طرف پیٹھ کر کے پیٹھ ایک درخت سے لگا دی اور میں سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ مجھے غصہ آ رہا تھا کبھی اپنے آپ پر کبھی عائشہ پر۔ کبھی میں اتنا شرمسار ہوتا کہ میں اپنے آپ سے بھاگنے لگتا۔ میرے اندر جنگ لگی ہوئی تھی۔

میں نے اس کی آواز پر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ نہا کر کپڑے پہن چکی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ عجیب لڑکی تھی۔ میں اپنے آپ سے لڑ لڑ کر پریشان ہو رہا تھا اور عائشہ کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا۔

میں جان گیا کہ جس کا ضمیر پاک ہوتا ہے، وہ مطمئن اور مسرور ہوتے ہیں اور جن مجھ جیسوں کی نیت بد ہوتی ہے وہ میری طرح پریشان اور بے حال ہوتے ہیں۔ اپنا وجود اُن کے لیے جہنم کا تنور بن جاتا ہے۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نہایا تھا کہ نہیں۔ میں نے کپڑے پہنے اور اُس کے ساتھ چل پڑا۔

واپسی پر بھی مجھے شیر نظر نہ آئے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ شیر یہاں سے چلے گئے ہیں جس کی وجہ بھی ہو سکتی تھی کہ یہاں انہیں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ مگر میری نظر اب اُن شیروں پر نہیں تھی۔ وہ سامنے آتے بھی تو مجھے ان کا ڈر نہیں تھا۔ میں اس درندے سے ڈر رہا تھا جسے عائشہ نے میرے وجود میں جگا دیا تھا۔ اس لڑکی نے مجھے بڑے سخت امتحان میں ڈال دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اگر ہمارے ملک میں کوئی لڑکی کسی مرد کے سامنے کپڑے اتار دے تو اُسے ہم بے حیا کہیں گے۔ اگر بے حیا نہ ہو تو پاگل ہوگی مگر عائشہ کی حرکت میری سمجھ سے بالا تھی۔ میں اُسے بے حیا سمجھ بیٹھا تھا لیکن وہ ایسی نہیں تھی۔ وہ پاگل بھی نہیں تھی۔ عقل مندی کی باتیں کرتی تھی۔ کوشش کرتی تھی کہ مجھ پر بوجھ نہ بنے، ہر کام اور ہر مشکل میں مددگار ثابت ہوتی تھی۔

اُس کی نیت صاف ہی سہی، لیکن اُس نے میرے ساتھ میری ہی لڑائی کرا دی۔ ایک اللہ کا نیک بندہ تھا، دوسرا فوج، جوان جو پنجاب کا دیہاتی تھا۔ میں چپ چاپ اُس کے ساتھ کھڈ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی میرا بازو پکڑ لیتی تھی۔ کبھی خیال آتا کہ یہ لڑکی نیک پاک نہیں۔ مجھے ترسا ترسا کر اپنی کوئی قیمت بتلائے گی مگر اُس کے آنسو یاد آتے تو میں اپنے آپ کو کوسنے لگتا کہ میں انسان نہیں حیوان ہوں۔ مجھ پر خدا کے عتاب کا خوف طاری ہو جاتا اور میں اندر ہی اندر کانپنے لگتا۔

میری جوانی کا جنگل بہت ہی خوفناک تھا۔ اس میں صرف درندے نہیں، بھوت اور بدروحیں بھی تھیں۔

ہمارے پاس کھانے کا سامان بہت تھا۔ رات پیٹ بھر کر ہم سونے لگے تو میں نے عائشہ سے کہا کہ وہ اپنی کھوہ میں سو جائے، میں اپنی کھوہ میں سوؤں گا۔

"مجھ سے ناراض ہو؟" — عائشہ نے رنجیدہ سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں عائشہ... نہیں" میں نے جھنجھلا کر کہا — "مجھے الگ سونے دو۔"

"میں نے تمہیں ناراض کر دیا ہے" — اُس نے کہا اور اس کے آنسو نکل آئے۔

اُسے یہ یقین دلانے کے لیے کہ میں اُس سے ناراض نہیں ہوں، اُسی کی کھوہ میں سو گیا۔ وہ تو چند منٹوں میں بچوں کی نیند سو گئی۔ مجھے نیند نہ آئی۔ میں عائشہ سے دھیان ہٹا کر خدا کی یاد میں محو ہو گیا اور میری آنکھ لگ گئی۔

☆

صبح ابھی تاریک تھی جب ہم دونوں جاگ اٹھے۔ عائشہ نے سٹوو جلا کر چائے بنائی۔ عبدالرحمٰن دودھ کے بہت سے ڈبے رکھ گیا تھا۔ یہ کریم کی طرح کا بیٹھا دودھ تھا۔ ناشتہ کر کے میں نے عائشہ سے کہا کہ میں معلوم کرنے جا رہا ہوں کہ میں نے جو گاؤں دیکھا ہے، وہاں کون لوگ رہتے ہیں۔

"تم کس طرح یقین سے کہہ سکتے ہو کہ وہاں ہمیں پناہ مل جائے گی؟" — عائشہ نے کہا — "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم اُسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں جس سے ہم چھپتے پھر رہے ہیں۔"

میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ میں ایک خطرہ مول لے رہا تھا۔ میں نے کہا — "تم پاک ہو عائشہ! میں گنہگار ہوں۔ خدا تمہاری دعا سُن لے گا۔ میں چلا جاؤں گا تو خدا سے التجا کرنا کہ ہمیں پناہ عطا کرے۔"

"میں دعا تو کروں گی مگر تم واپس آنے کے لیے نہیں جا رہے" — اُس نے کہا — "تم مجھ سے ناراض ہو نا۔"

میں اُس کی طرف بڑھا۔ اُس نے باہیں پھیلا دیں اور میرے ساتھ لپٹ گئی۔ کہنے لگی — "مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔"

"ڈرو مت عائشہ!" — میں نے کہا — "تم پہلے بھی یہاں اکیلی رہ چکی ہو۔"

"مجھے صرف ایک ڈر ہے کہ تم واپس نہیں آؤ گے۔"

میں اُسے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا، کیونکہ میں خطرے میں جا رہا تھا۔

اسے بڑی مشکل سے منایا کہ وہ کھڈ میں ہی رہے۔

میں پہلے کی طرح چھپ چھپ کر گاؤں کی سمت بڑھنے لگا۔ میرے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس کی میگزین میں پانچ راؤنڈ تھے اور رائفل کے آگے سنگین لگی ہوئی تھی۔ درخت سے کوئی پرندہ اڑتا تھا تو میں قریبی جھاڑی میں گھس جاتا تھا۔ مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ جنگ کہاں ہو گئی ہے۔ مجھے اتنا ہی معلوم تھا کہ ملایا پر جاپانیوں کا قبضہ ہے اور جاپانی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

درندے اور وحشی ہیں۔

دور مجھے ہوائی جہازوں کی ہلکی ہلکی گونج سنائی دی۔ میں نے چھپ کر دیکھا۔ بہت دور چار ہوائی جہاز جا رہے تھے۔ یہ جاپانیوں کے ہی ہو سکتے تھے۔

میں اس جگہ تک جا پہنچا جہاں سے مجھے دس بارہ جھونپڑے نظر آئے تھے۔ گھٹائیں بھی بڑھی آ رہی تھیں۔ اچانک ہوا ساکن ہو گئی۔ گھٹائیں بڑی تیزی سے بڑھی آ رہی تھیں۔ سورج نکل آیا تھا۔ اسے گھٹا نے چھپا لیا اور جنگل تاریک ہونے لگا۔

میں گاؤں سے دو اڑھائی گز دور تھا۔ کل کی طرح وہاں مرد اور عورتیں تھیں۔ آج وہ لوگ ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ وہ سامان اور مویشی جھونپڑوں کے اندر لے جا رہے تھے کیونکہ گھٹائیں چلی آ رہی تھیں۔

گھٹاؤں کی گرج بھی سنائی دینے لگی اور ادھر سے آسمان کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔ رکی ہوئی ہوا میں ذرا سی حرکت ہوئی اور فوراً ہی آندھی آ گئی۔ جنگل دور دور تک تاریک ہو گیا۔ آندھی کی چیخوں کے ساتھ بارش شروع ہو گئی۔ بادِ باراں کا یہ طوفان اس قدر تیز اور تند ہو گیا کہ درخت چیخ اور چلا رہے تھے۔ تاڑ اور ناریل کے درخت دوہرے ہوئے جا رہے تھے۔ وہاں کوئی پناہ نہیں تھی۔ میں ابھی گاؤں میں نہیں جا سکتا تھا۔

مجھے عائشہ کا خیال آ گیا۔ وہ دوڑ رہی ہو گی۔ میں نے واپسی کا رخ کیا۔ بارش کنکریوں کی بوچھاڑوں کی طرح پڑ رہی تھی۔ طوفان پاؤں جمنے نہیں دے رہا تھا۔ گھٹائیں گرجتی تھیں اور بجلی کی کڑک سے زمین کانپتی محسوس ہوتی تھی۔ پانی اور کیچڑ پاؤں اٹھنے نہیں دیتا تھا۔

☆

میں جب کھڈ کے کنارے پر پہنچا تو کھڈ میں پانی بھر گیا تھا لیکن کھوہوں تک نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ کھوہیں کھڈ کی تہہ سے بلند تھیں اور پانی کے نکاس کا راستہ بھی تھا۔ اس کے باوجود کھڈ میں میرے گھٹنوں تک پانی تھا۔ عائشہ اپنی کھوہ کے دہانے میں بیٹھی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ میں نے اُسے بتایا کہ آج بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔

میں طوفان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

طوفان تو چار پانچ گھنٹوں بعد تھم گیا۔ بارش نہ تھمی۔ ہلکی ہو جاتی تھی، رکتی نہیں تھی۔ سورج غروب ہو گیا۔ میں اور عائشہ باتیں کرتے کرتے سو گئے۔

صبح طلوع ہوئی تو بارش ہلکی ہلکی برس رہی تھی۔ کھڈ میں پانی تو نہیں تھا۔ مجھے سارا دن کھوہ کے اندر گزارنا پڑا۔ ایک اور رات آئی۔ عائشہ نے روزمرّہ کی طرح میری پٹیاں بدل دی تھیں۔ زخم تقریباً ٹھیک ہو گئے تھے۔

"تم بولتے کیوں نہیں؟" — عائشہ نے پوچھا۔

میں نے اُس کی طرف دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ مجھے غصہ آ رہا ہے۔ اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بجائے اُسے گھور کر دیکھا۔ یہ شاید اس کا اثر تھا کہ میں دو دنوں سے تنگ سی کھوہ میں بند تھا۔ بارش باہر نکلنے نہیں دے رہی تھی۔ میں دیہات کی کھلی فضاؤں کا جنا پلا اور جنگلوں، میدانوں اور پہاڑوں میں گھومنے پھرنے والا فوجی، گیدڑ کی طرح ایک بِل میں قید ہو گیا تھا۔

میں آپ کو سچ بات بتاؤں۔ مجھے عائشہ کی پاکیزگی پر غصہ آ رہا تھا۔ اُس کے حسن پر بھی غصہ آنے لگا۔ ہم ہر روز ایک ہی قسم کی باتیں کرتے تھے جن سے میں اُکتا گیا تھا۔ اس معمول میں کوئی تبدیلی اور کوئی دلچسپی پیدا ہونی چاہیئے تھی۔ یہ دلچسپی عائشہ پیدا کر سکتی تھی۔ اس قید میں لطف پیدا ہو سکتا تھا۔ وہ مجھے دل و جان سے چاہتی تھی اور میری بیوی بننے کو بھی تیار تھی لیکن اُس نے درمیان میں پاکیزگی اور معصومیت کی جو دیوار کھڑی کر رکھی تھی اسے میں نے قبول نہ کر لیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا مگر اُس نے کھوہ کی قید میں مجھ میں چڑچڑا پن پیدا کر دیا۔ میرا دماغ خراب ہو گیا۔

اُس نے ایک بار پھر کہا۔ "مہدی! تم بولتے کیوں نہیں؟"

مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ میں نے غصّے سے کہا۔ "کیا بولوں؟ تم اپنے آپ کو کیا سمجھ بیٹھی ہو؟ تم آسمان سے اُترا ہُوا فرشتہ تو نہیں۔ مجھے آگ لگا کر تم میرا تماشہ بناتی ہو۔"

وہ فطرۃً معصوم لڑکی تھی۔ میرا لہجہ دیکھ کر مجھے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔

مجھے اس پر بھی غصّہ آگیا۔

"مہدی!"۔ اُس نے دبی دبی آواز میں کہا۔ "کچھ عرصہ اور تم اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتے؟ میں نے اپنے آپ کو تمہارے قبضے میں دے دیا ہے۔ میں کہیں بھاگ نہیں جاؤں گی۔"

"میں ہر مصیبت برداشت کر سکتا ہوں"۔ میں نے جل کر کہا۔ "تم میرے لیے ایسی مصیبت بن گئی ہو جسے میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تم میرے قبضے میں ہو تو اپنے آپ کو میرے حوالے کر دو"۔ میں نے گرج کر کہا۔ "ادھر آؤ۔"

وہ کھوہ کے دہانے کے قریب بیٹھی تھی۔ میں نے اُس کے چہرے پر خوف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں اُبل آئی تھیں۔ میری طرف آنے کی بجائے باہر نکل گئی۔ کھڈ میں کیچڑ اور پانی تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ کھڈ سے نکلنے کے لیے اوپر چڑھنے لگی تو پھسل کر نیچے آرہی۔ اس کے ساتھ ہی بارش جو ہلکی ہلکی تھی اُسی طرح موسلا دھار ہو گئی جس طرح دو روز پہلے شروع ہوئی تھی۔ تازہ گھٹاؤں نے جیسے یلغار کر دی ہو۔

عائشہ کیچڑ سے اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بارش اتنی تیز کہ وہ دُھند میں چھُپ گئی۔ وہ اٹھی اور اس نے آسمان کی طرف دیکھا جیسے خدا سے مدد مانگ رہی ہو۔

میرے اندر بجلی سی کوندی۔ میں گولی کی طرح کھوہ سے نکلا۔ مجھے ایسے محسوس ہُوا جیسے میری ذات، میرا وجود اور میری روح بالکل ہل گئی ہو۔ میں نے عائشہ

کو بازوؤں پر اُٹھا لیا۔ اُس کا وزن جیسے تھا ہی نہیں۔ اُسے کھوہ میں لے آیا اور لٹا دیا۔

اُس نے میری طرف دیکھا اور لاچارگی آواز میں بولی۔ "اگر تم اسی طرح خوش رہ سکتے ہو تو میں تمہاری ملکیت ہوں۔ میں بھی اپنے آپ کو حیوان سمجھ لوں گی۔"

آپ نے سینکڑوں کتابیں پڑھی ہوں گی۔ ان کتابوں نے آپ کو عالم بنا دیا ہوگا مگر میں نے اس معصوم اور بھولی بھالی لڑکی کے ان تھوڑے سے الفاظ سے جو علم حاصل کیا ہے وہ آپ کو ابھی تک سینکڑوں کتابیں نہیں دے سکی ہوں گی۔ مجھے ایسے لگا جیسے میری روح نے میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے کہا ہو۔

"میں بھی اپنے آپ کو حیوان سمجھ لوں گی۔"

میں نے عائشہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔ پھر اُس کے ہاتھ میرے آنسوؤں سے دُھلنے لگے۔ وہ اُٹھ بیٹھی۔ اُس نے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تم آنسو بہانے اچھے نہیں لگتے"۔ اُس نے کہا۔ "میں تمہیں اپنا محافظ سمجھتی ہوں۔ خدا ہم دونوں کا محافظ ہے۔"

"میں نے جو کچھ بھی کہا ہے اور جس طرح کہا ہے اسے بھول جاؤ گی؟"

"میں اب تمہارا حکم مانوں گی"۔ اُس نے جواب دیا۔ "تم جس طرح خوش ہو گے اسی طرح کروں گی۔"

وہ مجھ پر غالب آگئی۔ مجھ میں اتنی جرأت نہ رہی کہ اُسے کہتا۔ "آؤ، میرا حکم مانو۔" میں اپنے آپ کو اُس کے حکم کا تابع سمجھنے لگا۔

☆

بارش مزید دو دن جاری رہی۔ یہ دن بڑی مشکل سے گزرے۔ ہم ایک ہی کھوہ میں بند رہے۔ بعض اوقات میرا ذہن مجھے انسانیت کی سطح سے گرا دیتا لیکن میں اپنے آپ کو سنبھال لیتا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ لڑائی کرنی پڑتی تھی۔ اس اندرونی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کشمکش اور تصادم کے ساتھ ساتھ مجھے عبدالرحمٰن کے آنے کا خدشہ لگا رہتا تھا۔ مجھے شک تھا کہ اب عبدالرحمٰن میرے خلاف کوئی نہ کوئی فریب لے کر آئے گا۔ مجھے اس کی نیت کا اور اُسے میری نیت کا پتہ چل چکا تھا۔ وہ کہہ گیا تھا کہ سات آٹھ روز بعد آئے گا۔ سات آٹھ روز گزر گئے تھے۔ چار روز تو بارش نے قید کیے رکھا۔ میں اُس کے آنے سے پہلے عائشہ کو ساتھ لے کر غائب ہو جانا چاہتا تھا۔

میں علی الصبح نکل کھڑا ہوا۔ عائشہ سے کہہ آیا کہ میری غیر حاضری میں عبدالرحمٰن آجائے اور اُسے اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو وہ کسی نہ کسی بہانے نہ جانے اور اُسے روکے رکھے۔ عبدالرحمٰن رات کو آیا کرتا تھا۔ پھر بھی اس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

میں جھاڑیوں، اونچی گھاس اور درختوں کی اوٹ میں جھونپڑوں سے کوئی ایک سو گز دُور تک پہنچ گیا اور ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگا۔ یہ جگہ ذرا بلند تھی۔ سورج بہت اوپر آگیا تھا۔ جھونپڑوں کے باہر چند ایک بچے کھیل رہے تھے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مجھے عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور اس کے ساتھ ہی ایک جنازہ جھونپڑوں میں سے نکلتا نظر آیا۔ چار آدمیوں نے بانسوں کے سٹریچر جیسی چارپائی اٹھا رکھی تھی۔ اس کے پیچھے کم و بیش پچاس آدمی تھے۔

ایسا جنازہ کسی اور مذہب کا بھی ہو سکتا تھا۔ مجھے یہ دیکھنا تھا کہ یہ لوگ مُردے کو جلاتے ہیں، دفن کرتے ہیں یا کیا کرتے ہیں۔ تھوڑی دُور جا کر یہ ساتی جلوس میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں چھُپ چھُپ کر اُس کے پیچھے گیا۔ کچھ دُور آگے مجھے ایک قبرستان نظر آیا۔ جنازہ وہاں رُک گیا اور اُس کے ساتھ جانے والے صفوں میں کھڑے ہونے لگے۔ انہوں نے تین صفیں بنائیں اور ایک سفید ریش آدمی امامت کرنے لگا۔ اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی کہ یہ لوگ مسلمان ہیں۔

اچانک مجھے ایک خیال یوں آیا جیسے مجھے خدا کی طرف سے اشارہ ملا ہو۔ میں نے اس خیال پر ذرا سا بھی غور نہ کیا۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر تیمم کیا۔ فلیٹ شوز

ہاتھ میں لیے اور دبے پاؤں تیزی سے چلتا پچھلی صف کے آخر میں بائیں طرف کھڑا ہو کر نماز جنازہ کی نیت باندھ لی۔

☆

نماز جنازہ ختم ہوئی تو بیٹھ کر دعا مانگی گئی۔ میرے ساتھ کے آدمیوں نے مجھے حیران ہو کر دیکھا۔ کھُسر پھُسر ہوئی اور سب کی نظریں مجھ پر جم گئیں۔ کسی نے امام کو بھی بتا دیا۔ امام میری طرف آیا تو میں نے آگے ہو کر مصافحہ کیا۔ جُھک کر امام کے ہاتھ چُومے۔ میں ان لوگوں میں اپنے آپ کو بھی عجیب آدمی لگ رہا تھا۔ میرا قد بُت اُن سے لمبا اور توانا تھا اور میرا رنگ ان سے صاف تھا۔ میرے پاس رائفل تھی۔

"آپ ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں"۔۔۔ امام نے اُردو میں کہا۔۔۔ "اِس طرف کس طرح آ گئے؟ آپ فوجی تو نہیں؟"

"میں ہندوستانی مسلمان ہوں"۔۔۔ میں نے جواب دیا۔۔۔ "اور میں انگریزوں کی فوج کا فوجی ہوں۔ جاپانیوں سے چھُپا ہُوا ہوں۔ اگر آپ لوگ مسلمان نہ ہوتے تو میں سامنے نہ آتا۔۔۔۔ کیا آپ مجھے ایک پردیسی اور مسلمان بھائی سمجھ کر پناہ دے سکتے ہیں؟"

میں نے دیکھا کہ امام کی نظریں بار بار میری رائفل پر جم جاتی تھیں۔ بہت سے آدمی میت کو قبر میں اتارنے چلے گئے تھے۔ کچھ ہمارے پاس کھڑے تھے۔

"ہمیں اس وقت آپ کی بجائے آپ کی رائفل کی ضرورت ہے"۔۔۔ امام نے کہا۔۔۔ "یہ آدمی جسے ہم دفن کرنے آئے ہیں، ایک شیر کا شکار ہُوا ہے۔ بارش سے پہلے شیر ہماری ایک بکری کھا گیا ہے۔۔۔۔ میت دفن ہو لے تو آپ ہمارے ساتھ گاؤں چلیں۔ وہاں آپ سے باتیں کریں گے۔"

"یہاں قریب کہیں جاپانی فوج ہے؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔۔۔ "جاپانی فوجی اِدھر آتے ہوں گے؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نہیں"۔۔۔ امام نے بتایا۔۔۔ "نہ اِدھر قریب کہیں جاپانی فوج ہے نہ کبھی جاپانی فوجی آئے ہیں۔ پہلے پہل جاپانیوں نے ہمیں بہت پریشان کیا تھا۔ ہمارے ہی ملک کے آدمیوں کو ساتھ لیے ہوئے کبھی دن کو کبھی رات کو آن دھمکتے، ہمارے گھروں کی تلاشی لیتے، جنگل کی تلاشی لیتے اور ہمیں ہمارے آدمیوں کے ذریعے دھمکیاں دے کر چلے جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ انگریز کی فوج کے کسی آدمی کو پناہ نہ دی جائے۔ جہاں کہیں کوئی فوجی نظر آئے اُسے پکڑ کر جاپانی فوج کے حوالے کیا جائے۔ ہم نے کبھی کوئی فوجی نہیں دیکھا تھا۔ اب جاپانیوں کو شاید یقین ہو چکا ہے کہ جنگل میں کہیں کوئی ہندوستانی فوجی نہیں۔"

"گاؤں کے لوگ مجھے پکڑا دیں گے؟"

"یہ گاؤں مسلمانوں کا ہے"۔۔۔ امام نے کہا۔۔۔ "یہاں کسی مسلمان کے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا۔"

☆

میں ذہنی طور پر یہ تیاری کر کے امام کے ساتھ اُس کے گھر چلا گیا کہ ان لوگوں نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو ان میں سے جو سامنے آیا اُس پر گولی چلا دوں گا اور فرار کی کوشش کروں گا۔ مجھے ایسی اُمید تو نہیں تھی۔ امام جن کا نام شفیع الدین تھا، ایسے آدمی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ ان کی عمر ستر سال سے اوپر ہی تھی۔

ہر جھونپڑے کی طرح امام کا گھر بھی بانسوں کا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بانسوں کی مسجد تھی جو ایک کشادہ کمرہ تھا۔ انہوں نے اپنے متعلق بتایا کہ وہ بنگال کے رہنے والے تھے۔ جوانی میں تبلیغی جماعت کے ساتھ اِدھر آئے تھے۔ انہوں نے کچھ عرصہ برما میں بھی گزارا تھا۔ ملایا میں آئے۔ یہاں انہیں پتہ چلا کہ کسی زمانے میں یہ خطہ عربوں کے زیرِ نگیں رہا ہے، اس لیے شہروں اور دیہات میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔

وہاں کے دیہاتی علاقے سے مُراد دشوار گزار اور گھنا جنگل تھا جہاں کے رہنے والے لوگ شہری تہذیب سے کٹے ہوئے تھے۔ مولوی شفیع الدین کو کسی نے بتایا کہ عیسائی مشنری جنگلی علاقوں میں جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ اسی جنگل میں بے مذہب لوگ بھی رہتے تھے جو کسی مذہب کے نہیں بلکہ چند ایک رسومات اور توہمات کے پابند تھے۔ ان میں انسانی کھوپڑیوں کے شکاری بھی تھے۔ ان کے قبیلے اپنے دشمن قبیلوں پر حملے کرتے اور ان کی عورتیں اور دشمن کے مقتولین کی کھوپڑیاں لے آتے تھے۔

مولوی شفیع الدین اسلام کے شیدائی تھے۔ اپنے تین دوستوں کے ساتھ جنگلی علاقے میں نکل گئے۔ وہاں انہیں جگہ جگہ مسلمان ملے۔ وہ تھے تو مسلمان لیکن برائے نام۔ مولوی شفیع الدین اور اُن کے دوستوں نے یہاں بہت محنت کی اور بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ انہوں نے یہاں اسلام کو زندہ کر دیا۔

ان کے اس جہاد کی کہانی بڑی لمبی ہے۔ مولوی شفیع الدین نے یہیں شادی کی، پھر اُن کے دوست اسی علاقے میں بکھر گئے۔ مولوی شفیع الدین جب تک جوان رہے، تبلیغ کے لیے خانہ بدوش رہے۔ دو بچے پیدا ہوئے اور جب بچے بڑے ہو گئے تو اس گاؤں میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ اپنے وطن واپس نہ گئے۔ اب ان کی عمر ستر سال ہو گئی تھی۔

تھوڑے سے وقت میں ہی مجھے یقین ہو گیا کہ کم از کم یہ مولوی صاحب، مجھے دھوکہ نہیں دیں گے۔ اسلام کا رشتہ بڑا گہرا ہوتا ہے۔ دو مسلمان جنگل میں ملیں یا کسی محل میں، وہ ایک دوسرے کے دل میں اُتر جاتے ہیں۔ مولوی شفیع الدین نے مجھے پناہ میں لے لیا۔

شیر کے متعلق انہوں نے بتایا کہ یہ جوڑا ہے۔ پہلے یہ ایک بکری کھا گئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اس کا تو میں عینی شاہد ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ چار روز مینہ برستا رہا، اس لیے شیر شکار کے لیے باہر نہ نکل سکے۔ مینہ ختم ہوا تو گاؤں کے تین چار آدمی اُس طرف اپنے کام سے گئے۔ ایک

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آدمی اپنے ساتھیوں سے ذرا الگ ہوگیا۔ اس کے ساتھی بتاتے ہیں کہ جھاڑیوں سے دو شیر نکلے۔ انہوں نے اس آدمی پر حملہ کر دیا۔

یہ تو نڑا شیر تھے جن کی خصلت سے یہ لوگ واقف تھے۔ ان کے پاس بانسوں کی برچھیاں تھیں۔ انہوں نے شیروں پر حملہ کر دیا۔ اگر یہ ببر شیر یا دھاری دار شیر ہوتے تو ان پر حملے کی وہ جرأت نہ کرتے۔ نہ یہ بڑے شیر کسی کو قریب آنے دیتے۔

ان میں ایک شیر کو برچھی لگی اور دونوں بھاگ گئے مگر جس آدمی پر انہوں نے حملہ کیا تھا وہ شدید زخمی ہوگیا تھا۔ ایک شیر نے پیچھے سے اس کی گردن کو دانتوں میں لے کر جھنجھوڑا تھا جس سے اُس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ بچ نہ سکا۔

"یہ لوگ برچھیوں سے شیر کو مار سکتے ہیں"۔۔۔ امام صاحب نے کہا۔۔۔ "مگر شیروں تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا اور یہ خطرہ بھی ہے کہ کوئی اور آدمی مارا جائے گا۔ گاؤں کے لوگ شیروں کو مارنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ رائفل لے کر آگئے ہیں۔ آپ شیروں کو آسانی سے ختم کر سکتے ہیں۔ یہ اب انسانوں پر حملے کریں گے۔"

میں نے انہیں کہا کہ میں شیروں کو ختم کر دوں گا لیکن فوری طور پر میرا مسئلہ حل ہونا چاہیئے۔ میں نے انہیں پوری تفصیل سے بتایا کہ میں جاپانیوں کے حملے میں زخمی ہو کر بھٹکتا اور چھپتا پھر رہا تھا کہ میں اُس جگہ جا پہنچا جہاں عائشہ اور عبدالرحمٰن چھپے ہوئے تھے۔ میں نے عائشہ کے متعلق

پوری تفصیل سے بات سنائی۔ عبدالرحمٰن کی نیت بتائی، اور مولوی شفیع الدین سے کہا کہ میں اس لڑکی کو اس آدمی اور جاپانیوں سے بچانے کی فکر میں ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے انہیں صاف الفاظ میں بتا دیا کہ یہ لڑکی اگر میرے ساتھ زیادہ دیر اسی طرح تنہا رہی تو مجھ سے گناہِ کبیرہ کا

ارتکاب ہو جائے گا۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ لڑکی پاک اور صاف ہے۔

یہ میری زندگی کا ایک معجزہ تھا۔ مولوی شفیع الدین نے کہا کہ کسی کو مصیبت اور گناہ سے بچانے کے لیے وہ اپنی جان تک قربان کر دیں گے۔ انہوں نے اُسی وقت چار آدمی میرے ساتھ کیے اور کہا کہ سامان اور لڑکی کو لے آؤ۔ اللہ تمہیں پناہ دے گا۔

✡

میں جب چار آدمیوں کے ساتھ عائشہ کے سامنے جا کھڑا ہوا تو وہ خوش بھی ہوئی اور حیران بھی۔ میں نے اُسے مختصر الفاظ میں بتایا کہ خدا نے ہمارے لیے کیا انتظام کیا ہے۔ میں نے عائشہ کا سامان آدمیوں سے اٹھوایا اور انہیں کہا کہ وہ گاؤں کو چلیں ہم آتے ہیں۔ وہ چلے گئے۔

میں عائشہ کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ ہمیں اب یہی ایک خطرہ نظر آ رہا تھا کہ عبدالرحمٰن ہمیں جنگل میں تلاش کرے گا۔ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا۔ میں نے عائشہ کو بتائے بغیر یہ علاج سوچا کہ وہ ایک دو دن تک ضرور آئے گا۔ وہ شام کے بعد آیا کرتا تھا۔ میں شام کے بعد کھڈ کے قریب آ کر بیٹھ جایا کروں گا۔ وہ آئے گا تو اسے قتل کر کے ایک کھوہ میں دفن کر دوں گا۔

ہم آدھے سے زیادہ فاصلہ طے کر چکے تھے۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ اچانک آواز سنائی دی ۔۔۔ "رک جاؤ دونوں .... مہدی! تم میرے ربلوالور کی شست میں ہو.... عائشہ! واپس آؤ۔"

یہ آواز عبدالرحمٰن کی تھی۔ مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ہمارے تعاقب میں کس طرح آ گیا تھا۔ اُسے کیسے پتہ چلا کہ ہم اس طرف جا رہے ہیں؟ شاید کیچڑ میں اُس نے ہمارے قدموں کے نشان دیکھے ہوں گے۔

اُس کی آواز سنتے ہی میں نے رائفل سیدھی کی اور پیچھے کو مڑا، مگر عبدالرحمٰن مجھے نظر نہ آیا۔ وہ جھاڑیوں، کسی درخت یا اونچی گھاس کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیچھے چھپا ہوا تھا۔

عائشہ فوراً میرے آگے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کے منہ سے گھبرائی ہوئی سرگوشی نکلی — "وہ آ گیا ہے"

"عبدالرحمٰن!" — میں نے للکار کر کہا — "سامنے آ کر بات کرو"

"لڑکی کو یہیں رہنے دو اور تم چلے جاؤ" — اس کی آواز آئی — "عائشہ! اس سے دُور ہٹ جاؤ۔ ماری جاؤ گی"

"چلاؤ گولی" — عائشہ نے کہا — "نہیں ہٹوں گی"

اچانک شیروں کی غضب ناک آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ عبدالرحمٰن کی ہولناک آہ و بکا بھی سنائی دی۔ میں اُس طرف دوڑا۔ عائشہ نے چلا کر کہا — "مہدی! اُدھر مت جاؤ"

میں نہ رُکا۔ گھنی جھاڑ سے گزر گیا۔ دونوں شیر عبدالرحمٰن کو بھنبھوڑ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے ہی مجھے بتایا تھا کہ یہ شیر اگر بھوکے ہوں تو انسانوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔

میں نے ایک شیر کو رائفل کی شست میں لیا اور گولی چلا دی۔ شیر اُچھلا، گرا اور پھر اُٹھا۔ دوسرا بھاگ گیا۔ جسے گولی لگی تھی، وہ ایک بار پھر عبدالرحمٰن پر جھپٹا۔ اب وہ انتقام لے رہا تھا مگر وہ پھر گرا۔ اس کے پہلو سے خون بہنے لگا تھا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ میں نے دوسری گولی چلائی۔ اب کے شیر گرا تو اُٹھ نہ سکا۔

میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ شیر میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ میں نے اُسے سنگین چبھوئی تو بھی نہ ہلا۔ وہ مر چکا تھا — اور عبدالرحمٰن بھی مر گیا تھا۔ اُس کی گردن چیری پھاڑی گئی تھی اور پہلو سے پیٹ بھی پھٹ گیا تھا۔

☐☐

عائشہ

کی چیخ نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ عائشہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر ہچکیاں لے رہی تھی۔

عبدالرحمٰن کی لاش کی حالت دیکھ کر خوف سے اُس کی چیخ نکل گئی تھی۔ وہ معصوم اور نازک طبع لڑکی تھی۔ یہ خوفناک منظر اُس کی برداشت سے باہر تھا۔ اُسے تو بیہوش ہو جانا چاہیئے تھا۔ میں نے اُس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ تسلی دلاسہ دینے لگا لیکن اُس کی جذباتی کیفیت اُس کے بس سے باہر تھی۔ گولیوں سے چھلنی کی ہوئی لاشیں، گرنیڈوں کی چیری پھاڑی ہوئی لاشیں، بازوؤں کے بغیر، ٹانگوں کے بغیر اور سروں کے بغیر لاشیں صرف فوجی دیکھ سکتے ہیں۔

عائشہ بیٹھ گئی اور چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بچوں کی طرح رونے لگی۔ تھوڑی ہی دُور شیر کی آواز سنائی دی۔ اب مجھے اس خطرے کا احساس ہوا کہ یہ دوسرا شیر ہے جو شاید انتقام کے لیے آ رہا ہے۔ میں شکاری نہیں تھا۔ درندوں کے متعلق میں اتنا ہی جانتا تھا کہ یہ انسان کو چیر پھاڑ دیتے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ جوڑے میں سے ایک شیر کو مار ڈالو تو دوسرا انتقام لیتا ہے یا نہیں۔

میں نے دوسرے شیر کی آواز سنی تو میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں عائشہ سے کہا — "عائشہ! اُٹھو، دوسرا شیر آ رہا ہے"

وہ بہت تیزی سے اُٹھی۔ میں نے اُسے بازو سے پکڑا اور گھنی جھاڑ میں لے گیا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ اگر جنگل گھنا نہ ہوتا تو میں ایک جگہ کھڑا رہ کر ہر طرف دیکھتا رہتا اور شیر نظر آتا تو میں اُس پر گولی چلا دیتا، مگر بونے بونے درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں اور پتوں، اونچی گھاس اور جھاڑیوں میں نظر نہیں آتا تھا کہ شیر کہاں ہے اور کس طرف سے آ رہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہے۔ میں عائشہ کو اپنے پاس بٹھا کر ہر طرف دیکھنے لگا۔ اُسے بھی کہا کہ وہ بھی ہر طرف دیکھتی رہے۔ جونہی شیر نظر آئے، مجھے خبردار کردے۔

وہاں سے اُٹھ کر گاؤں کی طرف بھاگ اُٹھنا خطرناک تھا۔ شیر کسی بھی طرف سے حملہ کر سکتا تھا۔ شیر کے علاوہ مجھے کسی اور کا بھی انتظار تھا۔ میں نے دو گولیاں چلائی تھیں۔ مجھے ڈر تھا کہ جاپانی فوجی کہیں قریب ہوئے تو دو دھماکوں پر ضرور اِدھر آئیں گے۔ مجھے گاؤں کے لوگوں کا بھی انتظار تھا۔ چار آدمی ہمارا سامان اٹھائے ہم سے آگے چلے گئے تھے۔ میرا خیال تھا کہ وہ زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے۔ انہیں گولیوں کی آواز پر واپس آجانا چاہیئے تھا۔

میں اِس انتظار میں بیٹھ گیا کہ کون پہلے آتا ہے، شیر، جاپانی یا گاؤں والے۔

"یہ یہیں پڑا رہے گا؟" عائشہ نے عبدالرحمٰن کی لاش کے متعلق پوچھا۔

"اگر اس کی لاش یہیں پڑی رہی تو اسے درندے کھا جائیں گے۔"

"تمہیں اس کے مرنے کا بہت افسوس ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"تمہیں افسوس نہیں؟" عائشہ نے کہا۔

"تم ہی نے بتایا تھا کہ اس نے اپنی بیوی کو گولیاں دے دے کر مارا تھا۔" میں نے کہا۔ "اور مارا اس لیے تھا کہ یہ تمہیں اپنی بیوی بنانے کا ارادہ کیے ہوئے تھا جب کہ تم اسے اپنا باپ سمجھتی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اسے دنیا کا قانون نہیں پکڑ سکا۔ اس لیے یہ من مانی کر سکے گا۔ یہ شخص خدا کے قانون اور خدا کی لاٹھی کو بھول گیا تھا۔ اس نے مجھے بھی گولیاں دے کر مارنے کی کوشش کی تھی۔ دیکھ لو۔ خدا کے قانون نے اسے کیسی سزا دی ہے۔ گناہگاروں کو ایسی ہی سزا ملنی چاہیئے۔"

میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے تو میں اپنے آپ میں کانپ اُٹھا۔ میں بھی گناہگار تھا۔ میں نے جسمانی طور کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن ندی میں

عائشہ کو نیم عریانی کی حالت میں دیکھ کر گناہ کا ارادہ کر لیا تھا۔ اگر عائشہ میرے منہ پر تھپڑ نہ مارتی تو میں گناہ کا ارتکاب کر گزرتا۔ مجھ پر خوف سا طاری ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میرا ضمیر مجھے للکار رہا ہو کہ ہمت ہے تو گناہ کی سزا سے بچو۔

میں بڑے ہی تلخ خیالوں میں بھٹک گیا۔

"تم اس کی لاش اُٹھا کر گاؤں تک لے جا سکتے ہو۔" عائشہ نے مجھے اذیت ناک خیال خیالوں سے نکال لیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "اس کی نیت جیسی بھی تھی، میں اس کا یہ احسان نہیں بھول سکتی کہ میں چھوٹی سی تھی جب میرے ماں باپ مر گئے تھے۔ اگر یہ مجھے اپنے گھر نہ لے آتا تو میری زندگی کیا ہوتی؟ مجھے کوئی اور لے جاتا اور نہ جانے میں کہاں کہاں خراب ہوتی اور کیسے کیسے لوگوں کے ساتھ میرا واسطہ پڑتا۔"

"مگر تم نے تو اس سے نفرت کا اظہار کیا تھا۔"

"اگر تم نہ آجاتے تو میرے دل میں اس کی نفرت پیدا نہ ہوتی۔" عائشہ نے کہا۔ "اچھی چیز دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسری چیز اچھی نہیں۔ اگر تم نہ آجاتے اور میرے دل میں تمہاری محبت پیدا نہ ہوتی تو میں عبدالرحمٰن کی بیوی خوشی سے بن جاتی۔ اس نے مجھ پر جو احسان کیے ہیں اِن کے عوض اسے میں اپنا آپ پیش کر دیتی.... اب یہ مر گیا ہے۔ میں اُسے بُرا نہیں کہوں گی۔" اُس نے ذرا چپ رہ کر کہا۔ "مہدی! میری خاطر اسے اُٹھا لے چلو۔ تم نے بتایا ہے کہ جس گاؤں میں ہم جا رہے ہیں وہاں سب مسلمان ہیں۔ اس کا جنازہ پڑھو اور اسے دفن کر دو۔"

"میں مسلمان ہوں عائشہ!" میں نے کہا۔ "یہ بھی مسلمان تھا۔ اسے درندوں کے لیے نہیں چھوڑ جاؤں گا لیکن اتنی دُور تک میں اسے اُٹھا کر نہیں جا سکوں گا، ورنہ میرے زخم کھل جائیں گے۔ ذرا انتظار کرو۔ شاید

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گاؤں والے آ ہی جائیں۔"

☆

ہم جہاں بیٹھے تھے وہاں سے ہمیں عبدالرحمٰن کی لاش نظر آ رہی تھی۔ اُس کے پاس مرا ہُوا شیر پڑا تھا۔ عائشہ بار بار اُدھر دیکھتی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُس کی سسکی نکل جاتی تھی۔

"اُدھر مت دیکھو عائشہ!" — میں نے جھنجھلا کر کہا — "جو کچھ ہو چکا ہے وہ ہو چکا ہے اور یہ خدا کی مرضی سے ہُوا ہے۔ مجھے اس کے مرنے کا بہت افسوس ہے لیکن مجھے یہ خوشی بھی ہے کہ یہ میرے ہاتھ سے نہیں مرا۔ اسے اگر شیر نہ مار ڈالتا تو یہ تیری گولی سے یا میں اس کی گولی سے مارا جاتا۔ میں اسے دفن کروں گا۔ اس کی قبر بناؤں گا۔"

میں نے کچھ سوچ کر کہا — "عائشہ! تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرح شہزادی بنا کر نہیں رکھ سکوں گا؟ اب تمہیں دودھ کے ڈبے اور فروٹ کے ڈبے، مکھن اور جام نہیں مل سکیں گے۔ معلوم نہیں ہمارے لیے اور کتنی مصیبتیں تیار ہوں گی۔ اُس وقت تمہیں اس شخص کے مرنے کا اور زیادہ افسوس ہوگا۔"

"میں تمہارے ساتھ ہر مصیبت میں رہوں گی" — اُس نے کہا — "جو کچھ ہوگا، اللہ کی طرف سے ہوگا۔ تمہیں چھوڑ کر کسی ایسے آدمی کے ساتھ نہیں بھاگ جاؤں گی جو مجھے شہزادی بنا کر رکھ سکے گا، مگر ایک بات کہہ دیتی ہوں کہ عبدالرحمٰن تم سے اچھا تھا۔ یہ میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کبھی بھی میرے جسم کو بُری نیّت سے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ تم بہت دلیر اور طاقتور ہو لیکن اندر سے تم بہت کمزور ہو۔ میں گناہ سے بہت ڈرتی ہوں۔ تم نے اپنے گلے میں قرآن مجید ڈال رکھا ہے۔ مجھے ایک عورت نے بتایا تھا کہ کوئی مصیبت آ جائے یا دل گناہ کی طرف آ جائے تو قرآن مجید

کھول لو۔ مصیبت بھی ٹل جاتی ہے اور گناہ کا ارادہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔"

مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ میں نے کھوہوں میں سامان گاؤں کے آدمیوں کو اٹھوا دیا اور قرآن مجید اپنے گلے میں لٹکا لیا تھا۔ عائشہ نے مجھے یاد دلا دیا کہ میرے گلے میں قرآن مجید ہے۔ مجھے اپنے وجود میں دھچکہ سا لگا۔ میں بھول گیا کہ میں دوسرے شیر اور جاپانیوں سے چھپا بیٹھا ہوں۔ صرف یہ احساس رہا کہ میرے پاس عائشہ بیٹھی ہے اور یہ معمولی لڑکی یا صرف خوبصورت اور نوجوان ملائی لڑکی نہیں بلکہ یہ آسمان سے اُترا ہُوا فرشتہ ہے۔ مجھے اس کی شکل و صورت اور حیثیت بدلی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں اس کی طرف دیکھنے سے بھی ڈرنے لگا۔

اگر یہ لڑکی مجھے کھڈ میں نظر نہ آ جاتی تو میں زخمی حالت میں جنگل میں بھٹک بھٹک کر زخم خراب ہو جانے سے مر جاتا یا کہیں نہ کہیں مجھے جاپانی پکڑ لیتے۔ یہ موت زخموں سے زیادہ اذیّت ناک ہوتی۔ عائشہ کو میں پہلے روز کسی لڑکی کی بدروح اور چڑیل سمجھا تھا، مگر یہ میری نجات کا ذریعہ ثابت ہوئی۔ میرے زخم ٹھیک ہوئے، مجھے پناہ ملی اور سب سے بڑی بات یہ کہ مجھے نیکی اور بدی کا فرق معلوم ہُوا۔ مجھ پر یہ انکشاف ہُوا کہ میں جسمانی طور پر طاقتور اور روحانی طور پر کمزور آدمی ہوں۔ اس لڑکی نے میرے گناہ میرے سامنے رکھ دیئے تھے۔

مجھے قرآن مجید کے الفاظ یاد آئے — "اللہ تمہیں نشانیاں دکھائے گا۔ جنہیں تم پہچان لوگے۔"

میں نے یہ الفاظ اس قرآن مجید میں پڑھے تھے جو مجھے ایک جھونپڑے میں ملا تھا۔ اس جھونپڑے میں دو مرد مرے پڑے تھے اور ایک لاش جوان عورت کی تھی۔ اب مجھے پھر وہ الفاظ یاد آئے تو میرے سامنے ایک لاش پڑی تھی۔ خدا نے مجھے اپنی بہت سی نشانیاں دکھا دی تھیں۔ عائشہ بھی خدا کی ایک نشانی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں شرمسار ہونے لگا اور خوفزدہ بھی۔ میں خدا کی اس نشانی کی توہین کرتا رہا ہوں۔ گناہ کے اس احساس نے میرے جسم کی طاقت چوس لی۔ اگر اس وقت شیر میرے سامنے آجاتا تو میں رائفل اٹھا کر کندھے تک نہ لے جا سکتا۔ میں دل ہی دل میں خدا سے بخشش مانگنے لگا۔

☆

مجھے وقت کا کوئی احساس نہ رہا۔ ہو سکتا ہے ایک گھنٹہ گزرا ہو۔ شاید دو گھنٹے گزر گئے ہوں۔ میں آہستہ آہستہ اس ماحول میں واپس آنے لگا جہاں میں عائشہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میرے سامنے میرے دو دشمن مرے پڑے تھے۔ ایک شیر، دوسرا عبدالرحمٰن ـــ میں نے ایسا ماحول کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ جیتی جاگتی دنیا کا ماحول نہیں لگتا تھا۔ میری فوجیت اور فوجی اکھڑپن ختم ہو چکا تھا۔ میں ان پڑھ دیہاتی، توہم پرست علاقے کا رہنے والا آدمی تھا۔ میرا دماغ تسلیم نہیں کر رہا تھا کہ یہ بھی زندگی کی ایک حقیقت ہے۔ میں اسے کچھ اور سمجھ رہا تھا اور کبھی مجھ پر یہ وہم طاری ہو جاتا کہ عائشہ انسان نہیں، یہ کوئی اور ہی مخلوق ہے۔

آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ذہنی طور پر اکھڑ گیا تھا۔

"ہم یہاں کب تک بیٹھے رہیں گے؟" عائشہ نے مجھے چونکا دیا۔

"اب کوئی نہیں آئے گا" ـــ میں نے کہا ـــ "چلو، گاؤں کو چلتے ہیں" ـــ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور یہ لاش؟" ـــ عائشہ نے پوچھا ـــ "یہیں پڑی رہے گی؟"

مجھے غصہ آگیا۔ میں نے عائشہ کو گھور کر دیکھا اور غصیلی آواز میں کہا ـــ "اٹھا لوں گا۔ میں اسے اکیلے اٹھا کر اتنی دور تک نہیں چل سکوں گا۔ گاؤں سے دو چار آدمی ساتھ لاؤں گا"

عائشہ سہم گئی اور خاموشی سے میرے ساتھ چلنے لگی۔ ہم چل نہیں رہے

تھے، رینگ رہے تھے۔ میں نے عائشہ کو اپنے ساتھ رکھا اور میں اس طرح چلتا تھا کہ ایک قدم اٹھاتا، رکتا، ادھر ادھر دیکھتا اور دوسرا قدم اٹھاتا تھا۔ ہر جھاڑی کے پیچھے مجھے شیر تاک میں بیٹھا لگتا تھا۔ جاپانیوں کا ڈر بھی تھا۔ مجھے شیر کی خراٹہ نما آواز دو تین بار سنائی دی جو بہت دور تھی۔ میں اور زیادہ چوکنا ہو گیا۔

اس طرح چلتے ہم بہت دیر بعد گاؤں تک پہنچے مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مجھے گاؤں کے باہر کوئی مرد، عورت یا بچہ نظر نہ آیا۔ میں نے یہ گاؤں دو مرتبہ چھپ کر دیکھا تھا۔ دونوں بار مجھے گاؤں کے باہر عورتیں کام کاج میں اور بچے کھیل کود میں مصروف نظر آئے تھے۔ اب وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اسی روز اس گاؤں کے ایک آدمی کا جنازہ پڑھا گیا تھا۔ وہاں کوئی نہ کوئی سرگرمی ہونی چاہیئے تھی۔

"کیا جاپانی آئے اور سب کو پکڑ کر لے گئے ہیں؟" ـــ میرے ذہن میں سوال اٹھا اور جواب بھی ـــ "انہیں جاپانی فوجی بیگار کے لیے لے گئے ہیں۔ مجھے آگے نہیں جانا چاہیئے"

یہاں آکر مجھے واپس کھڈ کو بھاگ جانا مناسب نہ لگا۔ چھپ کر تھوڑی دیر گاؤں کو دیکھتا رہا۔ میں نے عائشہ سے کہا کہ وہ یہیں چھپی رہے مگر وہ نہ مانی۔ کہنے لگی کہ اب وہ مجھے اکیلا نہیں چھوڑے گی۔ میں نے اسے ساتھ لے لیا۔ مجھے گشتی پٹرول کی اور چھپ چھپ کر اور رینگ رینگ کر دشمن کو قریب سے دیکھنے کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ وہاں چھپنے اور چھپ کر رینگنے کا قدرتی انتظام بہت اچھا تھا۔ میں نے رینگنا شروع کر دیا اور عائشہ سے کہا کہ وہ اٹھے نہیں اور میرے ساتھ رہے۔

میں جھاڑیوں اور اونچی گھاس کی اوٹ میں گاؤں کے قریب ہوتا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آگے اوٹ ختم ہوگئی۔ وہاں سے پہلا جھونپڑہ پچیس تیس گز دُور تھا۔ کچھ دیر تمام جھونپڑوں کو غور سے دیکھا۔ وہاں ان لوگوں کے مویشی بھی نظر نہیں آرہے تھے۔

میں نے عائشہ سے کہا کہ وہ یہیں رہے۔ میں پہلے جھونپڑے تک چلا گیا۔ اب میں خطرے میں کھڑا تھا۔ مجھے دُور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ میں جھونپڑے کے اندر چلا گیا۔ یہ خالی تھا۔ ان لوگوں کا سامان تو اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا لیکن ایسے لگتا تھا جیسے وہ سامان ساتھ لے گئے ہوں۔

مجھے باہر کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چلا آرہا تھا۔ میں نے رائفل کا سیفٹی کیچ آگے کر دیا اور جھونپڑے کے دروازے کے پیچھے پوزیشن لے لی۔ دروازے میں کوئی آکے کھڑا ہُوا۔ میں گولی یا سنگین چلانے کے لیے تیار ہوگیا۔

"مہدی!"۔۔۔ مجھے عائشہ کی آواز سنائی دی۔

میں غصّے سے اُٹھا اور اُسے کہا کہ اس نے یہاں آکر میرے لیے مشکل پیدا کر دی ہے مگر وہ کچھ بھی نہ بولی۔ سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں جھونپڑے سے نکلا تو وہ میرے پیچھے آئی۔ میں دوسرے جھونپڑے پر چڑھ گیا۔

جھونپڑے پر چڑھنے کا مطلب بھی آپ کو سمجھا دوں۔ وہاں جھونپڑے بانسوں کے چبوتروں یا پلیٹ فارموں پر بنے ہوئے تھے۔ بہت موٹے بانسوں کے ستونوں پر بانسوں کا پلیٹ فارم بنا ہوتا تھا۔ اس پر جھونپڑے کھڑے کیے جاتے تھے۔ پلیٹ فارم پر چڑھنے کے لیے بانسوں کی سیڑھیاں ہوتی تھیں جن کے چار یا پانچ ڈنڈے ہوتے تھے۔ جھونپڑے زمین سے بلند اس لیے بنائے جاتے تھے کہ وہاں بارشیں زیادہ ہوتی تھیں اور پانی جمع ہو جاتا تھا۔ جھونپڑے پانی سے محفوظ رہتے تھے۔ سانپ اور درندے بھی اوپر نہیں چڑھ سکتے تھے۔ آج کل بھی وہاں جنگلی لوگ اسی قسم کے

جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔

میں دوسرے جھونپڑے میں گیا تو وہ بھی خالی تھا۔ اس کے بعد میں تمام جھونپڑوں میں گیا۔ سب خالی تھے۔ ایک جھونپڑے میں وہ سامان پڑا تھا جو چار آدمی ہمارے کھڈ اور کھوہوں میں سے اُٹھا لائے تھے۔ میرے دل پر خوف طاری ہوگیا۔ یہ زندہ انسانوں کا گاؤں نہیں تھا۔ میں نے یہاں جو لوگ دیکھے تھے وہ جنّات تھے یا بدروحیں۔ مجھے وہاں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے تھے کہ ان سب کو جاپانی ہانک کر لے گئے ہوں۔ بوڑھوں اور بچّوں کو جاپانی اپنے ساتھ لے جا کر کیا کرتے؟

میں نے اپنے ملک میں ایسی کہانیاں سنی تھیں کہ کسی کو ویرانے میں آدمی ملے۔ انہوں نے اُسے کھانا بھی کھلایا اور اس کے ہمسفر بھی ہوئے مگر راستے میں وہ سب اس طرح غائب ہوگئے جیسے ہوا میں تحلیل ہوگئے ہوں۔

مجھے بھی یہ جنّات کا کھیل تماشہ لگا۔ انہوں نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔ وہ گاؤں والوں کے روپ میں مجھے نظر آئے تھے اور جب میں ان کے ہاں پناہ لینے آگیا تو سب غائب ہوگئے۔

میرے گلے میں قرآن مجید تھا۔ اس سے مجھے بہت حوصلہ ملا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ جنّات قرآن مجید کی موجودگی میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

"تم کسی اور گاؤں میں آگئے ہو"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔

"گاؤں یہی ہے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "تم نے اپنا سامان دیکھا ہے"

"پھر یہ لوگ کہاں گئے؟"

"یہ زندہ لوگ نہیں تھے"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "یہ مرے ہوئے لوگوں کی بدروحیں تھیں۔ انہیں جاپانی مار گئے ہوں گے۔ ان کی روحیں یا بدروحیں یہاں بھٹک رہی ہیں"۔۔۔ میں نے ذرا سوچ کر کہا۔۔۔ "مگر اُن کی ہڈیاں یہاں ہونی چاہئیں تھیں"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"لاشیں درندے لے گئے ہوں گے"۔ عائشہ نے کہا۔ "ہمیں واپس چلنا چاہیئے"۔ خوف سے اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

میں کچھ بھی نہ سوچ سکا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اتنا پُراسرار اور خوفناک جنگل مجھے پاگل کئے جا رہا تھا۔ میں نے عائشہ کو غور سے دیکھا جیسے یہ بھی غائب ہو جائے گی۔ میں ایک جھونپڑے کے چبوترے کے نیچے بیٹھ گیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں نے کوئی شیر نہیں مارا اور شیر نے عبدالرحمٰن کو نہیں مارا۔ یہ سب کوئی اور ہی ڈرامہ تھا۔

☆

مجھے ایسے لگا جیسے تھوڑی ہی دُور کوئی اونچی گھاس اور جھاڑیوں میں دوڑتا ہُوا گندا ہو۔ وہاں ضرور کوئی انسان تھا۔ میں نے فوج میں سورہ مزمّل زبانی یاد کی تھی۔ میں نے یہ پڑھنی شروع کر دی اور اُٹھا۔ رائفل تیاری کی حالت میں آگے کو کسے میں جُھک کر اُس طرف گیا جس طرف مجھے کسی کے دوڑنے کی سرسراہٹ سنائی دی تھی۔ عائشہ میرے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ اُس طرف قبرستان تھا جہاں میں نے جنازہ پڑھا تھا۔

میں گھنی جھاڑ سے نکل کر پگڈنڈی پر ہو گیا اور چلتا گیا۔ زبان پر سورہ مزمّل کا وِرد تھا۔ میں قبرستان تک جا پہنچا۔ وہاں تازہ قبر موجود تھی۔ وہاں میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ مجھے مولوی شفیع الدّین گھنے سبزے سے نکل کر اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ مجھے حقیقی اور زندہ انسان نہیں لگ رہے تھے۔ میں انہیں کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ قریب آئے تو مسکرا رہے تھے۔ تب میں آگے بڑھا اور اُن سے ہاتھ ملایا۔

"گاؤں کے لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں؟"۔ میں نے یوں ڈرتے ڈرتے پوچھا جیسے مولوی صاحب بھی غائب ہو جائیں گے۔

"تم نے گولیوں کی آوازیں سُنی تھیں؟"۔ انہوں نے پوچھا۔

"اگر آپ دو گولیوں کی بات کر رہے ہیں تو وہ میں نے چلائی تھیں"۔ میں نے کہا۔ "میں نے ایک شیر کو مار ڈالا ہے۔ دوسرا بھاگ گیا ہے"۔

مولوی شفیع الدین ہنس پڑے اور بولے۔ "تمہاری دو گولیوں سے پورا گاؤں خالی ہو گیا ہے"۔

"لیکن شیر نے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے"۔ میں نے کہا۔

"کون تھا وہ؟"۔ مولوی صاحب نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"عبدالرحمٰن"۔ میں نے کہا۔ "یہ وہی آدمی تھا جس کا میں نے آپ کے ساتھ ذکر کیا تھا"۔ اور میں نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ عبدالرحمٰن نے کس طرح مجھے للکارا تھا مگر وہ شیر کا شکار ہو گیا۔

"اور جب گولیوں کی آوازیں گاؤں والوں نے سنیں تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کریں"۔ مولوی شفیع الدّین نے کہا۔ "میں نے انہیں کہا کہ فوراً غائب ہو جاؤ۔ ذرا سی دیر میں عورتوں نے بچوں کو اُٹھایا اور مردوں نے ضرورت کا سامان اٹھایا اور ہم سب جنگل میں غائب ہو گئے"۔

"کیا آپ لوگ گولیوں سے اتنا زیادہ ڈرتے ہیں؟"

"گولیوں سے نہیں"۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ "ہم لوگ جاپانیوں سے ڈرتے ہیں۔ جب جاپانی فوجی آئے تھے تو پہلے گولیوں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ اس سے پہلے ہم کبھی کبھی انگریز شکاریوں کی بندوقوں کی آوازیں سنا کرتے تھے۔ جاپانی آئے تو انہوں نے گاؤں کے مردوں کو الگ اور عورتوں کو الگ کر لیا۔ اُن کے ساتھ اس علاقے کے دو آدمی تھے۔ جاپانیوں نے اُن کی معرفت ہمیں دھمکیاں دیں، پھر انہوں نے یہ بتانے کے لیے کہ وہ کیا کر سکتے ہیں، ہمارے اس گاؤں کے ایک جوان آدمی کو سنگینوں سے بے دردی سے قتل کر دیا۔ ایک جاپانی نے ایک سال کی عمر کے ایک بچے کو اُٹھا کر ہوا میں اچھالا۔ دوسرے جاپانی نے اُس پر ریوالور کی گولی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

چلائی جو ہوا میں ہی بچے کے جسم سے پار ہو گئی۔ اس کے بعد انہوں نے ہماری عورتوں کو بڑے غور سے دیکھا اور ان میں سے دو جوان لڑکیوں کو ساتھ لے گئے....

"وہ اس کے بعد آتے رہے لیکن اب اُن کا رویّہ پہلے والا نہیں تھا۔ چار پانچ جاپانی فوجی آتے تھے، جھونپڑوں کی تلاشی لیتے اور چلے جاتے تھے۔ آج دو گولیاں چلیں تو گاؤں والے جو پہلے ہی خوفزدہ تھے، کہنے لگے کہ جاپانی غصّے میں آ رہے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو وہ پہلے کر گئے ہیں۔ ہم سب بھاگ گئے اور جنگل میں بکھر گئے۔ اس سے ذرا ہی پہلے ہمارے چار آدمی تمہارا سامان لائے تھے۔ میں سمجھا کہ تمہیں جاپانیوں نے دیکھ لیا ہے اور وہ تمہارے تعاقب میں آ رہے ہوں گے....

"ہم نے دو لڑکوں کو جھونپڑوں کے قریب چھپا دیا تھا تاکہ وہ نظر رکھیں اور بتائیں کہ کون آیا ہے۔ ابھی ابھی ان لڑکوں نے بتایا ہے کہ تم آئے ہو اور تمہارے ساتھ ملائی لڑکی ہے۔ انہوں نے تمہیں تمام جھونپڑوں میں جاتے دیکھا تھا۔ میں اکیلا آیا ہوں تاکہ یقین کر لوں کہ یہ تم ہی ہو۔ میں نے پہلے تمہیں دیکھا تھا، پھر آگے آیا۔"

"آپ کے دوسرے آدمی اس قدر بزدل ہیں کہ انہوں نے اپنے امام کو بھیجا ہے؟" میں نے کہا۔ "خطرے میں اُنہیں آنا چاہیئے تھا۔"

"خطرے میں سب سے پہلے کودنا امام کا فرض ہے۔" مولوی صاحب نے کہا۔ "اگر امام مسجد میں یا منبر پر بیٹھ کر حکم چلائے اور خود خطروں سے بچتا رہے تو پوری قوم بزدل ہو جاتی اور خطروں سے بھاگتی ہے۔ یہ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور میری راہنمائی میں ہر کام کرتے ہیں۔ مجھے ان کے آگے رہنا چاہیئے، پیچھے نہیں۔"

مولوی شفیع الدین کی اسی ایک بات نے مجھے اُن کا مرید بنا دیا۔ انہوں نے کسی کو آواز دی۔ تیرہ چودہ سال عمر کے دو لڑکے جنگل میں سے نکلے اور دوڑتے آئے۔ مولوی صاحب نے انہیں اُن کی زبان میں کچھ کہا۔ لڑکے دوڑتے ہوئے جنگل میں غائب ہو گئے۔

"آؤ میرے ساتھ۔" مولوی صاحب نے مجھے کہا۔ "اتفاق سے ایک کمرے کا چھوٹا سا جھونپڑہ خالی ہے۔ تم وہاں رہنا اور یہ لڑکی میرے گھر میں رہے گی۔"

☆

وہ مجھے خالی جھونپڑے میں لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد گاؤں میں رونق واپس آنے لگی اور جھونپڑے آباد ہونے لگے۔ ساری آبادی ہمارے اردگرد جمع ہو گئی۔ میں قدبُت کے لحاظ سے اور عائشہ خوبصورتی کے لحاظ سے اُن کے لیے عجوبہ تھی۔ مولوی صاحب نے انہیں میرے متعلق بتایا کہ میں نے ایک شیر کو مار دیا ہے۔

سب نے مجھے حیرت زدہ ہو کر دیکھا، پھر میں نے اُن کے چہروں پر رونق دیکھی۔ اُن لوگوں کے چہرے بجھے بجھے رہتے تھے۔ ایک خوف جاپانیوں کا تھا جو وہاں نہیں تھے لیکن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہر درخت کے ساتھ ایک جاپانی کھڑا ہو۔ دوسرا خوف شیروں کا تھا جنہوں نے اُن کی ایک بکری اور ایک آدمی کو کھا لیا تھا۔ میں انہیں جاپانیوں سے تو نہیں بچا سکتا تھا۔ ایک شیر کو مار ڈالا تو اُن کے چہروں پر ذرا سی رونق آ گئی۔

میں نے مولوی شفیع الدین سے کہا کہ عبدالرحمٰن کی لاش لا کر اُس کا جنازہ پڑھنا ہے اور اسے باقاعدہ طور پر دفن کرنا ہے۔ مولوی صاحب نے مجھے حیران سا ہو کے دیکھا۔ میں انہیں عبدالرحمٰن کے متعلق سب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کچھ بتا چکا تھا۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ میں اپنے اس قسم کے دشمن کی لاش کا یہ احترام کروں گا اور اس کا جنازہ پڑھوں گا۔

"تم سچے مسلمان معلوم ہوتے ہو"۔ مولوی صاحب نے کہا۔ "اس شخص نے اپنے کیے کی سزا پالی ہے۔ انسان کسی انسان کو سزا نہیں دے سکتا۔ انسان کی سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ درگذر کرے اور معاف کردے .... ہم اُس کا جنازہ پڑھیں گے"۔

مولوی صاحب نے گاؤں والوں کو اپنی زبان میں کچھ کہنا شروع کردیا۔ شاید انہیں بتا رہے تھے کہ شیر نے مرنے سے پہلے ایک اور آدمی کو مار ڈالا ہے اور اُس کی لاش لانی ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی بات ختم کی تو تمام آدمی آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔

"یہ سب ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں"۔ مولوی صاحب نے کہا۔

عائشہ کو عورتیں اپنے ساتھ لے گئیں۔ میں اور مولوی صاحب عبدالرحمٰن کی لاش لانے کو چلے تو تمام آدمی ہمارے پیچھے چل پڑے۔ بہت سے آدمیوں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ ان میں سے کئی ایک ہم سے آگے نکل گئے۔ اب کے ہم چھپ چھپ کر نہیں جا رہے تھے۔ ہماری رفتار تیز تھی۔

بہت سا فاصلہ طے کرچکے تو آگے شور اُٹھا۔ یہ اُن کا شور تھا جو ہم سے آگے چلے گئے تھے۔ ان میں سے چند ایک دوڑتے ہوئے پیچھے آئے۔ مولوی شفیع الدین نے اُن سے پوچھا۔ انہوں نے گھبراہٹ میں کچھ بتایا۔

"جلدی چلو"۔ مولوی صاحب نے مجھے کہا۔ "ایک شیر عبدالرحمٰن کی لاش کو کھا رہا تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھ کر شیر بھاگ گیا ہے۔ اُس پر برچھیاں پھینکی گئی تھیں مگر شیر نکل گیا ہے"۔

ہم دوڑ پڑے۔ سات آٹھ آدمیوں نے عبدالرحمٰن کی لاش کو گھیرے

میں لے رکھا تھا۔ تھوڑی ہی دُور سے شیر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں نے لاش دیکھی۔ شیر نے اُس کی ٹانگ کا بہت سا گوشت کھا لیا تھا۔ یہ لوگ بانسوں کا سٹریچر سا ساتھ لائے تھے۔ لاش اس پر ڈال دی گئی۔ لاش سے ذرا پرے ریوالور پڑا تھا۔ وہ میں نے اُٹھا لیا۔ اس میں چھ گولیاں تھیں۔ بارہ گولیاں پیٹی میں لگی ہوئی تھیں جو عبدالرحمٰن نے کمر سے باندھ رکھی تھی۔

لوگوں نے شیر کے چاروں پاؤں باندھ کر ان میں سے ایک بانس گذارا اور چار آدمیوں نے شیر کو اٹھا لیا۔ مجھے دوسرے شیر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں اس جلوس کے پیچھے پیچھے رہا۔ رائفل میرے ہاتھ میں تھی۔ میں پیچھے کو اور ہر طرف دیکھتا رہا۔ برچھیوں والے آدمی بھی چوکنے ہو کر چل رہے تھے۔

گاؤں میں لاکر عبدالرحمٰن کی لاش کو رسمی سا غسل دیا گیا۔ لاش کی حالت بُری تھی۔ ہم جنازہ فوراً لے گئے۔ جنازہ پڑھا اور اس شخص کو دفن کردیا جو مجھے قتل کرنے آیا تھا۔ گاؤں کے لوگ مجھے بڑا ہی دلیر اور طاقتور آدمی سمجھ رہے تھے، لیکن میں اپنی ذات میں کوئی ایسی کمزوری محسوس کر رہا تھا جو میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں ان سب کو دلیر اور بہادر سمجھ رہا تھا جو درندوں میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

ہم قبرستان سے واپس آئے تو عورتیں باہر کھڑی تھیں۔ عائشہ بھی ان میں کھڑی تھی۔ میں دوسروں سے الگ ہوگیا۔ عائشہ عورتوں سے الگ ہوگئی اور میری طرف آئی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اُسے افسوس ہونا چاہیے تھا۔ عبدالرحمٰن کی نیت جو کچھ بھی تھی، عائشہ اُسے اپنا باپ سمجھتی تھی۔

"مجھے اُمید ہے کہ یہاں ہم محفوظ رہیں گے"۔ میں نے عائشہ سے کہا۔ "اگر شہر میں تمہارا کوئی عزیز رشتہ دار ہے اور تم اُس کے پاس جانا چاہو تو میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نہیں اُس تک پہنچا سکتا ہوں۔ تمہارے لیے میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال سکتا ہوں۔"

"وہاں میرا کوئی نہیں"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔ "کوئی ہو تو بھی میں نہیں جاؤں گی۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔"

"یہ لوگ مسلمان ہونے کی وجہ سے مہمان ستھرے رہتے ہیں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "پھر بھی تمہیں جنگلیوں کی طرح رہنا پڑے گا۔ میں فوجی ہوں۔ ہر مشکل برداشت کر سکتا ہوں۔"

"میں بھی کروں گی۔"

مجھے مولوی شفیع الدین کی آواز سنائی دی۔۔۔ "غلام مہدی!"

میں نے اُدھر دیکھا تو مولوی صاحب نے کہا۔ "اِدھر آ جاؤ۔"

میں اُن کی طرف چل پڑا۔

☆

رات میرے تنگ سے جھونپڑے میں دیا جل رہا تھا۔ میرے نیچے عبدالرحمٰن کا وہ بستر بچھا ہوا تھا جس پر وہ کھوہ میں سویا کرتا تھا۔ سامنے مولوی شفیع الدین بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ عائشہ میرے ساتھ نہیں رہے گی۔ اسے انہوں نے اپنی بیوی کے حوالے کر دیا تھا۔ اُن کی دو شادی شدہ لڑکیاں بھی تھیں۔

"باہر کی دنیا کی کوئی خبر مل سکتی ہے؟"۔۔۔ میں نے پوچھا۔ "اگر جنگ ختم ہو گئی ہو تو میں چلا جاؤں۔"

"میرا ایک بیٹا شہر جاتا رہتا ہے"۔۔۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔۔۔ "چار روز پہلے وہ خبر لایا تھا کہ ملایا پر جاپانیوں کا قبضہ ہے اور جاپانی فوجیں ہندوستان تک پہنچ گئی ہیں۔ شاید ہندوستان سے بھی انگریز بھاگ گئے ہیں یا بھاگ رہے ہیں۔ ہم اب جاپان کی رعایا ہیں۔"

یہ تو مجھے بہت بعد میں پتہ چلا تھا کہ جاپانیوں کا قبضہ برما تک ہوا تھا اور وہ ہندوستان تک نہیں جا سکے تھے لیکن ملایا پر چونکہ جاپانیوں کا قبضہ تھا اس لیے وہاں وہی خبر سنائی جاتی تھی جو جاپانیوں کی طرف سے نشر ہوتی تھی۔ مولوی شفیع الدین کی باتوں سے میں مایوس ہو گیا۔ میں وہاں سے نکلنے اور ہندوستان پہنچنے کی اُمید لیے بیٹھا تھا۔

"وہی ہو گا جو اللہ کو منظور ہو گا"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔۔۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ بہتر ہو رہا ہے۔ تمہیں پناہ کی ضرورت تھی۔ وہ تمہیں مل گئی ہے۔ ہمیں تمہاری ضرورت تھی۔ تم ہمیں مل گئے ہو۔ ہم لوگ شیر، چیتوں اور بھیڑیوں سے نہیں ڈرتے۔ ان دو شیروں سے ہم اس لیے ڈر گئے تھے کہ انہوں نے ایک انسان کے خون کا ذائقہ چکھ لیا تھا۔ ہم جنگل کے رہنے والے جانتے ہیں کہ جس شیر کے منہ کو انسانی خون لگ جائے وہ کسی جانور کا گوشت قبول ہی نہیں کرتا۔ انسانی خون کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے اور اس میں نشے کا اثر بھی ہوتا ہے۔ ان دونوں شیروں کا مارنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس گاؤں کے آدمی برچھیوں سے شیر کو مار سکتے ہیں لیکن جو شیر انسانی خون کا نشئی ہو جائے وہ بھاگنے کی بجائے مقابلہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود یہ لوگ شیر کو برچھیوں سے مارنے کے لیے تیار تھے۔ تم آ گئے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ شیر کو مارنے کا انتظام ہو گیا ہے۔۔۔۔

"اس جنگل میں دو خطرے اور ہیں۔ ایک یہ کہ اس علاقے میں دیاک نام کا ایک قبیلہ ہے۔ انہیں ایبان بھی کہتے ہیں۔ یہ خانہ بدوش ہیں۔ کچھ عرصہ ایک جگہ بانسوں کے جھونپڑے بنا کر رہتے ہیں۔ پھر کہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ان کا پیشہ لوٹ مار ہے۔ وہ اناج، خوبصورت عورتیں اور قیمتی سامان اٹھا لے جاتے ہیں۔ ان کا سب سے زیادہ خطرناک پیشہ یہ ہے کہ وہ انسانی کھوپڑیوں کے بھی شکاری ہیں۔ جس گاؤں پر حملہ کرتے ہیں وہاں کے دو چار آدمیوں کو قتل کر کے ان کی کھوپڑیاں کاٹ کر لے جاتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہیں۔ ان کے جھونپڑوں میں کھوپڑیوں کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ انسان کا گوشت بھی کھا لیتے ہیں....

"ان لوگوں کے پاس وہی ہتھیار ہیں جو ہمارے پاس بھی ہیں۔ اگر ایبان رات سوتے میں حملہ کر دیں تو بہت نقصان کرتے ہیں۔ گاؤں کا گاؤں اُجاڑ جاتے ہیں۔ اگر دن کو حملہ کریں تو ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ بہت خون خرابہ ہوتا ہے۔ ہم لوگ ان پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ لوگ رائفل، بندوق اور پستول سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں پر ان کا ایک حملہ ہوا تھا۔ یہ دس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ ہمارے دو آدمی مارے گئے تھے۔"

میں نے اس قبیلے کے متعلق فوج میں ایسی ہی کئی کہانیاں سنی تھیں۔ ان لوگوں کے متعلق بتایا گیا تھا کہ یہ جتنے وحشی اور خونخوار ہیں اتنے ہی ذہین اور عقل مند بھی ہیں۔ ہمیں لیکچروں میں بتایا جاتا تھا کہ جب جنگل میں ہمارا کیمپ ہو تو ایبان کا خیال رکھو کیونکہ یہ لوگ ایسے طریقے سے سامان اٹھا لے جاتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کون اٹھا لے گیا ہے۔

مولوی صاحب نے ایک اور خطرے کا بھی ذکر کیا۔ یہ تھے ڈاکوؤں کے گروہ۔ یہ کوئی ایک قبیلہ نہیں تھا۔ ان میں ہر مذہب کے لوگ اور بے مذہب لوگ بھی تھے۔ جنگل میں رہنے والوں کے پاس کوئی دولت نہیں تھی۔ ان کی دولت مویشی تھے یا عورتیں۔ ڈاکو ان دونوں چیزوں کے شکاری تھے۔ مویشی چُرا کر کہیں اور بیچتے تھے اور کوئی خوبصورت لڑکی مل جائے تو اُسے شہروں میں بردہ فروشوں کے ہاتھ یا بدکاری کے اڈوں پر بیچ ڈالتے تھے۔

"ان کے جاسوس گاؤں گاؤں پھرتے رہتے ہیں۔" مولوی صاحب نے کہا۔ "اگر انہوں نے عائشہ کو دیکھ لیا تو وہ اسے اغوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایبان قبیلے والوں نے تمہیں دیکھ لیا تو وہ تمہاری کھوپڑی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ تم جیسی کھوپڑی نہیں ملتی۔ وہ تمہارے گوشت کو بھی پسند کریں گے۔

اُن کا عقیدہ ہے کہ بہادر اور طاقتور آدمی کا گوشت کھانے والے بھی بہادر اور طاقتور ہو جاتے ہیں۔ ہمیں ان سب سے ہوشیار رہنا پڑے گا۔ تمہاری رائفل سے نکلی ہوئی ایک گولی پورے قبیلے کو بھگا دے گی۔"

☆

میں مولوی شفیع الدین کی باتیں سن رہا تھا مگر میری پوری توجہ ان باتوں پر نہیں تھی۔ میں نے ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مجھے جنگل کے خطروں کا مقابلہ کرنا ہے اور گاؤں کو خطروں سے بچانا ہے۔ میں نے اسے اپنا فرض سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے پناہ دی تھی۔ میں تو ان کے لیے جان قربان کرنے کو بھی تیار تھا۔ میری توجہ کسی اور طرف تھی۔ مولوی صاحب اپنی بات ختم کر چکے تو میں نے اپنی بات شروع کی۔

"مولوی صاحب!" میں نے کہا۔ "آپ نے مجھے اس جنگل کے خطرے بتائے ہیں جس میں آپ رہتے ہیں۔ میں جس جنگل میں رہ رہا ہوں، اس کے خطروں سے میں اپنے آپ کو کیسے بچاؤں؟"

مولوی صاحب نے مجھے حیران سا ہو کے دیکھا جیسے وہ میری بات نہ سمجھ سکے ہوں۔

"عبدالرحمٰن نے ایک بار عائشہ سے کہا تھا کہ جوانی کا جنگل بہت خطرناک ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ "اُس نے ٹھیک کہا تھا۔ میں جوانی کے جنگل میں بھٹک رہا ہوں۔ میری مدد کریں۔ آپ کے پاس علم ہے۔ میں خدا سے ڈرتا ہوں مگر شیطان مجھ پر غالب آجاتا ہے۔"

مولوی صاحب انہماک سے سُن رہے تھے۔ میں نے پوری تفصیل سے سنایا کہ کس طرح عائشہ میرے سامنے نیم عریاں ہو گئی تھی اور میں اسے اُٹھا کر اوٹ میں لے گیا تھا مگر اس کے تھپڑ نے مجھے شیطان کے قبضے سے آزاد کرا لیا۔ میں نے انہیں یہ بھی سنایا کہ میں اتنی خوبصورت لڑکی کے ساتھ تنہا رہ کر نیکی اور بدی کی کشمکش میں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مبتلا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ میں بظاہر عبدالرحمن سے اور جاپانیوں سے بھاگا بھاگا پھرتا رہا ہوں لیکن میں دراصل اپنے آپ سے بھاگ رہا ہوں۔ میں عائشہ سے بھی بھاگ رہا ہوں، لیکن اس نے مجھے ایسی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے جنہیں میں توڑ نہیں سکتا۔

"ہم دونوں اس کھڈ میں رہتے تھے تو میں عائشہ سے کہتا تھا کہ وہ اپنی کھوہ میں سوئے۔" میں نے کہا۔ "آج رات عائشہ مجھ سے دُور رہے تو میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آجائے۔ میں گناہ نہیں کرنا چاہتا مگر گناہ کا خیال ذہن میں موجود رہتا ہے۔ مجھے اس عذاب سے نکالیں۔ میں شیروں سے لڑ سکتا ہوں، مگر اپنے آپ سے ڈرتا ہوں۔"

"تم اس عذاب سے جلدی نکل آؤ گے۔" مولوی صاحب نے کہا۔ "کیونکہ تم اپنے آپ سے ڈرتے ہو۔ یہ ڈر خدا کا ہے۔ اس سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔

تمہارے اندر جو کشمکش ہے اسے قائم رہنے دو اور کوشش کرو کہ حق بدی پر غالب آجائے۔ جو انسان اپنے آپ کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتا ہے، وہ گناہ گار ہوتا ہے۔ وہ گناہ کرتے وقت اپنے آپ سے نہیں ڈرتا...... میں اتنا بڑا عالم نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میں نے جوانی میں چند کتابیں پڑھی تھیں، پھر میں ان جنگلوں میں آگیا۔ میں نے انسانوں کو پڑھا ہے اور زندگی کی ایسی حقیقتیں دیکھی ہیں کہ میرا علم مکمل ہو گیا ہے۔"

"میں نے تو ایک بھی کتاب نہیں پڑھی۔" میں نے کہا۔ "مجھے کچھ بتائیں میں گمراہ ہو گیا ہوں۔"

"تم میں کچھ معلوم کرنے کی، کچھ جاننے کی جو جستجو ہے، یہ خدا کی نعمت ہے" ۔ مولوی صاحب نے کہا۔ "منزل انہی کو ملتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ گمراہ ہیں۔ وہ صحیح راستے کی تلاش میں بھٹکتے ہیں اور اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ اگر تم میں کشمکش نہ ہوتی اور اگر تم میں کچھ جاننے کی تڑپ نہ ہوتی تو تمہیں اس

لڑکی کا ایک تھپیڑ گناہ سے باز نہیں رکھ سکتا تھا اور تم لڑکی کو کبھی نہ کہتے کہ وہ تم سے دُور اپنی کھوہ میں سوئے۔ یہ تمہارا اپنا ایک جذبہ تھا جس نے تمہیں گناہ سے باز رکھا۔"

مولوی شفیع الدین نے مجھے جو علم دیا تھا، وہ بیان کرنے سے پہلے میں آپ سے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ اسے میری کہانی سے نکال دیں گے کیونکہ آپ کو کہانی کی ضرورت ہے اور لوگ بھی صرف کہانیاں پڑھتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ عائشہ جیسی خوبصورت لڑکی کی پُرلطف باتیں سنتے اور شیروں کی خونخواری کے دلچسپ قصے پڑھتے آپ کو اچھا نہیں لگے گا کہ میں مذہب اور ایک مولوی کا قصہ چھیڑ دوں۔

میں دراصل آپ کو اور آپ کا رسالہ پڑھنے والوں کو یہی باتیں سنانا چاہتا ہوں جو تنگ سے ایک جھونپڑے میں اُس رات میرے اور مولوی شفیع الدین کے درمیان ہوئی تھیں۔ میں نے آپ کو اپنی کہانی بالکل عریاں ہو کر اس لیے سنائی ہے کہ آپ بھٹکے ہوئے یا شیطان کے قبضے میں آئے ہوئے ایک انسان کے ضمیر کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔ عائشہ تو معصومیت اور بچپن کی شوخی سے میرے سامنے عریاں ہو گئی تھی مگر میں نے بُری نیّت سے اپنے ضمیر کے کپڑے اُتار دیئے تھے۔ میں نے یہ واقعہ کہانی کو دلچسپ بنانے کے لیے نہیں سنایا۔

آپ نے بےشمار کہانیاں لکھی ہوں گی۔ سینکڑوں کہانیاں پڑھی ہوں گی، لیکن میری جوانی جن واقعات سے گذری ہے انہیں آپ ان کہانیوں کی فہرست میں شامل نہ کریں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم گناہ کا شکار ہو رہی ہے۔ ہماری نوجوان نسل نے گناہ اور بے حیائی کو روزمرّہ زندگی میں شامل کر لیا ہے جسے یہ لوگ فیشن یا تہذیبِ جدید کہتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ کہیں گے کہ میں اب واعظ، ناصح اور پارسا بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جی نہیں۔ میرا مقصد کچھ اور ہے۔ ہماری نوجوان نسل ذہنی طور پر جنسی لذت پرستی کی عادی ہو گئی ہے۔ میں جانتا ہوں۔

آپ بھی جانتے ہوں گے کہ ہمارے یہ بچے کس اذیت میں مبتلا ہیں۔ خیالوں میں عورت کو بسا کر ان کا جو حشر ہوتا ہے وہ میں جانتا ہوں اور میں اُس روحانی عذاب سے بھی واقف ہوں جس میں وہ لڑکیاں مبتلا ہیں جو فلمی ہیروؤں جیسے مردوں کو اپنے تصوروں میں قید کیے رکھتی ہیں۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ لوگ اس ذہنی کیفیت سے نکلنا چاہتے ہیں۔ وہ تصوروں کے حسن سے جو نقصان اُٹھا چکے ہیں، یہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت عذاب بن گیا ہے۔ اُن کی حالت اُن شرابیوں کی سی ہے جو رات کو پیتے ہیں اور صبح اُن کا سر بھاری اور جسم ٹوٹا ہوا ہوتا ہے۔ وہ تھوڑی سی اور پی لیتے ہیں جس کا نشہ انہیں اس جسمانی کیفیت سے آزاد کر دیتا ہے۔ ہمارے نوجوان گناہ کے بعد کے عذاب سے بچنے کے لیے گناہ میں ہی پناہ لیتے ہیں۔ یہی گناہ کا عذاب ہے اور میں انہی لوگوں کو اپنی کہانی سنا رہا ہوں۔

آپ کچھ روکھی پھیکی باتیں سُن لیں، پھر میں آپ کو دوسرے شیر تک لے چلوں گا۔

"میں گناہ کی سزا سے ڈرتا ہوں"۔ میں نے مولوی شفیع الدین سے کہا۔

"میں روزِ محشر کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

"روزِ محشر کے عذاب کے متعلق معلوم نہیں تم نے کیا کچھ سنا ہو گا"۔ مولوی صاحب نے کہا۔ "میں تمہیں جو کچھ بتاؤں گا، وہ شاید تمہارا ذہن

قبول نہ کرے۔ میں خدا کے اس فرمان کے خلاف بات نہیں کر سکتا کہ اگلے جہان نیک لوگ بہشت میں جائیں گے اور گناہگاروں کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا.... میں بہشت اور دوزخ کا قائل نہیں۔ تمہیں مولویوں اور عالموں نے یہی بتایا ہو گا کہ خدا کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تو اگلے جہان تمہیں بہشت میں رکھا جائے گا جہاں تمہیں حوریں اور میٹھی شراب ملے گی اور اگر خدا کے ان حکام کی خلاف ورزی کرو گے تو مرنے کے بعد دوزخ کی آگ میں جلتے رہو گے....

"لوگ خدا کی عبادت اور نیکیاں اسی لالچ سے کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد بہشت میں عیش کریں گے.... ذرا ان کی نیت کی گہرائی میں جاؤ تو پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں حوریں اور شراب بسی ہوئی ہے اور وہ انہی کی خاطر پارسا بنے ہوتے ہیں۔ خدا کو تمہارے سجدوں کی اور تمہاری نیکیوں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ خدا ہے۔ زمین اور آسمان، اس جہان اور اگلے جہان کا وہ مالک ہے۔ وہ چاہے تو سمندروں کو خشکی پر پھیلا دے۔ اسے ہم جیسے ناچیز اور حقیر بندوں کو اپنے حضور سجدے کرانے سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس نے ہمیں اس دنیا کی اذیت سے بچنے کے لیے کچھ طریقے بتائے ہیں۔ ان میں اہمیت عبادت کو اور گناہوں سے بچنے کو دی گئی ہے۔ تم دیکھ لو کہ گناہ کی صرف نیت کرنے سے تم کس روحانی عذاب میں مبتلا ہو گئے ہو۔ نیکی کرو گے تو تمہیں روحانی سکون ملے گا....

"ہر انسان بہشت میں جانے کا خواہشمند ہے کیونکہ وہاں حوریں، اور شراب ہو گی۔ بعض انسان اپنے دل و دماغ پر حوروں کو اتنا زیادہ سوار کر لیتے ہیں کہ وہ مرنے کا انتظار نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے آپ سے کہتے ہیں کہ معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا ہو، دنیا میں ہی عیش کر لو.... میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اللہ کی عبادت کسی لالچ کے بغیر کرو اور گناہوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سے دوزخ کے ڈر سے نہ بچو۔ گناہ کرو گے تو اسی دنیا میں دوزخ دیکھ لو گے اور گناہوں سے بچو گے، دوسروں کے لیے زندہ رہو گے اور خدائی احکام کی پیروی کرو گے تو اسی دنیا میں بہشت دیکھ لو گے۔"

میں مولوی صاحب کی باتیں بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم اس لڑکی کو اپنے قریب پاکر نیکی اور بدی کی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہو"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔ "ایک پرانی حکایت ہے کہ ایک عبادت گذار آدمی پر ایک بڑی حسین عورت فریفتہ تھی۔ وہ اس عورت سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ایک روز وہ رات کے وقت اپنے حجرے میں دیئے کی روشنی میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ وہ عورت آ گئی اور اُن سے پیار کی بھیک مانگنے لگی۔ رات کی تنہائی اور عورت کے حُسن نے عبادت گذار کو متاثر کر لیا۔ ان کی توجہ تلاوتِ قرآن سے ہٹ گئی۔ اُن پر شیطان کا غلبہ ہونے لگا۔ وہ چونکہ نیکی اور بدی، جزا اور سزا سے واقف تھے، اس لیے انہوں نے عورت سے توجہ ہٹانے کا ایک طریقہ سوچ لیا۔ انہوں نے اپنا ایک ہاتھ دیئے کے شعلے پر رکھ دیا۔ ہاتھ جلا تو درد سے اُن کی دبی دبی چیخ نکل گئی۔ اُن کی توجہ عورت سے ہٹ گئی اور وہ تلاوت میں محو ہو گئے۔ اس کا اثر عورت پر ایسا ہُوا کہ اس نے اُن کے پاؤں پکڑ لیے اور پھر کبھی ان کے سامنے نہ آئی۔۔۔۔

"اگر اس شخصیت میں کشمکش نہ ہوتی تو وہ قرآن کریم بند کر کے شیطان کے غلام بن جاتے۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ حکایت کہاں تک سچی ہے لیکن اس میں گناہ سے بچنے کا ایک زرّیں اصول بیان کیا گیا ہے۔ گناہ سے بچنے کے لیے اگر اپنے آپ کو جلانا پڑے تو جلا دو۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اپنے آپ میں ایمان کی آگ جلا لو، پھر جب بھی گناہ کی نیّت کرو گے تو یہ نیّت اس آگ میں جل جائے گی۔ اپنے جسم کو لذّت کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اسے تکلیف اور بے آرامی میں رکھو۔"

میں اُن سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن انہوں نے کہا کہ رات بہت گذر گئی ہے اور وہ مجھے باقی سبق کل دیں گے۔ اُن کے ذہن پر دوسرا شیر سوار تھا۔

"دوسرا شیر اب انسانوں کے سوا کچھ اور نہیں کھائے گا"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔۔۔ "کیا تم کل شیر کو مارنے کے لیے چل سکو گے؟"

"ضرور چلوں گا۔"

"اسے مارنے کا طریقہ آسان ہے"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔۔۔ "تمہارے ساتھ چند آدمی ہوں گے۔ اُن کے پاس برچھیاں ہوں گی۔ بکری کا ایک بچّہ ساتھ بھیجا جائے گا۔ اسے اُسی جگہ باندھ دینا جہاں شیر نے عبدالرحمٰن کو مارا تھا۔ خود جھاڑیوں میں چھُپ جانا۔ شیر بکری کے بچے پر آئے گا تو تم بڑی آسانی سے مار سکو گے۔"

✡

مولوی صاحب کے جانے کے بعد میں گہری نیند سو گیا۔ ایسے اطمینان کی نیند مجھے اُن دنوں آیا کرتی تھی جب میں چھٹی پر گھر جایا کرتا تھا۔ اگر مجھے ایک آدمی جگا نہ جاتا تو میں سورج نکلنے کے بعد تک سویا رہتا۔ اُس آدمی نے مجھے نماز کے لیے اٹھایا تھا۔ میں تیار ہو گیا اور مسجد میں چلا گیا۔ یہ بھی بانسوں کا ایک چھوٹا سا جھونپڑہ تھا جس میں گاؤں کے سارے مرد سما گئے تھے۔

نماز کے بعد مولوی صاحب نے اعلان کیا کہ میں شیر کو مارنے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس کے لیے بکری کے ایک بچّے کی ضرورت ہے اور چار آدمی بھی ساتھ ہونے چاہئیں جن کے پاس برچھیاں ہوں۔

سبھی تیار ہو گئے۔

مولوی صاحب نے کہا کہ اگر ہجوم چلا گیا تو شیر قریب نہیں آئے گا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انہوں نے خود ہی چار آدمی منتخب کر لیے۔ میں اپنے جھونپڑے میں رائفل لینے چلا گیا۔ مولوی صاحب اپنے گھر چلے گئے۔ میں نے ریوالور بھی ساتھ لے لیا اور باہر نکلا۔ چاروں آدمی برچھیوں سے مسلح ہو کر آ گئے، پھر مولوی صاحب بھی آ گئے۔

مولوی صاحب کے پیچھے عائشہ اُن کے جھونپڑے سے نکلی اور دوڑتی ہوئی مجھ تک آئی۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

"یہ کہتے ہیں کہ تم شیر کو مارنے جا رہے ہو"۔۔۔ عائشہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟"

"نہ جاؤ"۔۔۔ اُس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "آج نہ جاؤ"

"معلوم ہوتا ہے میرے گھر میں تمہارا دل نہیں لگا"۔۔۔ مولوی شفیع الدین نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہم لوگ جلدی واپس آ جائیں گے"

"نہیں"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔ "میں نے رات بہت بُرا خواب دیکھا ہے.... مہدی! آج نہ جاؤ"

میں نے اُسے بہت تسلیاں دیں مگر اُس کی حالت ایسے بچے کی سی تھی جسے ماں اکیلا چھوڑ کر جا رہی ہو۔ وہ ایک ہی رَٹ لگائے جا رہی تھی۔ "میں نے بہت بُرا خواب دیکھا ہے۔ آج نہ جاؤ"۔۔۔ مولوی صاحب کے اشارے پر عائشہ کو عورتوں نے پکڑ لیا اور ہم وہاں سے چل پڑے۔ مجھے دُور تک عائشہ کی پکار سنائی دیتی رہی۔ "مہدی! خدا کے واسطے واپس آ جاؤ"

"اس لڑکی کے دل میں ایک تو تمہاری محبت ہے"۔۔۔ مولوی صاحب نے راستے میں کہا۔۔۔ "وہ تمہیں خطرے میں جاتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے ساتھ ہی عبدالرحمٰن کی موت کی دہشت کا بھی اس پر اثر ہے۔ خواب میں وہ شیر کو دیکھتی رہی ہوگی"

ایک آدمی نے بکری کا بچہ اٹھا رکھا تھا۔ وہ چاروں آگے آگے جا رہے تھے۔ میں اور مولوی صاحب پیچھے تھے۔ ہم اُس جگہ کے قریب پہنچ گئے جہاں عبدالرحمٰن پر شیر نے حملہ کیا تھا۔ مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ میں اپنے چھپنے کی کوئی جگہ دیکھ لوں۔ وہ آگے چلے گئے اور کوئی بیس قدم دُور جا کر رُک گئے۔ میں نے اس جگہ کو دیکھا، پھر میں دیکھنے لگا کہ میں کہاں چھپوں جہاں سے میں شیر کو دیکھ سکوں اور وہ مجھے نہ دیکھ سکے۔

میں ایک جگہ چھپا ہُوا تھا۔ رائفل میرے ہاتھ میں تھی۔ میں سیدھا ہُوا ہی تھا کہ پیچھے سے میری گردن شکنجے میں جکڑی گئی اور خنجروں کی نوکوں جیسے پنجے میرے ایک کندھے اور ایک پہلو میں اُتر گئے۔ شیر اس قدر زور سے مجھ پر جھپٹا تھا کہ میں پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ آگے کو گرا اور شیر میرے اوپر رہا۔ میری تو آواز بھی نہیں نکل سکتی تھی۔

شیر کے دانت گہرے اُتر گئے تھے۔ رائفل دُور نہیں گری تھی لیکن شیر میری گردن بھنبھوڑ رہا تھا اس لیے مجھے رائفل نظر نہیں آتی تھی۔ اگر یہ چیتا یا دھاری دار شیر ہوتا جسے ٹائیگر کہتے ہیں تو وہ ایک ہی جھٹکے سے میری گردن توڑ دیتا اور مجھے گھسیٹ کر لے جاتا۔ یہ تو ترا شیر تھا جو اتفاق سے یا بھوک سے مجبور ہو کر انسان خور ہو گیا تھا۔ اس کا وزن بھی اتنا زیادہ نہیں تھا۔ میں نے زور دیا اور اُٹھ کھڑا ہُوا۔

شیر کے منہ سے میری گردن نکل گئی مگر اُس کے پنجوں نے میری کھال اتار ڈالی۔ میں بیلٹ سے ریوالور نکال رہا تھا کہ شیر پھر مجھ پر جھپٹا۔ اب کے اس نے میری بائیں ران منہ میں لے لی۔ اس کے دھکے سے میں پیٹھ کے بل گرا اور ریوالور ہاتھ سے نکل گیا۔ اُس وقت میں نے مدد کے لیے شور کیا اور اس کے ساتھ ہی شیر کی ایک ٹانگ پکڑ کر پوری طاقت سے مروڑی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بیک وقت دو برچھیاں شیر کی پیٹھ میں اُتر گئیں۔ شیر نے مجھے چھوڑ دیا۔ وہ گرا اور اُچھل کر اُٹھا۔ دوسرے دو آدمیوں نے بھی اُس کے جسم میں برچھیاں اُتار دیں۔ میں نے اُٹھتے اُٹھتے ریوالور اُٹھا لیا۔ شیر ابھی گرتا نظر نہیں آتا تھا۔ چاروں آدمیوں نے اُسے بڑی دلیری سے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اُس کا غرّانا اور چیخنا بڑا ہی خوفناک تھا۔

میں نے تقریباً تین گز کے فاصلے سے اُس پر ریوالور فائر کیا۔ اس کے ساتھ ہی تین برچھیاں اس پر پڑیں۔ اُس کا رنگ لال ہو چکا تھا اور میرا رنگ بھی یہی تھا۔ شیر اگرا۔ ذرا سی دیر تڑپا۔ چاروں آدمی اُسے برچھیاں مارتے رہے، حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ مجھے عائشہ یاد آئی۔ اُس نے کہا تھا کہ آج شیر کو مارنے نہ جاؤ، میں نے بہت بُرا خواب دیکھا ہے۔

اندھیرا گہرا ہو گیا، پھر میں بیہوش ہو گیا۔

□□

کہانی

کا جو حصہ آپ کو سنانے لگا ہوں، شاید آپ کے لیے ناقابلِ یقین ہو لیکن میرے لیے یہ ناقابلِ فراموش ہے۔

یہ ایک معجزہ ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ مجھ جیسے جاہلوں اور گناہگاروں کی زندگی میں معجزے رونما نہیں ہُوا کرتے۔ میرا یقین اور میرا عقیدہ کچھ اور ہے۔ میں سبق اس سے اخذ کرتا ہوں جو مجھ پر بیتی ہے۔ عالموں کی لکھی ہوئی کتابیں سچ ہی کہتی ہوں گی لیکن جو تجربہ مجھے ہُوا ہے، یہ بھی جھوٹا نہیں۔ آپ جو نتیجہ چاہیں اخذ کر لیں۔ مجھ پر جو گذری ہے وہ سنا دیتا ہوں۔

شیر نے مجھے اتنا زیادہ زخمی کر دیا کہ میں بے ہوش ہو گیا اور میری آپ بیتی ایسی دُھند میں داخل ہو گئی جو کبھی گھُپ اندھیرا بن جاتی اور کبھی اتنی ہلکی ہو جاتی کہ میں چہرے پہچان لیتا تھا — شب و روز اسی دُھند میں گزرتے چلے گئے۔

میں ہوش میں آیا تو ایسے لگا جیسے میں گہری نیند سے جاگا ہوں۔ آنکھوں کے آگے ہلکی ہلکی دُھند تھی۔ میں نے عائشہ کا چہرہ پہچان لیا، پھر مجھے دو اور عورتوں کے چہرے نظر آئے۔ میرے نیچے نرم بستر تھا۔ دھند چھٹنے لگی اور مجھے ماحول نظر آنے لگا۔ میں جھونپڑے میں پڑا تھا۔ عائشہ کی آنکھوں میں مجھے آنسو بھی نظر آ گئے۔ اُس نے ہاتھ میرے ماتھے پر رکھا۔ میں نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھنا چاہا مگر بازو ذرا سا اُٹھا تو کندھے اور گردن میں درد کی ایسی ٹیس اٹھی جو مجھ سے برداشت نہ ہو سکی۔ گردن گھمانے لگا تو درد اور شدید ہو گیا اور میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ میری گردن جکڑی ہوئی ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"نہ مہدی!" — عائشہ نے کہا — "ہلنے جلنے کی کوشش نہ کرو۔ ابھی تم اس قابل نہیں ہو۔"

میں نے بولنے کی کوشش کی تو میرے ہونٹوں سے صرف سرگوشی نکلی۔ مجھ میں بولنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔ دوسرا بازو اٹھایا تو اٹھ گیا۔ اپنے ہاتھ کو دیکھا تو مجھے یقین نہ آیا کہ یہ میرا ہاتھ ہے۔ یہ کسی لاش کا ہاتھ تھا۔ ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے عائشہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جو آنسو اٹکے ہوئے تھے وہ بہہ نکلے۔ دونوں عورتیں کبھی مجھے کبھی عائشہ کو دیکھتی تھیں۔

"کیا میں بہت زیادہ زخمی ہو گیا ہوں؟"

میری سرگوشی سننے کے لیے عائشہ نے اپنا کان میرے منہ کے قریب کر لیا۔

"بہت زیادہ" — اس نے جواب دیا — "تمہارے جسم میں خون نہیں رہا۔"

"میری رائفل اور ریوالور کو کوئی ہاتھ نہ لگائے" — میں نے سرگوشی کی — "ان میں گولیاں ہیں" — پھر میں نے پوچھا — "مرے ہوئے شیر کو لے آئے ہیں؟"

"شیر کو مرے اور تمہیں زخمی ہوئے چھ مہینے گزر گئے ہیں" — عائشہ نے کہا۔

"چھ مہینے؟" — میں نے حیرت سے کہا — "کیا کہہ رہی ہو عائشہ؟ .... کیا میں چھ مہینے بیہوش پڑا رہا ہوں؟"

"چھ مہینے سے بھی کچھ دن اوپر ہو گئے ہیں۔ تمہیں شاید ہوش میں آنے کا احساس نہیں ہوا۔ اس عرصے میں تم نے کئی بار آنکھیں کھولی تھیں۔ میں نے اور مولوی صاحب نے تمہارے ساتھ باتیں بھی کی تھیں۔ تم نے بہت ہی دھیمی آواز میں کچھ کہا تھا جو ہم نہ سمجھ سکے۔ تم زیادہ تر غشی میں یا نیند میں رہے۔"

میں نے ذہن پر زور دیا تو سر درد کرنے لگا۔ مجھے کچھ کچھ یاد آنے

لگا مگر یہ سب خواب تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ غشی میں انسان خواب دیکھ سکتا ہے یا نہیں۔ میں شاید نیم غشی کی حالت میں رہا تھا۔ میں خون ہی خون دیکھتا رہا۔ جاپانیوں کے خلاف لڑائی ہوتی رہی۔ شیروں کے ساتھ لڑائی ہوتی رہی۔ عبدالرحمٰن کے ساتھ کئی بار اس طرح لڑائی ہوئی کہ وہ کبھی جھاڑیوں کی اوٹ سے مجھ پر ریوالور فائر کرتا تھا کبھی کسی درخت پر جا چڑھتا اور مجھ پر گولیاں چلاتا تھا۔ کبھی وہ روپ بدل کر شیر بن جاتا اور غرّانے لگتا تھا۔

جاپانی سنگینیں تانے مجھ پر حملہ کرتے تھے مگر ان کی سنگینیں مجھے لگتی نہیں تھیں۔ وہ مجھے گھیر لیتے اور میرے اردگرد ناچتے تھے۔ میں اُن پر حملہ کرتا تو میرے بازو بے جان ہو جاتے تھے۔ شیروں کے ساتھ میں خالی ہاتھ لڑا۔ میں نے اپنے دونوں بازو کٹ کر گرتے دیکھے، کبھی بالشت بھر لمبے آدمیوں کا ہجوم دیکھا جو میرے اردگرد آپس میں لڑ رہا تھا۔ مجھ پر خوف طاری رہا اور میں اذیت میں مبتلا رہا۔

یہ بھی یاد آیا کہ میں عائشہ کو ساتھ لیے جنگل میں پھر رہا ہوں اور میرے اردگرد سانپ رینگ اور پھنکار رہے ہیں — خون اور خوف ہی دیکھتا رہا تھا۔

"میرا علاج کون کر رہا ہے؟" — میں نے پوچھا۔

"ان لوگوں کے پاس دوائیاں ہیں" — عائشہ نے جواب دیا — "پہلے مولوی صاحب تمہاری مرہم پٹی کرتے رہے مگر زخم خراب ہونے لگے تو گاؤں کے لوگ ایک جنگلی سیانے کو بلا لائے تھے۔ اس نے ایک پودے کے پتے اور کوئی جڑی بوٹی بتائی تھی۔ یہ تمہارے زخموں پر باندھتے رہے۔ اس نے بتایا تھا کہ تمہارے جسم میں خون نہیں رہا۔ اس کے کہنے پر ہم تمہیں پپیتا، انناس اور کیلا اس طرح کھلاتے رہے ہیں کہ ان سب کا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

گودا دبا کر ان کا گاڑھا سیال بنایا جاتا۔ اس میں ناریل کا پانی ملا کر اسے پتلا کر لیا جاتا اور یہ تمہارے منہ میں ڈالتے رہتے تھے۔ سیانے نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہیں پرندوں کا خون پانی میں ملا کر پلایا جائے۔ ہم یہ بھی تمہیں پلاتے رہے ہیں۔ اسی غذا نے تمہیں زندہ رکھا ہے۔

یہ پھل ان جنگلوں میں بہت ملتا تھا۔ عائشہ نے بتایا کہ میں غشی میں یہ سیال یا محلول حلق سے اتار لیا کرتا تھا۔ عائشہ اداس سے لہجے میں مجھے چھ مہینوں کی روئیداد سنا رہی تھی۔ اُس کا چہرہ کچھ مرجھایا مرجھایا لگتا تھا۔ وہ اب ان عورتوں جیسا لباس پہنے ہوئے تھی جن میں وہ رہتی تھی۔ اُسے دیکھ کر مجھے بہت افسوس ہُوا۔ جذبات اُبل پڑے۔ شاید یہ اس کا اثر تھا یا میری جسمانی حالت اتنی زیادہ خراب ہو چکی تھی کہ عائشہ کی آواز دُور ہٹتی محسوس ہوئی اور اُس کا چہرہ دُھند میں غائب ہونے لگا۔ پھر وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ میں جس دھند میں زندہ تھا وہ گھُپ اندھیرا بن گئی۔

☆

دُھند ایک دو مرتبہ ذرا صاف ہوئی تو میں نے عائشہ اور مولوی شفیع الدّین کے چہرے پہچانے۔ ان کی باتیں بھی سنائی دیں لیکن میں سمجھ نہ سکا کیونکہ وہ ملائی زبان میں آپس میں کچھ کہہ سن رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ میرا دماغ حاضر نہیں تھا بلکہ ماؤف تھا۔

ایک روز دُھند بالکل ہی صاف ہو گئی۔ مجھے بڑا سخت درد محسوس ہُوا۔ میں اس طرح ہوش میں آ گیا جیسے گہری نیند سے جاگا ہوں۔ میں بیٹھا ہُوا تھا۔ مولوی شفیع الدّین اور اُن کا بیٹا فرید الدّین مجھے سہارا دے کر لٹا رہے تھے۔

میں نے ایک اجنبی چہرہ بھی دیکھا۔ یہ جنگل کا باسی معلوم نہیں ہوتا

تھا۔ اُس کا لباس اور اس کی ڈیل ڈول بتاتی تھی کہ شہر کا رہنے والا ہے۔ ادھیڑ عمر تھا۔ اُس کے ہاتھ میں انجکشن کی سرنج تھی۔ وہ اپنی زبان میں مولوی صاحب سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ اچھی بات نہیں کہہ رہا۔ میں نے مولوی صاحب کو دیکھا۔ اُن کے چہرے پر مایوسی نظر آئی۔

مجھے کوئی خطرہ محسوس ہُوا۔ میری جسمانی اور ذہنی حالت بہت ہی بُری تھی لیکن ان دو چہروں پر مایوسی کی جھلک دیکھ کر میرا ذہن بیدار ہونے لگا۔ مجھے موت کا اتنا ڈر نہیں تھا جتنا یہ خوف کہ میں جاپانیوں کے ہاتھ چڑھ جاؤں گا۔

اجنبی چلا گیا۔ اُس کے جانے کے انداز سے بھی پتہ چلتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ مجھے خیال آیا کہ اس نے مجھے مارنے کے لیے انجکشن نہ کر دیا ہو۔ میرے علاج، میری تیمارداری اور میری ذمّہ داری سے آزاد ہونے کا یہی طریقہ تھا کہ یہ لوگ مجھے جان سے مار دیں۔

مولوی صاحب نے ہاتھ میرے ماتھے پر رکھا اور شفقت سے بولے۔

"اب تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

مجھ سے بولا نہیں جاتا تھا اور میں جسم میں ایک نئی تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ جسم اندر اور باہر سے جل رہا تھا۔ آنکھیں بھی جلن محسوس کر رہی تھیں۔ میں نے بولنے کی کوشش کی تو صرف ہونٹ ہلے، آواز نہ نکلی۔ مولوی صاحب نے کان میرے ہونٹوں کے قریب کیے۔

"عائشہ کہاں ہے؟"

"میرے گھر میں ہے۔" مولوی صاحب نے سرگوشی سُن کر جواب دیا۔

"اس آدمی کے چلے جانے کے بعد تمہارے پاس آئے گی۔"

"یہ آدمی کون ہے؟"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اسے میں نے شہر سے بلایا ہے"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔ "تمہارے زخموں میں پیپ پڑ گئی ہے اور کچھ دنوں سے تمہیں بخار آ رہا ہے۔ میری ان باتوں سے گھبرانہ جانا۔ تمہارے لیے ہر نماز کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ ہمیں اپنے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے"۔

"شہر کا آدمی وہاں بتا دے گا کہ انگریزوں کی فوج کا ایک آدمی اس جگہ چھپا ہوا ہے"۔۔۔ میں نے کہا۔

"نہیں"۔۔۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔۔۔ "یہ آدمی ہمارا اپنا ہے۔ پکا مسلمان ہے۔ اسے بتا دیا گیا ہے کہ تمہارے متعلق کسی سے کوئی بات نہ کرے۔ وہ نہیں کرے گا۔ میں نے عائشہ کو اس سے چھپائے رکھنا بہتر سمجھا۔۔۔ میں تمہیں بتا رہا تھا کہ تمہارے زخموں میں پیپ پڑ گئی ہے اور اسی وجہ سے بخار آ رہا ہے۔ ان جنگلوں کی نمناک فضا اور یہاں کے مچھر اور مکھیاں وغیرہ زخموں کو خراب کر دیا کرتی ہیں۔ تمہارے زخم زیادہ ہیں اور گہرے بھی ہیں۔ یہ شیر کے پنجوں اور دانتوں کے زخم ہیں جن کے متعلق بتاتے ہیں کہ خراب ہو جایا کرتے ہیں۔ عام زخموں کو تو ہم خود ہی ٹھیک کر لیا کرتے ہیں"۔

"شہر سے یہ آدمی کس طرح آیا ہے؟"

"تم جانتے ہو یہ وہی شہر ہے جہاں سے عبدالرحمٰن اور عائشہ جنگل میں آئے تھے"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔۔۔ "شہر کہاں ہے، یہ تو ذرا سا قصبہ ہے جو فوجوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہاں کی جامع مسجد کے خطیب عبید بن العاص ملایا کے ہی باشندے ہیں۔ اپنے آپ کو اُن عربوں کی نسل سے بتاتے ہیں جو اس خطے میں اسلام لائے تھے اور جن کی بدولت آج تک یہ خطہ مسلمان کہلاتا ہے۔ مولانا عبید بہت بڑے عالم اور عامل ہیں۔ ان کے تعویذوں اور دعاؤں میں اثر ہے۔ ان کے علم کی روشنی ان جنگلوں میں بھی پہنچتی ہے۔۔۔

"میں نے تمہارے زخموں کا علاج خود بھی کیا اور غیر مذہب کے ایک قبیلے کے سیانے سے بھی علاج کرایا لیکن زخم خراب ہوتے گئے۔ میں ابھی تمہارے علاج سے مایوس نہیں ہوا تھا۔ میں شاید خطیب عبید صاحب کے پاس نہ جاتا لیکن عائشہ نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا۔ وہ رو رو کر مجھے کہتی تھی کہ میں تمہارا کوئی اور علاج کروں۔ اس لڑکی نے مجھے یہ بھی کہا کہ میں خدا سے دعا کروں کہ خدا اس کی زندگی تمہیں دے دے۔ عائشہ رات رات بھر تمہارے پاس بیٹھ کر تمہارے منہ میں پھلوں کے رس کا قطرہ قطرہ ٹپکاتی رہتی ہے۔ نو مہینے گزر گئے ہیں"۔

"نو مہینے؟"۔۔۔ میرے منہ سے حیرت سے بلند سرگوشی نکلی۔۔۔ "کل عائشہ کہتی تھی کہ چھ مہینے گزرے ہیں"۔

"وہ تین مہینے پہلے کی بات ہے"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔۔۔ "تمہیں اس حالت میں پڑے نو مہینے گزر گئے ہیں۔ حیران مت ہو مہدی! پریشان بھی نہ ہو۔ زندگی اور موت، رنج اور خوشی اللہ کے اختیار میں ہے۔ انسان انسان کے لیے سبب بنتا ہے۔ اگر عائشہ نہ ہوتی تو میں شاید تمہارے علاج کے لیے شہر تک نہ جاتا۔ میں اپنا ہی علاج کرتا رہتا"۔

"آپ شہر تک کس طرح گئے؟"

"میرے لیے تو شہر جانے میں کوئی خطرہ نہیں"۔۔۔ مولوی شفیع الدین نے کہا۔۔۔ "جاپانیوں نے مقامی افراد کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا ہے۔ اس لیے شہریوں کو اب جاپانیوں کی طرف سے کوئی تکلیف اور شکایت نہیں۔ تمہارے لیے خطرہ موجود ہے اور عائشہ کے لیے بھی۔ عائشہ کے لیے اس لیے کہ اتنی خوبصورت لڑکی کسی جاپانی افسر کو نظر آ گئی تو وہ محفوظ نہیں رہے گی۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کا کوئی بھی قریبی آدمی اس لڑکی کی ملکیت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اس سے تم بھی بے نقاب ہو سکتے ہو۔ میں اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لڑکی کو اپنی جان کی قیمت دے کر بھی خطروں سے بچانا چاہتا ہوں۔ میں نے ایسا ایثار، ایسی پاکیزگی اور ایسا معصوم خلوص کم ہی کسی میں دیکھا ہے۔ ایسی کم عمر لڑکی کو تو جلدی گھبرا جانا چاہیئے تھا۔ اسی کے زور دینے پر میں ٹھہر چلا گیا....

"میں نے مولانا عبید ابن العاص کے ہاں جا کر تمہارے متعلق، عائشہ اور عبدالرحمٰن کے متعلق سب کچھ بتایا اور انہیں کہا کہ تمہیں ہم چھپا کر بھی رکھنا چاہتے ہیں اور علاج بھی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ عبدالرحمٰن کو جانتے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ وہ شبیر کا شکار ہو گیا ہے۔ خطیب صاحب نے کہا کہ اُس کا انجام یہی ہونا چاہیئے تھا۔ اُس کے متعلق انہوں نے کچھ اور باتیں سنائی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس آدمی کا کردار بہت ہی بُرا تھا....

"یہ آدمی جو یہاں آیا تھا، مولانا عبید کے مریدوں میں سے ہے۔ ہسپتال میں کمپاؤنڈر ہے۔ اس کا نام عبدالرحیم ہے۔ مولانا عبید نے اسے بلایا اور کہا کہ جنگل کے ایک گاؤں میں ایک ہندوستانی فوجی کے زخموں کا علاج کرنا ہے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ انہوں نے عبدالرحیم کو تمام ضروری ہدایات دے دیں۔ ان کے مطابق وہ رات کو یہاں آگیا تھا۔ اس نے تمہاری پٹیاں جو ہم باندھتے رہے ہیں، کھول کر زخم دیکھے تو پریشان ہو گیا۔ اُس نے زخم صاف کر کے ولائتی دوائیاں لگا دی ہیں اور پٹیاں باندھ دی ہیں۔ وہ بہت سی گولیاں دے گیا ہے۔ یہ پیس کر اور پانی میں ملا کر تمہارے منہ میں ڈالیں گے۔ اُس نے ایک انجکشن بھی لگایا ہے۔"

"میں نے اس کے چہرے پر مایوسی دیکھی ہے" — میں نے کہا — "اس نے آپ کو کیا بتایا ہے؟"

"ہاں، وہ مایوس ہو گیا تھا" — مولوی صاحب نے کہا — "لیکن مایوسی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر روز چوری چھپے اتنی دور تک نہیں آسکتا تھا۔ کہتا تھا کہ گولیوں سے پیپ خشک ہو جائے گی اور انجکشن کا بھی اثر ہو گا اور وہ ہفتے

میں ایک بار پٹیاں بدلنے آیا کرے گا۔"

اُس زمانے میں انجکشن اتنے عام نہیں تھے جتنے آج کل ہیں۔ ہمارے دیہات میں لوگ کہا کرتے تھے کہ انجکشن اُس وقت لگا کرتا ہے جب مریض کے بچنے کی کوئی صورت نہ رہے۔ ابھی پنسلین کے نام سے بھی لوگ ناواقف تھے

.... میں زخموں میں درد محسوس کر رہا تھا۔ جسم بخار سے جھلس رہا تھا۔ باتیں تو مولوی شفیع الدین کر رہے تھے لیکن دماغ میرا ماؤف ہو رہا تھا۔ میری آنکھوں کے آگے دھند آکر اس طرح گذر گئی جس طرح بادل کا ٹکڑا سورج کے سامنے سے گزر جاتا ہے۔ مجھے مولوی صاحب کے آخری الفاظ سنائی دیئے — "نیند آرہی ہے؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں سر بھی نہ ہلا سکا۔ دھند گہری ہو رہی تھی اور دماغ ڈوب رہا تھا۔ اندھیرا گہرا ہو گیا۔

☆

ایک ایک دن کی کہانی سنانا بڑا ہی مشکل ہے۔ ایک تو یہ بہت لمبی ہے اور دوسرے یہ کہ یہ ایک ہی جیسی ہے، مثلاً اس طرح کہ کبھی ذرا ذرا سی دیر کے لیے میں ہوش میں آگیا۔ کبھی نیم غشی کی کیفیت میں رہا اور زیادہ وقت مکمل بے ہوشی میں گزارا۔ ہوش میں اور نیم غشی میں مجھے جو کوئی نظر آیا اور کسی نے کوئی بات کی تو وہ آپ کے لیے ایک ہی جیسی ہوں گی۔ مختصر طور پر یہ بتا دیتا ہوں کہ باتیں ہوش میں ہوئیں یا نیم غشی میں، میں خوابوں کی دنیا میں دن گزارتا رہا۔ خواب اچھے نہیں، ڈراؤنے تھے۔ اگر ہوش میں عائشہ یا مولوی شفیع الدین کے ساتھ کوئی بات ہوئی تو میں اُسے بھی خواب سمجھتا رہا۔

میں اندر سے مُردہ ہو چکا تھا۔ اسے آپ جذبات کی موت کہہ سکتے ہیں۔ میرا مَن مر گیا تھا۔ کبھی ہوش میں عائشہ کو دیکھا تو یہ احساس تو زندہ رہا کہ یہ ملایا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کی ایک خوبصورت لڑکی ہے لیکن یہ احساس مٹ گیا کہ میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق ہے یا کبھی کوئی تعلق رہا ہے۔ مثلاً ایک روز میں پہلے کی طرح ہوش میں آیا تو ایسے لگا جیسے خواب سے بیدار ہُوا ہوں۔ عائشہ میرے جسم پر پانی میں بھگویا ہُوا کپڑا پھیر رہی تھی۔ اس کے پاس بالٹی میں پانی تھا۔ وہ کپڑا اس میں ڈبوتی اور نچوڑتی اور میرے ننگے جسم کو اس سے صاف کرتی تھی۔ اُس روز مجھے احساس ہُوا کہ میرے جسم پر کوئی کپڑا نہیں، سوائے چھوٹے سے ایک کپڑے کے جو میری کمر سے بندھا ہُوا تھا یا پٹیاں تھیں جن میں میری گردن، کندھے، بازو اور سینہ جکڑا ہُوا تھا۔

مولوی شفیع الدّین نے ٹھیک کہا تھا کہ اس لڑکی میں ایثار اور معصوم خلوص ہے۔ اس کا مظاہرہ وہ اس طرح کر رہی تھی کہ میرے جسم کا واحد کپڑا ہٹا کر بھی میرے جسم کو صاف کر رہی تھی جیسے ماں اپنے دودھ پیتے بچّے کو صاف کیا کرتی ہے۔

میں نے اُسے دیکھا۔ اس نے میری کھلی ہوئی آنکھیں دیکھیں۔ مجھے اس کی آنکھوں میں اداسی سی نظر آئی مگر مجھ پر کچھ بھی اثر نہ ہُوا جیسے یہ لڑکی اپنے گھر کی کوئی بے جان مورتی دھو رہی ہو اور میں اس کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے دیکھ رہا ہوں .... مجھے اس کے ہونٹ ہلتے نظر آئے۔ شاید اس کی آواز بھی سنائی دی تھی مگر یوں ہُوا جیسے مجھے تالاب میں عائشہ کا عکس نظر آ رہا تھا۔ کسی نے تالاب میں کنکری پھینک دی۔ عکس لہروں کے ساتھ ہلنے لگا اور غائب ہو گیا۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جس روز میری پٹیاں کھلتی تھیں، میں غشی سے بیدار ہو جایا کرتا تھا۔ شاید ہر بار ایسا نہ ہوتا ہو۔ غشی میں ہی پٹیاں بدل دیتے ہوں گے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ پٹیاں بدلتے درد کی شدت سے میں ہوش میں آ جاتا تھا۔ یہ انجکشن کا اثر بھی ہو سکتا ہے، مگر اب صرف عبدالرحیم میرے لیے

اجنبی نہیں تھا بلکہ تمام چہرے جن میں مولوی صاحب اور عائشہ کے چہرے بھی تھے، میرے لیے اجنبی ہو گئے تھے، جیسے ان کے ساتھ میرا کوئی تعلّق نہ ہو۔

میں آہستہ آہستہ اُس دنیا کی طرف جا رہا تھا جہاں انسان مر کر پہنچا کرتے ہیں۔ میری وہ حِس بھی مر چکی تھی جس سے موت کا ڈر اور اس دنیا سے اُٹھ جانے کا افسوس ہُوا کرتا ہے۔ مجھے وقت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ دن اور رات کی تمیز ختم ہو گئی تھی۔ نیند اور بیداری کا فرق مٹ گیا تھا۔

✡

ایک روز میں بیدار ہُوا تو میری ساری حِسّیں بیدار ہو گئیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ مجھے تلاوتِ قرآن کی ایک نہیں کئی آوازیں سنائی دیں۔ میں غشی یا نیند سے بیدار ہو گیا۔ مولوی صاحب، عائشہ اور دو آدمی میرے دائیں اور بائیں بیٹھے قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ عائشہ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں سمجھا تھا کہ میری وہ حِس بھی مر گئی ہے جس سے موت کا خوف محسوس ہُوا کرتا ہے مگر اپنے اردگرد تلاوتِ قرآن ہوتی دیکھی تو مجھے یاد آ گیا کہ کوئی مرنے لگتا ہے تو اُس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھا کرتے ہیں۔

"کیا میں مر رہا ہوں؟" — معلوم نہیں میں نے سرگوشی کی تھی یا مجھے یہ ڈراؤنا سا خیال آیا تھا۔

میری طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ میں نے پھر سرگوشی کی۔ "میں قرآن مجید سننا چاہتا ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتا" — میں نے گردن ہلانے کی کوشش کی مگر نہ ہل سکی۔ ایک بازو اُٹھ سکتا تھا۔ یہ اٹھایا تو عائشہ نے قرآن مجید سے نظریں ہٹا کر مجھے دیکھا۔ وہ میرے قریب آ گئی۔ مولوی صاحب نے دیکھ لیا۔ وہ بھی میرے قریب آ گئے۔

"پڑھو اَشہدان لا الٰہ الا اللہ و اشہدان محمد رسول اللہ" — مولوی صاحب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے کہا — "پڑھو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

میں نے سر کو اتنا ہلایا جتنا ہل سکتا تھا۔ ہاتھ سے مولوی صاحب کو اشارہ کیا کہ میرے قریب آئیں۔ انہوں نے منہ قریب کیا۔

"کیا میں مر رہا ہوں؟" — میں نے بڑی ہی نحیف سرگوشی کی۔

"خدا کو یاد کرو مہدی!" — مولوی صاحب نے کہا — "خدا تمہیں اس اذیت سے نجات عطا کرے گا"

مجھے عائشہ کی ہچکیاں سنائی دیں۔ میں نے آنکھیں اُس کی طرف گھمائیں۔

وہ قرآن مجید بند کر کے اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو رہی تھی۔ میں نے ہاتھ اُس کے بازو پر رکھا۔ اُس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر دونوں ہاتھوں سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ اس کا سراپا میرے آنسوؤں میں جھلملانے لگا۔

میں نے جسم کا پورا پورا زور صرف کر کے مولوی صاحب سے کہا — "مجھے قرآن مجید سنائیں لیکن اس طرح نہ پڑھیں جیسے میں مر رہا ہوں"

مولوی صاحب نے دوسرے دو آدمیوں سے کہا کہ وہ قرآن مجید بند کر دیں۔ مولوی صاحب نے خود پڑھنا شروع کیا۔ ان کی آواز میں سوز تھا۔ وہ جوں جوں پڑھتے جا رہے تھے، میں بیدار ہوتا جا رہا تھا۔ میرے اندر یہ عزم پیدا ہو گیا کہ میں زندہ رہوں گا۔ میں نے غشی کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ یہ مقابلہ کیسا تھا۔ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ اب اپنے آپ کو اتنی جلدی بے ہوش نہیں ہونے دوں گا۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے مولوی صاحب کو روک دیا۔ وہ مجھ پر جھکے تو میں نے کہا — "آپ جو پڑھ رہے ہیں، یہ میں سمجھنا چاہتا ہوں"

انہوں نے اردو ترجمہ سنانا شروع کر دیا۔ مجھے معلوم نہیں وہ کون سی سورۃ پڑھ رہے تھے۔ اس کے الفاظ سے میرے جسم میں جان آتی جا رہی تھی۔ مجھے کچھ الفاظ یاد رہ گئے ہیں۔ "میں نے یہ کتاب اتاری کہ یہ بنی

نوع انسان کو اندھیرے سے اجالے میں لائے۔۔۔۔ تم زمین پر اکڑ کر چلتے ہو جیسے زمین کو پھاڑ دو گے اور تمہارا سر پہاڑوں سے بھی اونچا ہو جائے گا۔

تم نہ زمین کو پھاڑ سکو گے نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکو گے۔۔۔۔ میں نے تمہارا جسم بنایا اور اس میں جان ڈالی۔ طاقت دی۔۔۔۔ انسان طاقت سے انسان کا آقا نہیں بن سکتا"

میں بھی اکڑ کر چلا کرتا تھا۔ میں اپنے آپ کو بڑا ہی طاقتور جوانمرد سمجھا کرتا تھا۔ میری جوانی میرے قابو سے باہر ہو گئی تھی مگر خدا نے مجھے طاقت سے یوں محروم کر دیا کہ میں کروٹ بھی نہیں بدل سکتا تھا۔ میرا تکبر اور میرا غرور میرے سامنے آ گئے۔

میں نے عائشہ کو دیکھا تو میں نے نظریں دوسری طرف کر لیں۔ میں اس کا سامنا کرنے سے گھبرا گیا تھا۔ اس لڑکی کو میں نے کمزور سی لڑکی سمجھ کر کھلونہ بنانے کی کوشش کی تھی مگر اب میں اس کے رحم و کرم پر تھا۔

میں آج کہتا ہوں کہ انسان گر کر تسلیم کرتا ہے کہ وہ گر پڑا ہے ورنہ وہ کبھی نہیں مانتا کہ وہ گر بھی سکتا ہے۔ مرتے وقت اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کی عمر پوری ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے وہ سمجھتا ہے کہ موت دوسروں کے لیے ہے اس کے لیے نہیں۔

مولوی صاحب نے میری نبض پر پھر میرے ماتھے پر ہاتھ رکھا اور بولے — "بخار گر گیا ہے"

تب مجھے پتہ چلا کہ بخار بہت تیز ہو گیا تھا جسے یہ لوگ نزع کا عالم سمجھ بیٹھے تھے۔ یہ عالم تو مجھ پر ہر وقت طاری رہتا تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ گے مہدی!" — مولوی صاحب نے کہا — "میں آج مایوس ہو گیا تھا لیکن مجھے نظر آ رہا ہے کہ تم بچ نکلو گے"

میری تمام حسیں بیدار ہو چکی تھیں لیکن میں ہلنے جلنے کے قابل نہیں تھا۔

☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ایک معجزہ ہو چکا ہے"۔۔۔ مولوی صاحب نے کہا۔۔۔ "میں نے پہلے روز تمہیں بتایا تھا کہ ان جنگلوں میں دیاک نام کا ایک قبیلہ خانہ بدوشوں کی طرح گھومتا پھرتا رہتا ہے۔ انہیں ایبان بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ قیمتی سامان، خوبصورت لڑکیاں اور مقتولوں کی کھوپڑیاں اُٹھا لے جاتے ہیں۔ چھ سات مہینے گزرے، اس قبیلے کے بہت سے کنبوں نے ہمارے گاؤں سے تھوڑی ہی دُور آ ڈیرے ڈالے۔ ہم رات کو چار آدمیوں کو پہرے پر رکھتے تھے۔ مجھے پتہ چلا کہ ان کے دو تین آدمی ایک روز ہمارے گاؤں کے قریب آئے تھے۔ میں نے اللہ کا نام لیا۔ تمہاری رائفل اٹھائی اور اپنے بیٹے کو عبدالرحمٰن کا ریوالور دیا۔ بہت سے برچھیوں والے آدمی ساتھ لیے اور میں اُن کی طرف چلا گیا....

"برچھیوں والے آدمیوں کو میں نے ایبان کے ڈیرے کے قریب جھاڑیوں میں چھپا دیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ ایبان کے سامنے چلا گیا۔ یہ لوگ بڑے خونخوار ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ ہمارے گاؤں پر حملہ کریں گے۔ میں نے ان کے سردار کو بلایا۔ اُن کے بہت سے آدمی ہمارے اردگرد جمع ہو گئے۔ میں نے ان کے سردار کو رائفل اور ریوالور دکھا کر کہا کہ ہمارے گاؤں میں ایسے بہت سے ہتھیار ہیں جو ہمیں جاپانیوں نے تم لوگوں کو تباہ کرنے کے لیے دیئے ہیں۔ اگر تم لوگ ہمارے قریب بھی آئے تو مارے جاؤ گے اور تم سب کی کھوپڑیاں ہم اپنے گاؤں کے اِردگرد لٹکا دیں گے....

"یہ لوگ رائفل اور پستول سے بہت ڈرتے ہیں اور اسے وہ اپنے پورے قبیلے کی توہین سمجھتے ہیں کہ ان میں سے کسی کی کھوپڑی دشمن اُتار کر لے جائے۔ تم بے ہوش پڑے تھے۔ ہم مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھے۔ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا جو کامیاب ثابت ہُوا۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں ورنہ ہم انہیں تباہ کر دیں گے۔ ان کے سردار نے دوستی

کا ہاتھ بڑھایا اور اپنے رواج کے مطابق ایک خشک کھوپڑی پیش کی۔ یہ ان کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو وہ صرف اُسے پیش کرتے ہیں جسے اپنا پیارا اور قابلِ احترام دوست سمجھتے ہیں....

"میں نے اُسے بتایا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مذہب میں انسانی کھوپڑی اپنے پاس رکھنا حرام ہے۔ میں نے انہیں اپنے مذہب کے اصول بتائے جن کا ان پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ میں نے ان کے عقیدے کا احترام کرتے ہوئے کھوپڑی اپنے ہاتھ میں لی پھر اُسے واپس کر دی.... ہم واپس آ گئے۔ دوسرے دن آدمی بھیج کر پتہ کرایا۔ وہ چلے گئے تھے....

"یہ ایک معجزہ ہے۔ یہ لوگ بے شک رائفل سے ڈرتے ہیں لیکن اِکّے دُکّے آدمی کو قتل کرنے سے باز نہیں آتے۔ یہ بھی معجزہ ہے کہ تم ڈیڑھ سال سے زندہ ہو۔ میں آج مایوس ہو گیا تھا لیکن قرآن مجید کی آواز پر تم اتنی زیادہ ہوش میں آ گئے ہو جتنا پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔

"مگر میری حالت بہتر نہیں ہو رہی"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "میں تو سُن سُن کر حیران ہوتا ہوں کہ وقت کس طرح گزر گیا ہے۔ آپ کہتے ہیں ڈیڑھ سال گزر گیا ہے؟"

یہ کہتے کہتے میری زبان لڑکھڑانے لگی اور تمام چہرے جو میرے دائیں بائیں بیٹھے تھے، میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

✡

یہ خواب تھا۔۔۔ بانسوں کے سٹریچر کی طرح کی چارپائی ہے۔ میں اس پر پڑا ہوں۔ سٹریچر کو چار آدمی اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اندھیرا ہے پھر بھی میں جان گیا ہوں کہ مجھے جنگل میں سے گزارا جا رہا ہے۔ دو خیال آتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ مجھ سے تنگ آ گئے ہیں اور مجھے جنگل میں کہیں پھینکنے جا رہے ہیں جہاں مجھے درندے کھا جائیں گے۔ اپنے اس انجام سے مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ عائشہ اور مولوی صاحب

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی بے رحم ہو گئے ہیں؟

دوسرا خیال آتا ہے کہ میں مُردہ ہوں اور مجھے دفن کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ مجھے اپنی رجمنٹ کا مولوی یاد آتا ہے۔ اُس نے ایک بار وعظ میں کہا تھا کہ میّت کا جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو میّت کو احساس ہوتا ہے کہ اُسے دفن کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں۔ اگر میّت گناہگار کی ہو تو وہ چیختا چلّاتا اور فریادیں کرتا ہے کہ مجھے اس دنیا سے نہ اٹھاؤ، مجھے یہیں رہنے دو۔ میں اب گناہ نہیں کروں گا، لیکن اس کی فریادیں کوئی نہیں سنتا۔ اس کے ہونٹ نہیں ہلتے، وہ مردہ ہوتا ہے.... میں بھی ان لوگوں سے منّت سماجت کرتا ہوں کہ مجھے واپس لے چلیں۔ میں اپنے آپ کو گناہگار سمجھتا ہوں مگر میری کوئی نہیں سنتا۔ جنگل میں سے ان کے گزرنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔

کبھی میں ماحول سے لاتعلّق ہو جاتا ہوں، کبھی مجھے ماحول کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ وہ رک رک کر چلتے ہیں۔ سٹریچر رکھتے ہیں۔ اپنی زبان میں سرگوشیاں کرتے اور چلتے ہیں۔ ایک بار پھر سٹریچر رکھتے ہیں تو میں اپنے چہرے پر ایک ہاتھ محسوس کرتا ہوں۔ میں اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہوں اور اندھیرے میں بھی پہچان لیتا ہوں کہ یہ عائشہ کا ہاتھ ہے۔ مجھے عائشہ کی آواز سنائی دیتی ہے — "اللہ تمہیں صحت دے گا!"

میں اس سے پوچھتا ہوں کہ مجھے قبرستان میں لے جا رہے ہیں؟ — عائشہ کہتی ہے — "نہیں۔ زندگی کی طرف۔"

میں اس سے کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں مگر آدمی جو میرا سٹریچر رکھ کر جانے کہاں چلے گئے تھے، آ جاتے ہیں، سٹریچر اٹھا لیتے اور چل پڑتے ہیں۔

میں نے عائشہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا مگر اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ میں ہوا میں ہاتھ مارتا ہوں۔ عائشہ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہیں آتا۔ میں اُسے پکارتا ہوں۔ میری آواز نہیں نکلتی۔ سٹریچر اوپر نیچے اور دائیں بائیں

ہلتا ہے۔ میرا سارا جسم پیپ سے بھرا ہوا پھوڑہ بنا ہوا ہے — اندھیرا، اندھیرا، سیاہ کالا اندھیرا — قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ پھر آوازیں دُور ہٹنے لگتی ہیں یا میں ان آوازوں سے دُور ہٹنے لگتا ہوں، پھر دنیا خاموش ہو جاتی ہے۔ اندھیرا ہی اندھیرا رہ جاتا ہے۔

میری آنکھ کھُلی تو سب سے پہلی آواز جو میرے کانوں میں پڑی وہ اذان کی آواز تھی۔ میرے نیچے بستر بہت نرم تھا اور میں فرش پر نہیں، پلنگ پر پڑا تھا۔ لالٹین جل رہی تھی جس کی لَو مدھم تھی لیکن مجھے اچھی طرح نظر آ رہا تھا کہ یہ جھونپڑہ نہیں پختہ مکان ہے۔ اوپر چھت گھاس پھونس کی نہیں۔

مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ گاؤں والے مجھے جاپانیوں کے حوالے کر گئے تھے۔ میں خواب کو یاد کرنے لگا۔ میں جس مکان میں پڑا تھا، یہ خوابوں کا مکان نہیں تھا۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ میں نے خواب نہیں دیکھا۔ مجھے واقعی بانسوں کے سٹریچر پر ڈال کر یہاں لائے تھے اور چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔

"کیا عائشہ بھی چلی گئی ہے؟" — اس خیال نے میرے جذبات میں زلزلے بپا کر دیئے۔ میرا ذہن ابھی اتنا زیادہ صدمہ اور زیادہ جذباتی ہیجان برداشت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ مجھ پر پھر غشی طاری ہونے لگی۔

✡

میں نہ جان سکا کہ کتنی دیر بعد یا کتنے دنوں بعد میں ہوش میں آیا۔ مجھے ایک عورت نظر آئی جس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہو گی۔ وہ سر سے پاؤں تک برقعے کی طرح کے ایک ہی لباس میں ملبوس تھی۔ یہ سفید کپڑا تھا۔ اُس کا سر اسی کپڑے سے ڈھکا ہُوا تھا۔ اُس کا رنگ سفیدی مائل تھا اور اس کے چہرے پر نُور سا تھا۔ میرے ماؤف دماغ میں پہلا خیال یہ آیا کہ اگلے جہان پہنچ چکا ہوں۔ یہ فرشتہ ہے جو میرے اعمال کا حساب لینے آیا ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اس عورت کا سراپا ہی ایسا تھا کہ میں اُسے کسی اور جہان کی مخلوق سمجھ رہا تھا۔

اگر میں عائشہ کو نہ دیکھ لیتا تو میں بتا نہیں سکتا کہ میں کس طرح ڈرتا یا کیا کرتا۔ عائشہ میرے سرہانے بیٹھی تھی اور چمچ سے میرے منہ میں پھلوں کا رس ڈال رہی تھی۔ یہ اس نئی جگہ کا اثر تھا یا تجسّس کا جذبہ کہ میرا ذہن بیدار ہوگیا۔

"اب تم جلدی ٹھیک ہوجاؤ گے"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔

"ہم کہاں ہیں؟"۔۔۔ میری یہ سرگوشی سننے کے لیے عائشہ نے کان میرے منہ کے قریب کیا۔

"یہ خطیب ابن العاص کا گھر ہے"۔۔۔ عائشہ نے جواب دیا۔۔۔ "پانچ روز گزرے تمہیں یہاں اُٹھا لائے تھے۔ تمہاری پٹیاں دو مرتبہ بدلی جا چکی ہیں۔ اب تمہیں بخار نہیں آتا.... تمہیں پتہ نہیں چلا جب پٹیاں بدلی گئی تھیں اور انجکشن لگے تھے؟"

میں نے سر ہلا کر بتایا کہ مجھے کچھ خبر نہیں۔

"یہ خاتون خطیب صاحب کی بیگم ہیں"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔

"اگر یہ شہر ہے تو یہاں تو جاپانی بھی ہوں گے"

"ہوتے رہیں"۔۔۔ عائشہ نے جواب دیا۔۔۔ "کسی کو معلوم نہیں کہ تم یہاں ہو۔ میں تو باہر نکلتی ہی نہیں.... اب ایک ڈاکٹر تمہارا علاج کر رہا ہے"

مختصر یہ کہ گاؤں میں میری حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ایک بار تو آپ کو سنا چکا ہوں کہ مجھے دُنیا سے رخصت کر دیا گیا تھا۔ میرے پاس قرآن خوانی شروع ہوگئی تھی۔ خدا نے مجھے اس عالم سے بچا لیا۔ میں ہوش میں آگیا تھا مگر جسمانی حالت نے مجھے زیادہ دیر ہوش میں نہ رہنے دیا۔ کچھ دنوں بعد میری حالت پھر بگڑ گئی۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ کمپاؤنڈر عبدالرحیم خطیب صاحب کے حکم کے مطابق میری مرہم پٹی کے لیے آیا تو اُس نے کہا کہ اگر اس آدمی کی زندگی چاہتے ہو تو اسے شہر لے چلو۔ جنگل میں اس کے لیے موت کے سوا کچھ نہیں۔

مولوی شفیع الدین کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ وہ دراصل مجھے اور عائشہ کو شہر لے جانے سے ڈرتے تھے۔ عائشہ اُن کے پیچھے پڑ گئی۔ اس معصوم لڑکی کی آہ وزاری نے انہیں مجبور کر دیا کہ مجھے شہر لے جانے کا انتظام کریں۔ مولوی صاحب شہر جاتے رہتے تھے۔ وہ چلے گئے اور خطیب صاحب سے ملے۔ انہیں میرے متعلق بتایا کہ میرے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہ گئی سوائے اس کے کہ مجھے شہر لایا جائے مگر جاپانیوں کو یا اُن کے کسی مخبر کو پتہ نہ چلے کہ ایک ہندوستانی فوجی یہاں ہے۔

میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ خطیب ابن العاص کتنے عظیم انسان تھے۔ میں اُن کا کیا لگتا تھا؟ میں مولوی شفیع الدین کا کیا لگتا تھا؟ مگر خطیب صاحب نے کہا۔۔۔ "ہوسکتا ہے اس پردیسی انسان کی جان بچانے کی ذمہ داری خدا نے میرے نام لکھ دی ہو۔ میں اُسے بچانے کی پوری کوشش کروں گا"۔۔۔ بعد میں عائشہ نے مجھے بتایا کہ مولوی شفیع الدین نے مجھے صحت یاب کرنے کی ذمہ داری یہی کہہ کر قبول کی تھی کہ اُن پر یہ ذمہ داری خدا کی طرف سے عائد ہوئی ہے۔

مولوی صاحب نے کہا تھا۔۔۔ "جو آدمی اتنی مشکلات میں سے، جنگلوں میں سے، لاشوں میں سے اور عجیب وغریب اتفاق سے میرے گھر تک پہنچا ہے، وہ خود نہیں آیا۔ اسے خدا نے میرے گھر کا راستہ دکھایا ہے۔ ہمیں خدا کے اشارے سمجھنے چاہئیں۔ یہ خدا کے احکام ہوتے ہیں جن کی تعمیل ہر مسلمان کا فرض ہے"

آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مولوی صاحب نے جنگلیوں کو اسلام کا شیدائی کس طرح بنایا ہوگا۔ یہ بنی نوع انسان کی محبت اور خلوص کا کرشمہ تھا۔ آپ اسلام کے اس بنیادی اصول کو سمجھیں اور اپنے پڑھنے والوں کو سمجھائیں کہ اسلام صرف عبادت اور سجدوں کا نام نہیں۔ اسلام ضرورت مند انسانوں کی مدد اور ایثار کا نام ہے۔ کسی کو مصیبت اور مشکل میں دیکھ کر اگر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ مسجد کو چل پڑیں تو آپ کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ خدا سجدوں سے خوش نہیں ہوتا۔ کسی مصیبت زدہ، کسی حاجت مند سے نگاہیں پھیر کر آپ ساری عمر سجدے میں پڑے رہیں، خدا آپ پر راضی نہیں ہوگا۔

میں آپ کو بتا رہا تھا کہ خطیب صاحب نے مولوی شفیع الدین سے کہا کہ مجھے رات کے وقت شہر لے آئیں۔ انہوں نے ایک گائیڈ بھی دیا جسے معلوم تھا کہ جاپانیوں کی جو تھوڑی سی نفری اس شہر میں ہے، کہاں ہوتی ہے۔ مجھے رات کو گاؤں سے اُٹھایا گیا۔ گائیڈ ساتھ تھا۔ عائشہ بھی ساتھ تھی اور مجھے اُٹھانے والے چھ آدمی تھے۔ انہوں نے مجھے چوری چھپے، آگے پیچھے دیکھ دیکھ کر شہر میں لا کر خطیب صاحب کے گھر پہنچا دیا۔

آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ خطیب عبید ابن العاص عالم تھے اور عامل بھی۔ بہت سے لوگ ان کے مرید تھے۔ ان میں تعلیم یافتہ لوگ بھی تھے۔ انہی میں ایک ڈاکٹر تھا۔ اُسے بلا کر بتایا گیا کہ مجھے ٹھیک بھی کرنا ہے اور چھپا کر بھی رکھنا ہے۔ عائشہ کو خطیب صاحب نے اپنے گھر میں چھپا لیا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے دیکھا۔ میں غشی میں تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ سمجھ نہیں سکتا کہ میں زندہ کیسے رہا ہوں۔ میرے جسم کا تمام خون فاسد ہو چکا تھا اور زخموں کی حالت بہت خراب تھی۔

ڈاکٹر نے میرا علاج شروع کر دیا۔ ہر روز وہ انجکشن لگاتا تھا۔ میرا آدھا جسم زخمی تھا۔ اتنے زیادہ زخم صاف کرتے اور پٹیاں باندھتے وہ اڑھائی گھنٹے صرف ہو جاتے تھے۔ خطیب صاحب نے میرے بازو کے ساتھ ایک تعویذ باندھ دیا تھا۔ انہوں نے عائشہ کو کچھ پڑھنے کے لیے بتایا تھا۔ یہ کوئی وظیفہ تھا جو وہ کرتی رہتی تھی۔ اس طرح میرا علاج دوا سے بھی ہونے لگا اور دعا سے بھی۔

☆

غشی کے دورے جاری رہے لیکن اب میں ہوش میں آتا تھا تو گھنٹہ ڈیڑھ

ہوش میں رہتا تھا۔ یہ وقفہ بڑھتا گیا اور ہوش یا بیداری کے دوران میرا دماغ کام کرنے لگا۔ غنودگی کی کیفیت باقی رہتی تھی۔ تین مہینے بعد غنودگی کم ہونے لگی اور میں سرگوشی سے ذرا بلند آواز میں بولنے کے قابل ہو گیا۔ مجھے ابھی تک پپیتے، انناس اور کیلے کا رس ناریل کے پانی میں ملا کر دیا جا رہا تھا۔ چوتھے پانچویں مہینے بعد مجھے پھل بھی کھلائے جانے لگے۔

ڈاکٹر ملایا کا ہی رہنے والا تھا۔ اُس کا نام عبدالقدوس تھا۔ اس نے مرہم پٹی کا سامان اور دوائیاں خطیب صاحب کے گھر میں رکھ دی تھیں۔ وہ صبح کی نماز پڑھنے مسجد میں آیا کرتا تھا۔ وہاں سے میری مرہم پٹی کرنے آتا تھا۔ عبدالرحیم اس کے ساتھ ہوتا تھا۔

ڈاکٹر ٹوٹی پھوٹی اُردو بولتا تھا۔ میں جب بیٹھنے کے قابل ہو گیا تو اُس نے مجھے چاول اور مچھلی کھانے کی اجازت دے دی۔ پھر خدا نے مجھے یہ دن دکھایا کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا۔ مجھے وہ زخم تو یاد ہی نہیں رہے تھے جو جاپانیوں کے حملے میں آئے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب!" — میں نے ایک روز اُس سے پوچھا — "کیا ہندوستان پر بھی جاپانیوں کا قبضہ ہو گیا ہے؟"

"نہیں" — اُس نے جواب دیا — "وہ برما پر قابض ہو گئے تھے مگر انگریزوں نے جوابی حملہ کر کے انہیں وہاں سے پیچھے ہٹا دیا ہے۔ اِدھر امریکہ نے بحرالکاہل کے اُن جزیروں پر حملے شروع کر دیئے ہیں جن پر جاپانیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ کوئی ایک سال سے جاپانیوں کی پسپائی کی ابتدا ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ جاپانی شکست کھا جائیں گے۔"

"ڈاکٹر صاحب!" — میں نے کہا — "مجھے برما کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ بحرالکاہل کون سا ملک ہے اور اس کے جزیرے کہاں ہیں۔ میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے وطن کبھی جا سکوں گا یا نہیں۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا"۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "جس رفتار سے جاپانی پیچھے ہٹ رہے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز واپس آجائیں گے اور تمہاری نجات کی صورت پیدا ہو جائے گی۔"

عائشہ مجھے کھلانے پلانے کے لیے آتی تھی لیکن وہ اکیلی نہیں ہوتی تھی۔ خطیب صاحب کی بیگم اُس کے ساتھ آتی مگر خاموش رہتی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور اس کے انداز میں ماں کا پیار ہوتا تھا۔ اس کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اُردو نہیں بول سکتی تھی نہ سمجھتی تھی۔

خطیب عبید ابن العاص ہر نماز کے بعد میرے پاس آتے اور میرے جسم پر سر سے پاؤں تک پھونک مارا کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے بتایا کہ وہ عبدالرحمٰن کو جانتے تھے۔ کہنے لگے۔ "تم نے اس لڑکی کے ساتھ بہت بڑی نیکی کی ہے کہ اس شرابی سے اسے چھڑایا ہے۔ وہ نام کا مسلمان تھا۔ عائشہ غریب ماں باپ کی بچی تھی۔ اگر اس کے ماں باپ نہ مرجاتے تو عبدالرحمٰن ان سے یہ لڑکی خرید لیتا"۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کے متعلق بہت کچھ بتایا۔

"میں جاہل آدمی ہوں مولانا!"۔ میں نے کہا۔ "اس لڑکی کو دیکھ کر مجھ پر بھی شیطان غالب آگیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ خدا مجھے اسی گناہ کی سزا دے رہا ہے"۔ میں نے انہیں سنایا کہ کس طرح یہ لڑکی میرے سامنے نیم عریاں ہو گئی تھی اور اگر یہ مجھے تھپڑ نہ مارتی تو میں شیطان کے غلبے سے آزاد نہ ہوتا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ میں عائشہ کو تمہارے پاس اکیلے نہیں آنے دیتا"۔ انہوں نے کہا۔ "اس کی وجہ یہ نہیں کہ تمہارا اخلاق بُرا ہے بلکہ یہ ہے کہ انسان کو خدا نے جہاں بہت زیادہ قوتیں عطا کی ہیں، وہاں اس کی فطرت میں ایک کمزوری بھی رکھ دی ہے۔ یہ ہے عورت۔ کہنے سے میرا مطلب یہ نہیں کہ عورت میں کوئی شیطانی قوت ہے جو مرد کو گمراہ کر دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی مرد کو خدا نے دی ہے مگر مرد نے عورت کو جس نگاہ سے

دیکھا ہے اور دیکھتا ہے اس سے عورت کی اہمیت اور عظمت ختم ہو جاتی اور مرد گمراہ ہو جاتا ہے۔ عورت مجسّم ہو یا تم اس کا تصوّر ذہن میں بٹھا لو، تم انسانیت کے مقام سے گر پڑتے ہو۔ اسی لیے اسلام نے غیر مرد اور غیر عورت کو اکٹھا رہنے اور آزادی سے بیٹھنے اٹھنے کی اجازت نہیں دی....

"تم نے عورت کی عظمت دیکھ لی ہے۔ اس نے تمہارے منہ پر تھپڑ مار کر تمہیں یاد دلایا کہ تم انسان ہو اور مسلمان ہو۔ تم جیسے جو جوان مرد عورت کے تھپڑ سے ڈرتے ہیں وہ تصوّروں میں عورت سے دل بہلاتے ہیں۔ تم تندرست ہو جاؤ۔ میں عائشہ سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ اللہ کو یاد کرو۔ اپنی جوانی کو کسی نیک کام میں استعمال کرو۔ جوانی اس جنگل سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے جہاں سے تم زخمی ہو کر آئے ہو۔ جنگل لگتا خوبصورت ہے لیکن خطروں سے بھرپور ہوتا ہے۔"

اور میں اللہ کو یاد کرتا رہا۔

☆

مجھے بالکل یاد نہیں کہ کتنے مہینے اور گزر گئے یا سال ڈیڑھ سال گزر گیا۔ میرے زخم ٹھیک ہو چکے تھے۔ صرف گردن کا زخم ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ شیر کے دانت بڑے گہرے اترے تھے۔ کوئی اہم نس کٹ گئی تھی۔ اس سے خون رِستا رہتا تھا۔ پیپ پیدا ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر عبدالقدوس نے بتایا کہ پہلے روز سے ہی زخموں کا صحیح علاج ہوتا تو تین ماہ تک میں تندرست ہو جاتا۔ ایک تو صحیح علاج نہ ہوا، دوسرے جنگل کی نمناک ہوا اور کیڑوں مکوڑوں نے زخموں کو ٹھیک کرنے کی بجائے خراب کیا۔ پیپ اتنی زیادہ پیدا ہوئی کہ میں بخار میں جلنے لگا۔ ڈاکٹر نے بھی میرے زندہ رہنے کو معجزہ کہا اور ایک وجہ یہ بتائی کہ مجھے پھلوں کا جو رس دیا جاتا رہا ہے، یہ میری زندگی کا سبب بنا ہے۔

میں تو اسے معجزہ کہتا ہوں۔ آج آپ کو یہ کہانی سنا رہا ہوں تو مجھے خود بھی یقین نہیں آتا کہ یہ حقیقت تھی۔ یہ خواب اور افسانہ لگتا ہے۔ آج جب اپنے وطن کی اخلاقی حالت دیکھتا ہوں تو خطیب عبید ابن العاص، مولوی شفیع الدین،

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ان کا بیٹا، کمپاؤنڈر عبدالرحیم، ڈاکٹر عبدالقدوس، عائشہ اور خطیب صاحب کی بیوی مجھے کسی خیالی داستان کے کردار معلوم ہوتے ہیں۔ سوچ سوچ کر میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ صحیح اسلام ملایا کے اُن جنگلوں میں دیکھا ہے جہاں سے میرے جسم کو نئی زندگی اور روح کو نئی روشنی ملی ہے۔ یہ سب لوگ خدا کی وہ نشانیاں تھیں جن کا اشارہ مجھے قرآن مجید میں ملا تھا۔

میرے سامنے گردن کے زخم کے علاوہ ایک ٹیڑھا مسئلہ رہ گیا تھا۔ "میں کب تک چھپا رہوں گا؟.... کیا میں کبھی ہندوستان جا سکوں گا؟"

ڈاکٹر نے مجھے بہت پہلے اشارہ دے دیا تھا کہ جاپانیوں کی شکست کی ابتدا ہو گئی ہے۔ یہی ایک صورت تھی جو مجھے وہاں سے نکال سکتی تھی۔ میں ایک کمرے میں بند رہتا اور خدا کو یاد کرتا رہتا تھا۔ خطیب صاحب کے بتائے ہوئے وردِ وظیفے بھی کیے۔

اور ایک روز ملایا کے جنگل ایک بار پھر توپوں کی دھاڑ اور طیاروں کی گرج سے لرزنے لگے۔ راتوں کو بلیک آؤٹ ہوتا تھا۔ جنگ ہمارے قصبے کے مضافات میں آ گئی تھی۔ خطیب صاحب کچھ پریشان نظر آنے لگے تھے۔ مسجد ویران ہو گئی تھی۔ توپوں، ٹینکوں اور طیاروں کی گرج اور بمباری کے دل دہلانے والے دھماکوں نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔

مجھے بتایا گیا کہ انگریزوں کی فوج ملایا میں اُتر آئی ہے اور جاپانی محاصرے میں لڑ رہے ہیں۔ وہاں کے مقامی لوگ انگریزوں کی فوج کے ساتھ مل گئے تھے اور وہ جاپانیوں کے فوجی ٹھکانوں کی نشاندہی کرتے تھے۔

مجھے آج تک علم نہیں کہ مولوی شفیع الدین کا گاؤں جنگ سے محفوظ رہا تھا یا نہیں۔ میں انہیں پھر کبھی نہیں دیکھ سکا تھا۔ مجھ پر خوف سوار رہنے لگا تھا۔ عائشہ کے متعلق بھی پریشانی تھی۔

☆

کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جنگ کی قیامت میں کمی آنے لگی۔ باہر کا مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ کیا حال ہُوا ہے۔ شہری محفوظ ہیں یا نہیں۔ سنی سنائی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ شہریوں کا زیادہ نقصان نہیں ہُوا۔

ایک روز توپیں خاموش ہو گئیں۔ رائفل بھی فائر نہیں ہوتی تھی۔ مجھے یہ خبر سنائی دی کہ انگریز اور ہندوستانی فوج واپس آ گئی ہے۔

ایک روز میں خطیب صاحب کے گھر اپنے کمرے میں لیٹا ہُوا تھا کہ خطیب صاحب کمرے میں آئے۔ ان کے پیچھے ڈاکٹر عبدالقدوس تھے اور اُن کے پیچھے ایک ہندوستانی صوبیدار کمرے میں آیا۔ میں تین سال بعد اپنی فوج کے ایک آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ میں اٹھا اور صوبیدار صاحب سے ہاتھ ملایا۔ وہ صوبیدار نجیب اللہ تھے۔ ان کا تعلق انفنٹری سے تھا اور وہ راولپنڈی کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے۔

"انہوں نے تمہارے متعلق جو کچھ بتایا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟" — صوبیدار صاحب نے مجھ سے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں انہوں نے آپ کو میرے متعلق کیا بتایا ہے" — میں نے کہا — "میں توپ خانے کا نائک ہوں اور جاپانیوں کی قید سے بچنے کے لیے چھپا رہا ہوں۔ میں نے اپنی رائفل بھی ساتھ رکھی ہوئی ہے۔"

میں نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ میں کہاں چھپا رہا ہوں۔ باقی کہانی خطیب صاحب اور ڈاکٹر نے سنا دی۔ صوبیدار نجیب اللہ مسلمان تھے۔ وہ خطیب صاحب سے بہت متاثر نظر آتے تھے۔ انہوں نے مجھے ساتھ لیا اور خطیب صاحب سے اجازت لے کر چلنے لگے۔ میں نے انہیں الگ کر کے عائشہ کے متعلق بتایا تو وہ مسکرائے۔

"میں تمہیں قید خانے میں نہیں لے جا رہا" — صوبیدار صاحب نے کہا — "اپنے کرنل صاحب کے پاس لے جا رہا ہوں۔ تمہاری گردن کے زخم کا علاج ہو گا۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں نے خطیب عبید ابن العاص کے پاؤں چھوئے، ڈاکٹر عبدالقدوس کے کے ہاتھ چومے۔ پھر خطیب صاحب سے کہا۔" عائشہ سے کہنا ہم تمام خطروں سے آزاد ہو گئے ہیں۔ میں آؤں گا۔"

میں نے رائفل، ایمونیشن اور عبدالرحمٰن کا ریوالور اٹھایا اور صوبیدار نجیب اللہ کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے مجھے راستے میں بتایا کہ خطیب صاحب نے انہیں بتایا تھا کہ ان کے گھر میں ایک مسلمان فوجی ہے جو جاپانیوں کی قید سے بچنے کے لیے چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے صوبیدار صاحب کو میرے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میں ایک انگریز کرنل کے سامنے کھڑا تھا۔

□□

انگریز لیفٹیننٹ کرنل برائٹ تھا اور راجپوتانہ رائفلز کی ایک بٹالین کا کمانڈنگ افسر تھا۔ اس کے چہرے کا اصل رنگ لال سرخ یا گہرا گلابی ہو گا جیسا انگریزوں کا ہوتا ہے لیکن اس کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا۔ معلوم نہیں کتنے عرصے سے میدانِ جنگ میں لڑ رہا تھا۔ برما اور ملایا کے جنگلوں اور گرمی نے اس کا رنگ اور حال حلیہ بگاڑ دیا تھا۔

جب میں نے اور صوبیدار نجیب اللہ نے اُسے سلیوٹ کیا تو اُس کی نیلی آنکھیں مجھے اس طرح گھورنے لگیں جیسے گولی کی طرح میرے جسم سے پار ہو جائیں گی۔

"صاحب!"۔ صوبیدار نجیب اللہ نے کہا۔" یہ ہے وہ نائک.... آرٹلری کا نائک غلام مہدی۔ یہ اس کی رائفل ہے، راؤنڈ بھی ہیں اور یہ ایک ریوالور ہے۔"

لیفٹیننٹ کرنل برائٹ کو میرے متعلق پہلے ہی رپورٹ دی جا چکی تھی۔ انڈین آرمی کے انگریز افسر اُردو روانی سے بولا کرتے تھے۔ فرنٹیئر فورس رائفلز کے انگریز افسر پشتو اور گورکھا جمعدار گورکھالی زبان بولتے تھے۔

"تمہارے پاس ڈسک ہے؟"۔ کرنل برائٹ نے مجھ سے پوچھا۔" پے بک ہے تمہارے پاس؟"

جنگ کے دوران ہر فوجی کے پاس پے بک ہوا کرتی تھی جس میں ہر ماہ اُس کی تنخواہ درج ہوتی تھی۔ اس پر فوجی کا نام نمبر اور گھر کا پتہ بھی لکھا ہوتا تھا۔ میدانِ جنگ میں فوجی کی شناخت کے لیے بیکلائٹ کی ایک گول ڈسک ہوتی تھی جس کا سائز روپے کے سکے جتنا ہوتا تھا۔ ہر فوجی اپنی ڈسک دھاگے سے اپنے گلے میں لٹکائے رکھتا تھا۔ اس پر اُس کا نام، نمبر اور رجمنٹ لکھی ہوتی تھی جو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

فوجی مارے جاتے تھے، اُن کی شناخت ان کے ڈسکوں سے ہوتی تھی۔ اتفاق سے میری ڈسک میرے پاس تھی۔

"جی صاحب!"۔۔۔ میں نے جیب سے ڈسک نکال کر کرنل برائٹ کے آگے رکھ کر کہا۔۔۔ "پے بک میرے پاس نہیں ہے۔ میں جب زخمی ہو گیا تو میں نے حکم کے مطابق پے بک پھاڑ کر ایک ندی میں پھینک دی تھی کیونکہ قیدی ہونے کا خطرہ تھا۔"

پے بک کے متعلق ہمیں یہی حکم ملا تھا کہ جنگ میں جنگی قیدی ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے تو پے بک جلا دو یا اس طرح ضائع کر دو کہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ کرنل برائٹ کے چہرے پر جو کھچاؤ سا تھا وہ میرے جواب سے اور ڈسک دیکھ کر کم ہو گیا۔

"تم کس طرح ثابت کر سکتے ہو کہ جب تمہاری بیٹری پر گولہ باری ہوئی تو تم گیدڑ کی طرح بھاگے نہیں تھے؟"۔۔۔ کرنل برائٹ نے پوچھا۔۔۔ "اور تم جان بچانے کے لیے جنگل میں چھپے رہے؟"

"وہاں کوئی بھی نہیں تھا جس کے ساتھ میں لڑتا"۔۔۔ میں نے جواب دیا۔۔۔ "میں پہلے ہی بھاگ جاتا تو زخمی نہ ہوتا۔ میں دشمن کا قیدی نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں رائفل اور ایمونیشن دشمن کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ رائفل آپ کے سامنے پڑی ہے اور میں ایک ریوالور فالتو لے آیا ہوں۔ دونوں ہتھیاروں کا ایمونیشن بھی ساتھ ہے۔"

کہانی آگے سنانے سے پہلے میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ فوج میں ہتھیار کو فوجی کا زیور، عزت اور آبرو کہا جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہتھیار ڈالنے کو سب سے بڑی بے غیرتی سمجھا جاتا ہے۔ اچھا فوجی اپنی جان دے دیتا ہے ہتھیار نہیں دیتا۔ انگریزوں نے ہمیں یہی ٹریننگ دی تھی۔ سپاہی خود گندا ہو تو انگریز برداشت کر لیتا تھا مگر بے برداشت نہیں کرتا تھا کہ سپاہی

کا ہتھیار گندا ہو۔ کرنل برائٹ نے جب دیکھا کہ میں جس حال میں بھی رہا، ہیوش بھی رہا، رائفل اپنے ساتھ رکھی تو اُس کا شک کم ہو گیا۔

☆

میں نے اُسے پوری تفصیل سے سنایا کہ ہماری بیٹری پر کس طرح گولہ باری شروع ہوئی تھی اور یہ کتنی شدید تھی۔

"ہمارا اوپی ہمیں فائر آرڈر دیتا رہا"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "اور ہم فائر کرتے رہے لیکن صاحب بہادر! دشمن کے جو گولے ہمارے درمیان پھٹتے تھے، ان سے پتہ چلتا تھا کہ یہ بڑی گنوں کے گولے ہیں اور یہ گنیں ہماری گنوں کے رینج سے باہر ہیں۔ پھر اوپی خاموش ہو گیا اور ہمارا بیٹری کمانڈر لیفٹیننٹ کارک صاحب مارے گئے۔ دشمن کا فائر اتنا شدید اور کارگر تھا کہ ہماری گنیں خاموش ہو گئیں۔ اوپر سے ہوائی جہازوں نے مشین گن فائرنگ کی اور ہماری بیٹری کا کوئی افسر اور جوان زندہ نہ رہا۔ میں ابھی زخمی نہیں ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کوئی بھی زندہ نہیں لیکن مجھے اپنی بیٹری کا ایک پٹھان حوالدار گل زیب نظر آیا۔ وہ زندہ تھا اور زخمی بھی نہیں تھا۔ وہ میرے پاس آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ بیٹری کی ساری نفری ماری گئی ہے۔ ایمونیشن تباہ ہو گیا ہے....

"میں نے اُس سے پوچھا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ وہ بہت دلیر آدمی تھا۔ میرا اب وہی کمانڈر تھا۔ اُس نے کہا کہ کسی گڑھے میں پوزیشن لے لو۔ دشمن کی انفنٹری ایڈوانس کر رہی ہو گی۔ ہم مقابلہ کریں گے، بھاگیں گے نہیں۔ میں حوالدار گل زیب سے دو تین قدم پرے ہٹا ہی تھا کہ ہمارے قریب ایک گولہ پھٹا۔ میں دھماکے کے دھکے سے گر پڑا۔ میرے کان بند ہو گئے اور سر چکرانے لگا۔ دماغ ٹھکانے آیا تو میں نے دیکھا کہ میرا دایاں بازو اور دائیں ٹانگ پر گہرے زخم آئے ہیں۔ میں حوالدار گل زیب کو دیکھنے لگا۔ وہ تھوڑی دُور لیٹا ہُوا تھا۔ اس کی وردی کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ قریب جا کر دیکھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تو وہ مرا ہُوا تھا....

"دشمن کی گولہ باری رُک گئی۔ میں اکیلا رہ گیا تھا۔ میں اب دشمن کا مقابلہ کر سکتا تھا کہ اُس کے ہاتھ نہ آؤں۔ میں نے رائفل اور ایمونیشن سنبھالا اور وہاں سے چل پڑا۔ پھر میرا ایک اور سفر شروع ہو گیا۔"

میں جب اُس سفر کی تفصیل سنانے لگا جو میں نے زخمی ہونے کے بعد طے کیا تو برائٹ نے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ میں اور صوبیدار نجیب اللہ بیٹھ گئے تو کرنل نے اردلی کو بلا کر ہمارے لیے چائے لانے کو کہا۔ اُس نے شاید میرے چہرے سے اندازہ کر لیا تھا کہ میں زیادہ دیر کھڑا رہنے اور مسلسل بولے چلے جانے کے قابل نہیں۔ گردن کا زخم تکلیف دے رہا تھا۔ مجھے یہ خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ یہ زخم کبھی بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔

"اگر تم تکلیف میں ہو تو زیادہ مت بولو۔" کرنل برائٹ نے کہا۔

"میں بول سکتا ہوں صاحب بہادر!" میں نے کہا۔ "میری پوری بات سُن لیں۔"

"یہ یاد رکھو کہ ملٹری پولیس بھی تمہارا بیان لے گی۔" کرنل نے کہا۔ "اگر تمہارے بیان میں ذرا بھی فرق ہُوا اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو تمہارا کورٹ مارشل ہوگا۔ ہمیں ایک تو یہ شک ہے کہ تم جاپانیوں کے جاسوس بنے رہے۔ دوسرا شک یہ ہے کہ تم انڈین نیشنل آرمی میں رہے ہو۔ تمہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ہمارے دونوں شک غلط ہیں۔"

کرنل کے دونوں شک غلط تھے۔ جاپانیوں سے تو میں بھاگا بھاگا پھر رہا تھا۔ میں اُن کا جاسوس کیسے ہو سکتا تھا۔ انڈین نیشنل آرمی کا نام سُن کر میں حیران رہ گیا کہ یہ کون سی آرمی ہے۔ میں تو انڈین آرمی کا آدمی تھا۔ مجھے بہت بعد میں پتہ چلا تھا کہ جاپانی جب برما پر بھی قابض ہو گئے اور انہیں ہندوستان کی فتح سامنے نظر آنے لگی تو ہندوؤں کے ایک لیڈر سبھاش

چندر بوس نے جاپانیوں کے ساتھ مل کر انڈین آرمی کے اُن جنگی قیدیوں کی ایک فوج بنا لی جو جاپانیوں کے قیدی کیمپوں میں تھے۔ اسے آئی۔ این۔ اے (انڈین نیشنل آرمی) کا نام دیا گیا۔

اس میں ہندو، سامان، سکھ اور عیسائی فوجی شامل تھے۔ برما فرنٹ پر کئی ہندوستانی افسر اور سپاہی بھگوڑے ہو کر آئی۔ این۔ اے میں چلے گئے تھے۔ اس فوج کو جاپان کی مدد حاصل تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جاپانی ہندوستان کو فتح کر لیں تو یہ ملک ہندو کانگرس کے حوالے کر دیں تاکہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کیا جائے۔

جاپان شکست کھا گیا تو آئی۔ این۔ اے بیکار ہو گئی۔ اس میں انڈین آرمی کے چند ایک افسر پکڑے گئے اور انہیں انگریزوں نے سزائیں دی تھیں۔ سبھاش چندر بوس جاپان چلا گیا تھا جہاں وہ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی ہوائی جہاز کے حادثے میں مارا گیا تھا۔ ہندوؤں کا خواب پورا نہ ہو سکا۔

کرنل برائٹ کو شک تھا کہ میں جنگ کا تمام عرصہ جنگل میں نہیں چھپا رہ سکتا تھا۔ میں آئی۔ این۔ اے میں رہا ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں پہلی بار انڈین نیشنل آرمی کا نام سن رہا ہوں۔ اس نے مجھ پر تھانیداروں اور وکیلوں کی طرح کئی سوال کیے۔ اسے شاید یقین ہو گیا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، درست کہہ رہا ہوں۔ اس نے مجھے کہا کہ اب میں اسے ساری بات سناؤں۔

☆

میں نے اسے ہر ایک تفصیل سنائی کہ میں عائشہ اور عبدالرحمٰن تک کیسے پہنچا، پھر میں آپ کو جو کہانی سنا چکا ہوں، وہ کرنل برائیٹ کو سنائی۔ میں نے جب مولوی شفیع الدین کے گاؤں کا اور شیروں کا ذکر کیا تو کرنل کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں چمک دیکھی میں نے کہا کہ ان معصوم لوگوں کے لیے میں جنگل کے ہر ایک درندے اور جاپانیوں کے ساتھ ٹکر لینے کو اور اپنی

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جان قربان کرنے کو تیار تھا۔

کرنل برائٹ کو میں نے بتایا کہ آپ کو میں اُس گاؤں میں لے جا سکتا ہوں۔ اگر مولوی شفیع الدین زندہ ہوئے تو میری ہر بات کو سچ ثابت کریں گے۔ مولانا عبید بھی موجود ہیں۔ کھنڈر بھی اور کھوہیں بھی موجود ہیں۔

"اور اس لڑکی کے ساتھ تمہارا تعلق کیسا تھا؟"۔۔۔ کرنل برائٹ نے پوچھا۔

میں نے اُسے مکمل طور پر سنایا کہ عائشہ کے ساتھ کیسا تعلق رہا۔ کرنل برائٹ مسکرا رہا تھا۔ میں جان گیا کہ اسے میری بات پر یقین نہیں آ رہا۔ میں نے اُسے بتایا کہ مجھ جیسا ان پڑھ فوجی اتنا شریف نہیں ہو سکتا کہ اتنی خوبصورت لڑکی کے ساتھ اتنی شرافت سے رہے۔ یہ لڑکی کی شرافت اور اس کی پاکیزگی کی قوت تھی کہ میں اس کے ساتھ کوئی قابلِ اعتراض تعلق قائم نہ کر سکا۔ میں نے کرنل برائٹ کو صاف الفاظ میں سنا دیا کہ ایک بار [illegible] کا غلبہ ہو گیا تھا لیکن اس لڑکی کے ایک تھپڑ نے مجھے انسان بنا دیا۔

انگریز افسروں میں دوسرا وصف یہ تھا کہ عورت ذات کا احترام کرتے تھے۔ میں نے جب اُسے عائشہ کی پاکیزہ خیالی، جذبۂ ایثار اور محبت کی تفصیل سنائی تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"صاحب بہادر!"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "اگر میں نے جرم کیا ہے تو مجھے سزا دیں۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں کریں، میں آپ سے یہ عرض ضرور کروں گا کہ اس لڑکی کو میں اپنے ساتھ ہندوستان لے جاؤں گا۔ آپ اس کا بندوبست کر دیں۔"

"ہمیں ابھی کچھ کارروائی کرنی ہے"۔۔۔ کرنل برائٹ نے کہا۔۔۔ "تمہیں ہسپتال بھیجا جائے گا۔ تمہارے علاج کے ساتھ ساتھ انکوائری ہو گی۔ اگر انکوائری میں تم صاف نکلے تو تمہیں انبالہ بھیج دیا جائے گا اور یہ لڑکی بھی تمہارے ساتھ جائے گی لیکن ہمیں اس لڑکی کے متعلق سب کچھ معلوم کرنا ہے۔"

☆

میں جب اس انگریز کرنل کے دفتر سے باہر نکلا تو باہر ملٹری پولیس کا ایک ہندوستانی صوبیدار کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انگریز سارجنٹ تھا۔ وہ بھی ملٹری پولیس کا تھا۔ وہ مجھے گاڑی میں بٹھا کر ہسپتال لے گئے اور وارڈ میں رکھنے کی بجائے مجھے ایک کمرے میں رکھا۔ ایک انگریز کیپٹن ڈاکٹر نے آ کر میری گردن کے زخم دیکھے۔ وہ اردو نہیں جانتا تھا کیونکہ وہ برٹش آرمی کا تھا۔

میرے یہ زخم پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے تھے۔ آپ کو جسم کے سارے زخموں کے نشان دکھا چکا ہوں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ گردن کے زخموں کے نشان کتنے بھدے ہیں۔ پیپ اور جراثیم نے یہاں گڑھے ڈال دیئے ہیں۔

اس انگریز کیپٹن ڈاکٹر نے ان زخموں کا علاج گہری دلچسپی سے شروع کر دیا۔ مجھے دوائی پلائی جاتی اور انجکشن بھی دیئے جاتے تھے۔

اس روز میری مرہم پٹی ہو چکی تو میں باہر ٹہلنے کے ارادے سے کمرے سے نکلنے لگا۔ دروازے کے ساتھ سٹول پر ملٹری پولیس کا ایک گورا سپاہی بیٹھا تھا۔ اُس نے کمرے میں رہنے کا اشارہ کیا اور باہر سے دروازے کی چٹخنی چڑھا دی۔ وہ میری نہیں سمجھتا تھا، میں اُس کی نہیں سمجھتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ میں حراست میں ہوں۔ میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سامنے والے وارڈ کے برآمدے میں خطیب عبید ابن العاص، ڈاکٹر عبدالقدوس، ڈسپنسر عبدالرحیم اور عائشہ کھڑے تھے۔ ان کے دائیں بائیں ملٹری پولیس کے گورے فوجی کھڑے تھے۔ میں بہت پریشان ہوا۔ میں باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ مجھے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ ان سب کو یہاں کیوں بلایا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ ملٹری پولیس میرے متعلق چھان بین اور تحقیقات کر رہی تھی۔ تین دن ان سب کے بیان لیے جاتے رہے۔ ان میں سے بھی کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ میرا بیان بھی قلمبند کیا گیا۔

آپ اور میرے فوجی بھائی سوچیں گے کہ ایک نائک اتنا اہم آدمی نہیں ہوتا کہ اس کے متعلق اتنی تحقیقات کی جائے۔ میں نے خود بھی یہی سوچا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا کہ میں افسر تو نہیں ہوں لیکن میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ملٹری انٹیلی جنس کو شک تھا کہ میں جاپانیوں کا جاسوس ہوں اور ایک خوبصورت لڑکی کو جاسوسی کے لیے استعمال کر رہا ہوں یا میں آئی۔ این۔ اے کا آدمی ہوں۔

یہ شک اس لیے کیا گیا تھا کہ ملایا، برما، جاوا، سماٹرا اور نیوگنی وغیرہ میں جاپانیوں کے حملے سے پہلے جاسوس موجود تھے۔ جاپانیوں کے حملے کی کامیابی کا سہرا انہی جاسوسوں کے سر تھا۔ انہوں نے جاپانی نیوی، ایئر فورس اور فوج کی راہنمائی ایسی خوبی سے کی تھی کہ انگریزوں کی فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور جاپانی طوفان کی طرح برما پر بھی قابض ہو گئے۔ اب ملایا، برما اور دیگر علاقوں سے جاپانی پسپا ہو گئے اور وہاں انگریزوں کی فوج آ گئی تھی لیکن انگریزوں کا یہ حال تھا کہ دودھ کے جلے ہوئے چھاچھ کو بھی پھونکیں مار رہے تھے۔ وہ مجھے اور عائشہ کو بھی جاسوس سمجھ رہے تھے۔

☆

میرے زخموں کا علاج بھی ہوتا رہا اور ملٹری پولیس اور انٹیلی جنس تحقیقات بھی کرتی رہی۔ پندرہ سولہ دنوں بعد میرے کمرے سے پہرہ اٹھا دیا گیا۔ میرے خلاف جو شکوک تھے وہ صاف ہو گئے تھے۔ میرے زخم بھی ٹھیک ہو گئے تھے۔ اب پٹیاں کھلنی باقی تھیں۔

مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا اور راجپوتانہ رائفلز کے ساتھ اٹیچ کر دیا گیا۔ میں نے ہسپتال کے وارڈوں میں دیکھا۔ وہاں جنگ کے زخمی کم تھے۔ زیادہ تعداد اُن جنگی قیدیوں کی تھی جنہیں جاپانیوں نے قیدی کیمپوں سے رہا کرایا گیا تھا۔ یہ سب ہڈیوں کے ڈھانچے تھے۔ ان سے بیگار لی جاتی تھی۔ ان میں ایسے بھی تھے جو بول نہیں سکتے تھے۔ خالی اور بے نور آنکھوں سے دیکھتے اور آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ جاپانیوں نے جو قیدی پکڑے تھے، ان میں سے زیادہ تر صبح سے شام تک کی مشقت اور بھوک سے مر گئے تھے۔

قیدی بناتے تھے کہ جاپانی فوجی اس علاقے سے جوان لڑکیوں کو لے آتے اور انہیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ لڑکیاں تبدیل ہوتی رہتی تھیں۔ اس قسم کی باتیں سن کر میں خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ جاپانیوں کی قید سے بچا رہا۔ اس سے زیادہ خوشی اس پر ہوتی تھی کہ عائشہ ان وحشیوں سے بچ گئی تھی لیکن جاپانی بھاگ گئے تو ملایا کے لوگوں پر یہ آفت ٹوٹی کہ انگریزوں کی فوج کے گوروں اور ہندوستانیوں نے وہاں کی عورتوں کے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیا جو جاپانی کرتے تھے۔

جنگ نے اس علاقے کی یہ حالت کر دی تھی کہ لوگوں کو روزگار نہیں ملتا تھا اور بازاروں میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ لوگ فوجی بارکوں اور ہسپتال میں صرف دو وقت روٹی کے لیے ہر قسم کا غلیظ کام کرنے کے لیے بھی موجود رہتے تھے۔ فوجی افسر اور دیگر لوگ صرف جوان عورتوں اور نوعمر لڑکوں کو کام دیتے تھے۔ ہر افسر کے کمرے میں ایک نوجوان لڑکی موجود رہتی تھی۔ ایک ڈبل روٹی یا ایک پاؤ چاولوں کے عوض عورت مل جاتی لیکن ان عورتوں میں کوئی مسلمان عورت نظر نہیں آتی تھی۔ دوسرے مذہبوں کی عورتوں نے اپنے آپ کو ذریعہ معاش بنا لیا تھا۔

یہاں میں پھر آپ کو اسلام کے رشتے کی عظمت اور کرامت بتاتا ہوں۔ انڈین آرمی کی جو یونٹیں وہاں گئی تھیں، ان میں مسلمان صوبیداروں جمعداروں (نائب صوبیداروں) عہدیداروں اور جوانوں کی اکثریت تھی۔ اس اکثریت میں زیادہ تعداد پنجابیوں کی تھی۔ ان میں پٹھان بھی تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ملک مسلمان آبادی کا ہے۔ چنانچہ وہ مسلمان عورتوں اور نوعمر لڑکوں کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ بعض مسلمان فوجی راشن چوری کر کے دو تین مسلمان گھروں میں پہنچا دیتے تھے۔ اکثر مسلمان فوجی جو صرف شہانی کی مسجدوں میں جمعہ کی نماز پڑھنے جایا کرتے تھے، شہریوں سے کہا کرتے تھے کہ اپنی جوان بیٹیوں کو باہر نہ نکلنے دیا کریں۔

آپ نے شاید سنا ہوگا کہ جنگ کے بعد آج کے انڈونیشیا کے مسلمانوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

تھا کہ میں افسر تو نہیں ہوں، لیکن میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ملٹری انٹیلی جنس کو شک تھا کہ میں جاپانیوں کا جاسوس ہوں اور ایک خوبصورت لڑکی کو جاسوسی کے لیے استعمال کر رہا ہوں یا میں آئی۔این۔اے کا آدمی ہوں۔

یہ شک اس لیے کیا گیا تھا کہ ملایا، برما، جاوا، سماٹرا اور نیوگنی وغیرہ میں جاپانیوں کے حملے سے پہلے جاسوس موجود تھے۔ جاپانیوں کے حملے کی کامیابی کا سہرا انہی جاسوسوں کے سر تھا۔ انہوں نے جاپانی نیوی، ایئر فورس اور فوج کی راہنمائی ایسی خوبی سے کی تھی کہ انگریزوں کی فوج کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور جاپانی طوفان کی طرح برما پر بھی قابض ہو گئے۔ اب ملایا، برما اور دیگر علاقوں سے جاپانی پسپا ہو گئے اور وہاں انگریزوں کی فوج آ گئی تھی لیکن انگریزوں کا یہ حال تھا کہ دودھ کے جلے ہوئے چھاچھ کو بھی پھونکیں مار رہے تھے۔ وہ مجھے اور عائشہ کو بھی جاسوس سمجھ رہے تھے۔

☆

میرے زخموں کا علاج بھی ہو رہا تھا اور ملٹری پولیس اور انٹیلی جنس تحقیقات بھی کرتی رہی۔ پندرہ سولہ دنوں بعد میرے کمرے سے پہرہ اُٹھا دیا گیا۔ میرے خلاف جو شکوک تھے وہ صاف ہو گئے تھے۔ میرے زخم بھی ٹھیک ہو گئے تھے۔ اب پٹیاں کھلنی باقی تھیں۔

مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا اور راجپوتانہ رائفلز کے ساتھ اٹیچ کر دیا گیا۔ میں نے ہسپتال کے وارڈوں میں دیکھا۔ وہاں جنگ کے زخمی کم تھے۔ زیادہ تعداد اُن جنگی قیدیوں کی تھی جنہیں جاپانیوں نے قیدی کیمپوں سے رہا کرایا گیا تھا۔ یہ سب ہڈیوں کے ڈھانچے تھے۔ ان سے بیگار لی جاتی تھی۔ ان میں ایسے بھی تھے جو بول نہیں سکتے تھے۔ خالی اور بے نور آنکھوں سے دیکھتے اور آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ جاپانیوں نے جو قیدی پکڑے تھے، ان میں سے زیادہ تر صبح سے شام تک کی مشقت اور بھوک سے مر گئے تھے۔

قیدی بنانے تھے کہ جاپانی فوجی اس علاقے سے جوان لڑکیوں کو لے آتے اور انہیں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ لڑکیاں تبدیل ہوتی رہتی تھیں۔ اس قسم کی باتیں سن کر میں خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ جاپانیوں کی قید سے بچا رہا۔ اس سے زیادہ خوشی اس پر ہوتی تھی کہ عائشہ ان وحشیوں سے بچ گئی تھی لیکن جاپانی بھاگ گئے تو ملایا کے لوگوں پر یہ آفت ٹوٹی کہ انگریزوں کی فوج کے گوروں اور ہندوستانیوں نے وہاں کی عورتوں کے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیا جو جاپانی کرتے تھے۔

جنگ نے اس علاقے کی یہ حالت کر دی تھی کہ لوگوں کو روزگار نہیں ملتا تھا اور بازاروں میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی۔ لوگ فوجی بارکوں اور ہسپتال میں صرف دو وقت روٹی کے لیے ہر قسم کا غلیظ کام کرنے کے لیے بھی موجود رہتے تھے۔ فوجی افسر اور دیگر لوگ صرف جوان عورتوں اور نوعمر لڑکوں کو کام دیتے تھے۔ ہر افسر کے کمرے میں ایک نوجوان لڑکی موجود رہتی تھی۔ ایک ڈبل روٹی یا ایک پاؤ چاولوں کے عوض عورت مل جاتی لیکن ان عورتوں میں کوئی مسلمان عورت نظر نہیں آتی تھی۔ دوسرے مذہبوں کی عورتوں نے اپنے آپ کو ذریعہ معاش بنا لیا تھا۔

یہاں میں پھر آپ کو اسلام کے رشتے کی عظمت اور کرامت بتاتا ہوں۔ انڈین آرمی کی جو یونٹیں وہاں گئی تھیں، ان میں مسلمان صوبیداروں جمعداروں (نائب صوبیداروں) عہدیداروں اور جوانوں کی اکثریت تھی۔ اس اکثریت میں زیادہ تعداد پنجابیوں کی تھی۔ ان میں پٹھان بھی تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ملک مسلمان آبادی کا ہے۔ چنانچہ وہ مسلمان عورتوں اور نوعمر لڑکوں کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ بعض مسلمان فوجی راشن چوری کر کے دو تین مسلمان گھروں میں پہنچا دیتے تھے۔ اکثر مسلمان فوجی جو صرف ثقافی کی مسجدوں میں جمعہ کی نماز پڑھنے جایا کرتے تھے، شہریوں سے کہا کرتے تھے کہ اپنی جوان بیٹیوں کو باہر نہ نکلنے دیا کریں۔

آپ نے شاید سنا ہو گا کہ جنگ کے بعد آج کے انڈونیشیا کے مسلمانوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نے انگریزوں اور ولندیزیوں کے خلاف جنگِ آزادی شروع کر دی تھی۔ وہ گوریلا جنگ لڑتے تھے۔ ان کے خلاف انڈین آرمی کو استعمال کیا گیا تھا۔ انڈین آرمی کے مسلمان انڈونیشیا کے مسلمانوں کی درپردہ مدد کرتے تھے اور بے شمار مسلمان فوجی اِدھر سے بھاگ کر انڈونیشیا کے حریت پسندوں سے جا ملے تھے۔ انڈونیشیا کی آزادی میں پنجاب اور صوبہ سرحد کے پٹھانوں کا بھی خون شامل ہے۔

یہ اسلام کا رشتہ تھا جس نے مسلمانوں کی روحوں کو پیار کی ایک لڑی میں پرو رکھا تھا۔ اس کی ایک مثال خود میں تھا۔ آپ کو سنا چکا ہوں کہ مولوی شفیع الدین نے کیا خطرہ مول لے کر مجھے اپنے پاس رکھا پھر مجھے شہر میں بھیجنے کا انتظام کیا۔

☆

میں ایک تندرست آدمی کی طرح خطیب عبید ابن العاص کے گھر گیا۔ اور اُن کے قدموں میں گر پڑا۔ وہ میرے پیر اور مرشد تھے۔ انہوں نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔ میری روح کو روشنی دکھائی تھی۔ ہسپتال میں آنے کے بعد یہ میری ان کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔ ان کی بیگم اور عائشہ بھی آگئیں۔ عائشہ کے چہرے پر رونق تھی۔ اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ ہم اب آزادی اور بے تکلفی سے نہیں مل سکتے تھے۔ خطیب صاحب نے ہمیں آزادی سے ملنے سے روک رکھا تھا۔ ہمارے لیے یہی صورت بہتر تھی۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں عائشہ کو گلے لگانے کے لیے بیتاب ہوں گا۔ نہیں۔ میں بے تاب ضرور تھا لیکن اسے گلے لگا لینے کے لیے نہیں بلکہ اس کے قدموں میں سر رکھ دینے کے لیے۔ اس کا روپ اور اس کی حیثیت بدل گئی تھی وہ میری نگاہوں میں اب وہ عائشہ نہیں تھی جسے ہم جنگ سے پہلے راستے میں کھڑے ہو کر دیکھا کرتے تھے۔ وہ اب وہ عائشہ بھی نہیں تھی جسے میں نے کھڈ میں ایک خوبصورت لڑکی کے روپ میں دیکھا تھا اور جو ندی میں میرے سامنے

نیم عریاں ہو گئی تھی۔ یہ عائشہ جو خطیب عبید ابن العاص کے گھر میں اُن کی بیگم کے ساتھ میرے سامنے بیٹھی تھی فرشتہ تھی اور اُس مقدس مخلوق میں سے تھی جسے خدا کا قرب اور تقدس حاصل ہوتا ہے۔

میں عائشہ کی مسکراتی اور چمکتی ہوئی آنکھوں کا سامنا کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو پاپی اور گناہگار سمجھ رہا تھا۔ اُسے پہلے روز دیکھ کر میں حیوان بن گیا تھا مگر وہ مجھے دیکھ کر فرشتہ بن گئی۔ اب میں اپنے آپ کو اس کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور میں بھینپ رہا تھا۔

نیکی اور بدی میں یہی فرق ہوتا ہے۔ بدانسان کے سامنے جب اُس کے گناہ آتے ہیں تو اُس کی جسمانی طاقت بھی سلب ہو جاتی ہے اور روحانی بھی۔

"تمہاری فوج کے افسر ہم سب کو جاپانیوں کا جاسوس سمجھتے رہے ہیں"۔ خطیب صاحب نے کہا۔ "انہوں نے ہم سب کے بیان لیے، پھر عائشہ سے کہا کہ انہیں اُس کھڈ میں لے چلے جہاں یہ عبدالرحمٰن کے ساتھ چھپی رہی ہے اور جہاں تم اسے ملے تھے ہیں، ڈاکٹر عبدالقدوس، ڈسپنسر عبدالرحیم، عائشہ کے ساتھ گئے تھے۔ ملٹری پولیس کا ایک انگریز افسر، ایک ہندوستانی صوبیدار اور دو اور ہندوستانی بغیر وردی کے ہمارے ساتھ گئے۔ ہم سب نے وہ کھڈ دیکھا۔ عائشہ وہاں رونے لگ گئی تھی۔ وہاں سے ہم مولوی شفیع الدین کے گاؤں گئے۔ ان کے بھی بیان لیے گئے۔ جس شیر نے تم پر حملہ کیا تھا، اُس کی کھال دیکھی اور اُس شیر کی بھی کھال دیکھی جس نے عبدالرحمٰن کو مارا تھا اور جسے تم نے مارا تھا"۔

"ان فوجیوں نے آپ کو پریشان تو نہیں کیا؟"۔ میں نے پوچھا۔

"بالکل نہیں"۔ خطیب صاحب نے جواب دیا۔ "بلکہ انگریز افسر نے مجھے کہا تھا کہ عائشہ کو گھر سے باہر نہ جانے دیا کرو اور کسی فوجی کو گھر میں داخل نہ ہونے دینا"۔

"آپ کے گھر میں کھانے پینے کی اشیاء کی قلت ہو گی؟"۔ میں نے پوچھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"شہر کے لوگ میرے گھر میں کسی چیز کی قلت نہیں ہونے دیتے۔" خطیب صاحب نے کہا۔۔۔ "ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

☆

اُس روز کے بعد میں ہر روز خطیب صاحب کے گھر جاتا تھا۔ میں راجپوتانہ رائفلز کی بارکوں میں رہتا تھا۔ میری تو جیسے روح ہی بدل گئی۔ میں کوئی اور انسان بن گیا تھا یا کسی اور ہی دنیا میں چلا گیا تھا۔ کبھی تو مجھے یقین ہونے لگتا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ عائشہ مجھے حقیقی دنیا کی لڑکی نہیں لگتی تھی۔

ایک شام کا واقعہ ہے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ میں اپنی بارک میں تھا۔ ایک ہندوستانی نائک آیا اور بلند آواز سے بولا۔۔۔ "ادھر توپخانے کا نائک مہدی کون ہے؟"۔۔۔ یہ پنجابی تھا۔

میں دوڑ کر اس کے پاس گیا تو اُس نے غصے سے پوچھا۔۔۔ "عائشہ نام کی کسی لڑکی کو تم جانتے ہو؟"

میں نے گھبرا کر کہا۔۔۔ "بہت اچھی طرح جانتا ہوں بھائی۔ کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرے ساتھ آؤ۔"۔۔۔ اُس نے کہا۔

میں اُس کے ساتھ گیا۔ وہ آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے رک کر پوچھا۔۔۔ "یہ لڑکی مسلمان ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

"میرا اس کے ساتھ وہ تعلق نہیں جس کا تمہیں شک ہے۔" میں نے جواب دیا۔۔۔ "مجھے بتاؤ کیا معاملہ ہے۔ میں تمہیں ساری بات بتاؤں گا۔ اس کے متعلق تو کورٹ آف انکوائری بھی ہو چکی ہے۔"

"آگے چلو بتاتا ہوں۔"۔۔۔ اُس نے کہا۔

میں بڑی سخت گھبراہٹ میں اُس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ یونٹ لائنز کی حدود کے باہر تین فوجی کھڑے تھے اور اُن کے ساتھ عائشہ کھڑی تھی۔

بات یہ معلوم ہوئی کہ عائشہ خطیب صاحب کے گھر سے چوری چھپے مجھے ملنے کے لیے نکل آئی تھی۔ چھاؤنی کے بازار سے گزر رہی تھی تو راجپوتانہ رائفلز کے ایک ہندو حوالدار نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ مسلمان دکاندار عائشہ کو پہچانتے تھے کہ یہ مسلمان لڑکی ہے اور اسے عبدالرحمٰن نے پالا تھا۔ انہوں نے حوالدار کو روکا لیکن وہاں فوج کی حکومت تھی۔ حوالدار کے ساتھ دو ہندو سپاہی آ ملے۔ ادھر سے یہ مسلمان نائک اپنے تین سپاہیوں کے ساتھ بازار میں سیر سپاٹے کے لیے آ گیا۔ اُسے پتہ چلا کہ یہ ہندو حوالدار ایک مسلمان لڑکی کو پریشان کر رہا ہے اور دکانداروں کو بھی ڈانٹ رہا ہے تو مسلمان نائک نے حوالدار سے کہا کہ لڑکی کو فوراً چھوڑ دو۔

حوالدار نے نائک کو طنزیہ دھتکار دیا۔ نائک نے حوالدار کے منہ پر گھونسہ مارا۔ ہندو سپاہی نائک پر ٹوٹ پڑے۔ نائک کے ساتھ کے مسلمان سپاہی ہندوؤں پر ٹوٹ پڑے۔ خوب لڑائی مار کٹائی ہوئی۔ ہندو سپاہی تو بھاگ گئے۔ حوالدار کو نائک اور اس کے ساتھیوں نے بہت مارا پیٹا۔

لڑائی ختم ہوئی تو نائک نے عائشہ سے پوچھا کہ اس کا گھر کہاں ہے۔ عائشہ نے بعد میں مجھے بتایا کہ وہ اتنی گھبرا گئی تھی کہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ وہ توپ خانے کے نائک غلام مہدی کو دیکھنے جا رہی تھی۔ وہ میری بارک سے واقف تھی۔ نائک اُسے میرے پاس لے آیا۔

میں نے جب یہ بات سنی تو عائشہ کو ڈانٹا اور اسے ساتھ لے کر خطیب صاحب کے گھر چلا گیا۔ نائک کو ساتھ رکھا تاکہ اسے عائشہ کی اصلیت کا پتہ چل جائے اور وہ بدنام نہ ہو جائے۔ راستے میں عائشہ نے مجھے بتایا کہ میں دو روز خطیب صاحب کے گھر نہیں گیا تھا اس لیے وہ میرے متعلق پریشان ہو گئی تھی۔

خطیب صاحب اُس وقت مسجد میں گئے ہوئے تھے جب عائشہ گھر سے نکلی تھی۔ میں اور نائک (جس کا میں نام بھول گیا ہوں) جب عائشہ کے ساتھ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

خطیب صاحب کے گھر گئے وہ سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ انہوں نے تین چار آدمیوں کو عائشہ کی تلاش کے لیے بھیج دیا تھا۔ عائشہ کو میرے ساتھ دیکھ کر اُن کی گھبراہٹ غصے میں بدل گئی۔ انہوں نے مجھے اور عائشہ کو بُرا بھلا کہا۔ عائشہ روتی رہی۔ اُسے خطیب صاحب نے اندر بھیج دیا۔

"یہ لڑکی عقلمند بھی ہے، پاگل بھی ہے" — عائشہ کے جانے کے بعد خطیب صاحب نے مجھ سے کہا — "تمہارے معاملے میں اس نے جہاں عقلمندی کا ثبوت دیا ہے، وہاں پاگلوں کی سی حرکتیں بھی کرتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ تم اس کے ساتھ فوراً شادی کر لو؟"

"مجھے شاید اجازت لینی پڑے گی" — میں نے جواب دیا — "اگر شادی ہو گئی تو میں اسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکوں گا۔"

"اسے میں اپنے گھر رکھوں گا" — خطیب صاحب نے کہا — "تم جیسے اب آئے ہو اسی طرح آتے رہنا۔ جب یہاں سے چلے جاؤ گے تو اسے ساتھ لے جانا .... شادی ہو جانی چاہیئے ورنہ یہ لڑکی ایسی ہی حرکتیں کرتی رہے گی جیسی آج کی ہے۔"

مجھے معلوم نہیں تھا کہ شادی کی اجازت مل جائے گی یا نہیں۔ میں خطیب صاحب سے یہ کہہ کر وہاں سے اُٹھ آیا کہ میں شادی کی اجازت لینے کی کوشش کروں گا۔

☆

صوبیدار نجیب اللہ خطیب صاحب سے بہت متاثر تھے اور عائشہ سے بھی متاثر تھے کیونکہ اس لڑکی نے میرے لیے غیر معمولی ایثار کیا تھا۔ میں نے صوبیدار صاحب کے ساتھ بات کی۔ انہیں اس شام کا واقعہ بھی سنایا۔ میں نے انہیں کہا کہ وہ مجھے شادی کی اجازت لے دیں۔

انہوں نے دوسرے دن اپنے کمپنی کمانڈر سے بات کی۔ وہ انگریز میجر تھا اُس نے ایک دو روز بعد کرنل برائٹ کے ساتھ بات کی اور مجھے کرنل برائٹ کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ میں شادی کر سکتا ہوں لیکن میں باہر نہیں

رہ سکتا۔ مجھے بارک میں عائشہ کے بغیر رہنا پڑے گا۔ کرنل برائٹ نے یہ بھی بتایا کہ مجھے بہت جلد واپس انبالہ بھیجا جا رہا تھا۔

انبالہ ہمارا ٹریننگ سنٹر تھا۔ مجھے وہیں واپس جانا تھا لیکن سمندر پار سے مجھ اکیلے کی واپسی کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ جن جنگی قیدیوں کو رہا کرایا گیا تھا، انہیں بھی واپس بھیجنا تھا۔ یہ قیدی تمام تر ملایا میں تھے۔ جنگ کے زخمی بھی تھے جنہیں ہندوستان بھیجنا تھا۔ اتنی زیادہ نفری کے لیے بحری جہاز کی ضرورت تھی۔ کرنل برائٹ نے بتایا کہ بحری جہاز آتے ہی مجھے قیدیوں کے ساتھ ہندوستان بھیج دیا جائے گا۔

مجھے شادی کے لیے تین دنوں کی چھٹی دی گئی تھی۔ میں نے ایسی سادہ اور ایسی خاموش شادی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ خطیب عبید ابن العاص کے علاوہ ڈاکٹر عبدالقدوس، ڈسپنسر عبدالرحیم اور دو اور آدمی تھے۔ میرے ساتھ صوبیدار نجیب اللہ تھے اور میرے تو بخانے کے دو حوالدار تھے۔ یہ جنگی قید سے رہا ہوئے تھے۔ خطیب صاحب نے نکاح پڑھایا اور حاضرین کو کھانا کھلایا اور شادی کی تقریب ختم ہو گئی۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ مجھے اپنا گاؤں یاد نہ آیا۔ اپنی منگیتر یاد نہ آئی۔ گھر کا کوئی فرد یاد نہ آیا۔ میں اپنے آپ کو اسی گھر کا فرد سمجھ رہا تھا جہاں میں بیٹھا تھا۔ کبھی یوں لگتا جیسے میں ملایا کے جنگلوں میں پیدا ہوا ہوں اور عائشہ کو ساتھ لے کر انہی جنگلوں میں چلا جاؤں گا۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھا، یا میرا اپنا آپ وہ نہیں رہا تھا جو ملایا میں آنے سے پہلے تھا۔ میرا ذہن اتنے بڑے حادثے کو، اتنے بڑے اور معجزہ نما انقلاب کو اور خوشی کے اتنے بڑے واقعہ کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ مجھے یاد ہی نہیں کہ خطیب صاحب نے مجھ سے کب اور کن الفاظ میں ایجاب و قبول کرایا۔

☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com

رات کو مجھے اُس کمرے میں داخل کر دیا گیا جس میں عائشہ پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اُس کا سر جھکا ہُوا تھا۔ میں نے اپنے شادی شدہ دوستوں سے شبِ عروسی کی رومانی باتیں سنی تھیں۔ جب کسی دوست کی شادی ہوتی تھی تو ہم اُس سے پہلی رات کی باتیں سنا کرتے تھے۔ میں تصوّروں میں اپنی ہونے والی دلہن کے ساتھ شبِ عروسی منایا کرتا تھا مگر میں کمرۂ عروسی میں داخل ہُوا تو میرا ذہن ان تصوّروں سے خالی تھا۔ عائشہ جیسی خوبصورت لڑکی کو اپنی ملکیت میں دیکھ کر بھی مجھ پر رومانی کیفیت طاری نہ ہوئی۔ مجھے توقع تھی کہ وہ اُٹھ کر میرے ساتھ لپٹ جائے گی مگر وہ بے حس بیٹھی رہی۔ میرے دل پر خوف سا طاری ہو گیا۔

میں آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ میں کمرے میں اِدھر اُدھر یوں دیکھ رہا تھا جیسے مجھے کسی پھندے میں پھانسا جا رہا ہو اور دو چار آدمی کہیں سے نکل کر مجھے قتل کر دیں گے۔ میں اندر سے کانپ رہا تھا۔ آپ کو توقع ہو گی کہ میں آپ کو رومانی اور پُر لطف باتیں سناؤں گا لیکن میں آپ کو اور یہ کہانی پڑھنے والوں کو مایوس کروں گا۔ میرا خوف کچھ ایسا تھا جیسے کمرۂ عروسی آسیب زدہ ہو اور عائشہ اسی آسیب کا ایک حصہ ہو۔

میں نے قریب جا کر عائشہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں سرگوشی کی ــــ "عائشہ!"

اُس نے سر نہ اُٹھایا۔ میرے ڈر میں اضافہ ہو گیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر تھاما اور سر اوپر اٹھایا۔ عائشہ نے مجھے دیکھا۔ ہر نئی دلہن کی طرح اس کی آنکھوں میں آنسو، چہرے پر حیا کی سرخی اور ہونٹوں پر شرمیلا سا تبسّم ہونا چاہیئے تھا مگر اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، چہرہ خالی خالی سا تھا اور ہونٹوں پر تبسّم نہیں تھا۔ البتّہ اس کے حسن میں کوئی ایسا طلسماتی تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ میں بے قابو ہو گیا۔ میرے جسم میں وہ طاقت لوٹ آئی تھی جو زخمی ہونے سے پہلے ہُوا کرتی تھی۔ میں نے عائشہ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا جیسے ماں نے اپنے دودھ پیتے بچے کو اُٹھا لیا ہو۔

وہ زندہ تھی۔ اس کا جسم گرم تھا۔ اس کے بالوں میں خوشبو تھی۔ اس کی سانسوں میں جوانی کی تپش اور خوشبو تھی۔ یہ وہی عائشہ تھی جسے میں ندی میں سے نیم عریاں حالت میں اٹھا کر جھاڑ پات کی اوٹ میں لے گیا تھا۔ میں اپنے اصلی روپ میں آ گیا۔ میں تو پسخانے کا ناٹک بن گیا۔ دل سے خوف اُتر گیا۔

مجھے بعد میں یاد آیا کہ عائشہ نے میرے کان میں سرگوشی کی تھی ــــ "کچھ نفل پڑھ لیں" ــــ میں نے اس سرگوشی کو یوں کانوں میں ہی کہیں ہضم کر لیا تھا جیسے ہوا کا جھونکا قریب سے گزر گیا ہو۔

"میں نے چالیس نفلوں کا نذرانہ مانا تھا" ــــ مجھے عائشہ کی ذرا بلند سرگوشی سنائی دی تھی مگر میں صوم و صلوٰۃ اور نوافل کی دنیا سے نکل گیا تھا۔ مجھ پر وہی آسیب غالب آ گیا تھا جو اُس وقت غالب آیا تھا جس وقت ندی میں عائشہ نے اپنی قمیض اتار دی تھی اور بچّوں کی طرح مجھ پر پانی اُچھالنے لگی تھی۔ اُس وقت عائشہ کے ایک ہی تھپڑ نے میرا آسیب غائب کر دیا تھا مگر اب اُس نے مجھے تھپڑ نہ مارا۔ شاید اس لیے کہ اب وہ میری بیوی بن گئی تھی۔ اب وہ میرے پاگل پن کو گناہ نہیں سمجھتی تھی۔

"تم بھی پہلے خدا کا شکرانہ ادا کر لو" ــــ مجھے عائشہ کی ذرا اور بلند آواز سنائی دی تھی ــــ "خدا نے ہم دونوں کو نئی زندگی عطا کی ہے اور اس زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا ہے"

میں نے اُس کی اس آواز کو بھی ہوا کا جھونکا سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

رات آدھی گذر گئی تھی۔ میری حالت اُس بھنورے کی سی تھی جو کلی کا رس چوس چکا ہو۔ کلی مرجھائی پڑی تھی۔ میں اپنے آپ میں آ چکا تھا۔ مجھے یاد آنے لگا کہ عائشہ نے مجھے شکرانے کے نفل پڑھنے کو کہا تھا۔ میرے دل پر کچھ ایسا اثر ہُوا کہ دل گھبرانے لگا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ مجھے تو خوشی سے مدہوش ہو جانا چاہیئے تھا مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی ان ہونی بات ہونے والی ہو۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"شکرانے کے نفل صبح پڑھیں گے"۔۔۔ میں نے کہا۔

"اب کیا فائدہ!"۔۔۔ عائشہ نے آہ بھر کر کہا۔

"کیوں؟" میں نے کہا۔۔۔ "نفلوں کے لیے کوئی وقت تو مقرر نہیں"

"وقت گزر گیا ہے"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔

اُس کے لہجے میں اداسی تھی جو میں نے دُور کرنے کی بہت کوشش کی مگر میں کامیاب نہ ہو سکا۔ میں نے پریشان ہو کر عائشہ سے معافی مانگی۔

اُس نے کہا۔۔۔ "معافی خدا سے مانگو۔ جب وقت تھا تو آپ نے خدا کی آواز پر کان نہیں دھرے۔ ہمیں آج کا دن خدا نے دکھایا ہے"۔۔۔ وہ بولتی رہی اور میں سنتا رہا۔

پھر ہم سو گئے۔ اذان کے ساتھ میری آنکھ کھلی۔ عائشہ معلوم نہیں کس وقت اُٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ میرے دل پر خوف سا طاری ہو گیا۔ میں اُٹھ بیٹھا اتنے میں عائشہ آ گئی اور میرے پاس بیٹھ گئی۔

"آپ مجھے اپنے وطن لے جائیں گے؟"۔۔۔ اُس نے پوچھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟"۔۔۔ میں نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم یہیں رہیں؟"۔۔۔ عائشہ نے پوچھا۔

"نہیں"۔۔۔ میں نے جواب دیا۔۔۔ "میں اپنی مرضی سے نوکری نہیں چھوڑ سکتا۔ جس دن بحری جہاز آ گیا، مجھے واپس ہندوستان بھیج دیں گے"

"یہیں رہو"۔۔۔ اُس نے بڑے ہی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تم اپنے وطن کو چھوڑنا نہیں چاہتیں"۔۔۔ میں نے کہا۔۔۔ "یہاں تمہارا کون ہے جس کے پاس رہو گی؟"

"میں اکیلی یہاں نہیں رہنا چاہتی"۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ "آپ کے ساتھ رہوں گی"

"پھر تمہیں میرے وطن چلنا پڑے گا"۔۔۔ میں نے کہا۔

میرا خیال تھا کہ وہ اپنے آبائی وطن سے اتنی دور پردیس جانے سے گھبرا

رہی تھی۔ شاید سوچتی ہو گی کہ اجنبی زبان بولنے والے اجنبی لوگوں کے ساتھ رہ نہیں سکے گی۔ میں اُسے تسلیاں دینے لگا اور اُسے یاد دلایا کہ اُس نے جنگل میں ایک بار کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ شادی کر کے میرے وطن جائے گی، مگر اُس کا لب و لہجہ عجیب سا تھا۔ میری کوئی دلیل اس پر اثر نہیں کر رہی تھی۔

"معلوم نہیں مجھے تمہارے ساتھ جانے سے کیوں ڈر لگ رہا ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "یہ ہم دونوں کے لیے اچھا نہیں ہو گا۔ نکاح تک میں خوش تھی۔ نکاح کے فوراً بعد میرا دل کسی خوف کی گرفت میں آ گیا ہے۔ میں نے خطیب صاحب کی بیگم سے بھی کہا تھا کہ معلوم نہیں میں کیوں ڈر رہی ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ لڑکی کے لیے شادی بہت بڑا انقلاب ہوتا ہے جسے اُس کا ذہن ذرا دیر سے قبول کرتا ہے۔ اس کے علاوہ شادی کے وقت مرے ہوئے عزیز بہت یاد آتے ہیں۔۔۔۔ میں ان کی باتیں سن کر چپ ہو گئی تھی۔ مجھے نہ اس انقلاب سے ڈر آیا ہے نہ مجھے کوئی اپنا یاد آیا ہے۔ مجھے خدا کی ذات کے سوا کوئی اور تسلی نہیں دے سکتا۔ میرا ارادہ تھا کہ آپ آئیں گے تو ہم دونوں خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے مگر آپ نے خدا کی ذات کو دل سے اتار دیا اور اس دل پر مجھے بلکہ میرے جسم کو غالب کر لیا۔ اس سے میرا ڈر اور زیادہ بڑھ گیا ہے"

"میں خدا سے معافی مانگ لوں گا"۔۔۔ میں نے کہا۔

"وقت گزر گیا ہے"۔۔۔ اُس نے کہا اور اُس نے اپنے آپ سے بات کرنے کے لہجے میں سرگوشی کی۔۔۔ "وقت گزر گیا ہے"

میں یوں اُٹھا جیسے مجھ پر کوئی من بوجھ پڑا ہوا ہو۔ اُس رات تک مجھے معلوم نہیں تھا کہ ضمیر کیا ہوتا ہے۔ عائشہ نے جب مجھے کہا کہ سب سے پہلے خدا کے حضور شکرانے کے نفل پڑھنے تھے، مگر میں نے خدا کو فراموش کر کے اس کے جسم کو دل پر غالب کر لیا تو اس بوجھ کو میں سمجھ گیا جو میرے دل پر آ پڑا تھا۔ یہ گناہ کا بوجھ تھا جو میرے ضمیر پر رکھ دیا گیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں مسجد میں چلا گیا اور نہا دھو کر نماز پڑھی۔ خدا سے معافی مانگی۔ اس کے بعد میں خطیب صاحب کے پاس جا بیٹھا۔ میں انہیں بتانا چاہتا تھا کہ رات مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے لیکن ہمت نہ پڑی۔

☆

دوسری رات بھی عائشہ اداس اور پریشان رہی۔ مجھے اس پر غصہ آنے لگا لیکن اُس کی ذہنی حالت دیکھ کر میں نے غصہ پی لیا۔ ہم سو گئے۔ آدھی رات کے بعد کا وقت ہوگا۔ عائشہ نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں ہڑبڑا کر اُٹھا اور پوچھا کیا ہو گیا ہے؟

اپنے وطن جانے کا ارادہ دل سے نکال دو"۔ اُس نے کہا۔

"تم یہیں رہو"۔ میں نے غصّے سے کہا۔ "میں اپنے وطن نہیں جانا چاہوں گا تو بھی مجھے بھیجا جائے گا کیونکہ میں فوجی ہوں"

"آؤ جنگل میں نکل چلیں"۔ عائشہ نے کہا۔ "مولوی شفیع الدین کے گاؤں چلے چلیں۔ وہاں آپ کو کوئی نہیں پکڑ سکے گا"

"مجھے زیادہ پریشان نہ کرو عائشہ!"۔ میں نے کہا۔ "اگر تمہیں میرے ساتھ محبت ہے تو بتاؤ کہ تمہارے دل میں کیا ہے"

"آپ کو یاد ہوگا کہ جس روز مولوی شفیع الدین کے گاؤں سے آپ شیر کو مارنے کے لیے چلے تھے تو میں نے آپ کو جانے سے روکا تھا"۔ اُس نے کہا۔ "مجھے خواب میں ایک اشارہ ملا تھا جسے میں بیان نہیں کر سکتی۔ یہ خطرے کا اشارہ تھا۔ آپ خطرے میں جا رہے تھے۔ آپ نہ مانے اور اس کا جو نتیجہ سامنے آیا، اسے آپ ساری عمر نہیں بھول سکیں گے۔ اب پھر مجھے ایسے ہی اشارے مل رہے ہیں۔ میں نے ابھی ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ سیاہ رنگ کا سمندر ہے اور ہم دونوں اس میں تیر رہے ہیں۔ ایک بہت بڑی مچھلی مجھے نگل لیتی ہے"

"خوابوں پر مت یقین کرو عائشہ!"

"انسان سے جو مجھے ملا کرتے ہیں وہ بے معنی نہیں ہوا کرتے"۔ اُس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "آپ نے مجھے خدا کا شکرانہ ادا کرنے کی مہلت نہیں دی تھی"

"اگر خدا مجھے سزا دینا چاہے گا تو یہاں ہی دے دے گا"۔ میں نے کہا۔ "یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میرے وطن میں ہی خدا مجھے سزا دے گا؟"

"خدا کے لیے اپنے وطن نہ جاؤ"۔ اس نے کہا۔ "میں جانے سے انکار نہیں کر رہی۔ میں آپ کو روک رہی ہوں"

میں کوئی عالم فاضل نہیں تھا۔ ان پڑھ دیہاتی اور فوجی تھا۔ فوج میں آ کر اردو لکھنی پڑھنی سیکھی تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ دیہاتی توہم پرست ہوتے ہیں۔ مجھے یاد تھا کہ عائشہ نے رو رو کر روکا تھا کہ میں شیر کو مارنے کے لیے نہ جاؤں۔ اُس وقت بھی اُس نے ایک خواب سے مجھے ڈرایا تھا مگر میں چلا گیا اور شیر نے میرا جو حال کیا وہ میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ اب عائشہ پھر مجھے روک رہی تھی اور خواب سے ڈرا رہی تھی۔ میں اس کی باتوں سے اتنا نہ ڈرا جتنا اُس کے ڈرے سہمے ہوئے انداز اور انوکھے سے لب و لہجے سے ڈرا۔

میں نے خطیب صاحب سے بات کی۔ انہوں نے مجھے وہی وجہ بتائی جو اُن کی بیگم عائشہ کو بتا چکی تھیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ عائشہ ابھی نوعمر ہے۔ اپنا وطن چھوڑنے سے گھبرا رہی ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ عائشہ کی ذہنی کیفیت کیا ہو گئی ہے اور اُس نے جو خواب دیکھا ہے وہ اُس کے دل پر خوف بن کر بیٹھ گیا ہے۔

"اُس کا ایک خواب سچا ہو چکا ہے"۔ میں نے کہا۔ "آپ کوئی ایسا تعویذ لکھ دیں جو خطرے کو ٹال دے"

"جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ تعویذوں سے نہیں ٹل سکتا"۔ انہوں نے کہا۔ "نیک بنو۔ انسانوں کے کام آؤ۔ خدا کو یاد کرو۔ انسان کو سب سے زیادہ ڈر موت کا ہوتا ہے۔ موت تعویذوں سے نہیں ٹل سکتی۔ آج کا دن یوں گزارو

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جیسے یہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہے اور آج تمہیں اپنے اعمال کے ساتھ خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔ دل سے یہ خوش فہمی نکال دو کہ تمہاری عمر بہت لمبی ہے۔ تمہارے ساتھ یہ جو حادثہ ہُوا ہے، یہ اتنا بھیانک اور اتنا انوکھا ہے کہ تمہارا اور عائشہ کا ذہن اسے قبول کرلے سے گھبرا رہا ہے۔ تم دونوں کا وہم اور ڈر بجا ہے۔ میں عائشہ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا اور تم اپنے آپ کو سمجھاؤ۔"

مجھے شادی کے لیے تین روز کی جو چھٹی دی گئی تھی، وہ ختم ہوگئی۔ میں عائشہ کو تسلیاں دے کر بارک میں چلا گیا۔

☆

ایک مہینے سے کچھ دن اوپر گزر گئے۔ عائشہ خطیب صاحب کے گھر رہی۔ میں کبھی اجازت لے کر اور کبھی چوری چھپے رات کو عائشہ کے پاس چلا جاتا تھا۔ خطیب صاحب کے سمجھانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہُوا تھا۔ روز بروز اُس کا خوف اور وہم پختہ ہوتا جارہا تھا۔

آخر وہ دن آیا کہ مجھے حکم ملا کہ ایک بحری جہاز کلکتہ جارہا ہے اور میں جانے کی تیاری کروں۔ مجھے عائشہ کو ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی۔

عائشہ اب بھی ضد کرنے لگی کہ میں اسے ساتھ لے کر اپنے وطن نہ جاؤں۔ میں نے غصّے سے بھی اور پیار سے بھی سمجھایا، پھر اسے خطیب صاحب اور اُن کی بیوی نے بھی سمجھایا تو وہ ہم تینوں کی خوشی کی خاطر مان گئی۔ وہ دل سے راضی نہیں تھی۔

روانگی کے روز میں خطیب صاحب سے بڑے بوجھل دل سے رخصت ہُوا۔ عائشہ نے بھی میری طرح اُن کے پاؤں چھوئے اور اُن کے ہاتھ چوم کر بولی کہ اب ہم کبھی نہیں مل سکیں گے۔

ہمیں ٹرک سے بندرگاہ تک پہنچایا گیا۔ چار پانچ ٹرک تھے جو قیدیوں سے بھرے ہوتے تھے۔ زخمی بھی تھے۔ ہمیں جہاز پر سوار کرا دیا گیا۔ دن کے پچھلے پہر جہاز بندرگاہ سے نکلا۔ ملایا کا جنگل پیچھے ہٹنے لگا۔ میں اور عائشہ فوجیوں

کے ہجوم میں اوپر کھڑے تھے۔ عائشہ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔

جہاز ساحل سے دُور نکل گیا۔ ہم سے ذرا ہی پرے ایک مریل سا فوجی کھڑا تھا۔ اُس نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ شور اُٹھا۔ جہاز کے ملاح دوڑے آئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ آدمی گر پڑا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ اُس نے خود چھلانگ لگائی ہے تو ملاح خاموش اور مطمئن ہوگئے۔ تھوڑی دُور تک اس آدمی کا سر نظر آتا رہا پھر سر بھی غائب ہوگیا۔ میں نے عائشہ کی طرف دیکھا۔ اُس کا اتنا دل کش رنگ اڑ گیا تھا۔

"بہت بُرا شگون ہے"۔۔۔ عائشہ نے کہا۔

میرے دل پر بھی بوجھ آپڑا۔ ہمارے قریب کھڑے فوجیوں نے بتایا کہ خودکشی کرنے والا جنگی قید میں رہا تھا۔ اس نے فرار کی کوشش کی تھی لیکن پکڑا گیا تھا۔ جاپانیوں نے اسے ایسی ایسی اذیتیں دیں کہ اس کے جسم کے نازک حصّے بیکار ہوگئے۔ رہائی کے بعد ڈاکٹروں نے اسے کہا تھا کہ اس میں جو جسمانی نقائص پیدا ہوگئے ہیں وہ ٹھیک نہیں ہوسکتے۔ یہ زندگی سے مایوس ہوگیا تھا۔

☆

ملایا کے جنگل اُفق میں ڈوب گئے۔ اب ایک بے بحری جہاز تھا اور ہر طرف پانی۔ دنیا کی کوئی اور چیز نظر نہیں آتی تھی۔ اُفق کا وسیع دائرہ تھا جس میں ہمارا جہاز چلا جارہا تھا۔ جہاز میں عائشہ اکیلی عورت نہیں تھی۔ برما ملایا وغیرہ کی چند اور عورتیں بھی تھیں۔ بعض جوان اور کچھ ادھیڑ عمر تھیں۔ اُن کے لباس، چہرے مہرے اور انداز بتاتے تھے کہ وہ معمولی قسم کی عورتیں نہیں۔ وہ جہاز کے کیبنوں میں افسروں کی طرح رہتی تھیں۔ بیس پچیس معمولی قسم کی بھی تھیں۔ یہ غالباً اچھی قسم کی عورتوں کی نوکرانیاں تھیں۔ باقی سب فوجی تھے جو افواہوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو سچ ماننے اور انہی سے دل بہلاتے تھے۔ میرے یہ فوجی بھائی بتاتے تھے کہ یہ خوبصورت اور خوش پوش عورتیں انگریزوں کی جاسوس ہیں۔ بعض انہیں جاپانیوں کی جاسوس بھی کہتے تھے۔

ایک روز وہ عائشہ کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ عائشہ واپس آئی تو وہ خوش نظر نہیں آ رہی تھی۔ اُس نے بتایا کہ یہ عورتیں انگریز افسروں کی بیویاں ہیں۔ ان میں بہت سی عائشہ کی طرح کہیں نہ کہیں چھپی رہی تھیں اور جاپانیوں کے جانے کے بعد انگریز افسروں نے اُن کے ساتھ شادیاں کر لی ہیں۔ مجھے یہ بات غلط معلوم ہوتی تھی۔ عائشہ نے بتایا کہ وہ شراب پیتی ہیں اور اسے بھی شراب پینے کو کہتی تھیں۔ بہت چالاک اور بے حیا سی عورتیں تھیں۔ عائشہ سے انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس نے چھوٹے سے عہدے کے فوجی کے ساتھ شادی کر کے غلطی کی ہے۔ اس کے بعد عائشہ ان کے ساتھ ان کے گھروں میں نہ گئی۔ عرشے پر وہ آتی تھیں تو عائشہ کو اپنے پاس بلا کر ہنستی کھیلتی رہتی تھیں۔

بحری جہاز چلا جا رہا تھا۔ دن پہ دن گزرتے جا رہے تھے۔ میں اپنی یونٹ کے ساتھ جنگ سے پہلے ملایا گیا تھا تو کلکتہ سے ملایا تک اتنے دنوں میں جہاز پہنچ گیا تھا۔ اب ساحل دُور سے بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہمیں بتایا گیا کہ جہاز دراصل راستے سے ہٹ کر بہت دُور کھلے سمندر میں جا رہا ہے اور اس کی رفتار کم رکھی گئی ہے کیونکہ جنگ کے دوران جاپانی بحریہ نے سمندر میں بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں تاکہ انگریزوں کی بحریہ کے حملے کو روکا جا سکے۔ انگریزوں کے دو تین بحری جہاز جوابی حملے میں بارودی سرنگوں سے تباہ ہو گئے تھے۔ اب سرنگیں صاف کی جا رہی تھیں۔

ایک صبح ہم عرشے پر گئے تو سمندر کا رنگ نیلے کی بجائے سیاہ کالا تھا۔ ساحل سے کچھ دُور تک سمندر کا رنگ نیلا اور کھلے اور گہرے سمندر کا رنگ گہرا نیلا ہوتا ہے۔ یہی دو رنگ تھے جو میں نے ملایا کو جاتے ہوئے دیکھے تھے۔ پتہ چلا کہ یہ سمندر بہت زیادہ گہرا ہے، اس لیے اس کا رنگ سیاہ لگتا ہے۔ اس کا پانی بالکل شفاف

ہے۔ ہمارا جہاز راستے سے اتنی دُور ہٹ گیا تھا کہ جزائر انڈیمان کے قریب سے گزر رہا تھا۔

پڑھنے والوں کی دلچسپی کے لیے میں ذکر کرتا ہوں کہ آپ نے سنا ہوگا کہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں بعض قاتلوں کو "عمر قید عبور دریائے شور" کی سزا دی جاتی تھی۔ عام زبان میں اسے کالا پانی کی سزا کہا جاتا تھا۔ "فلاں کو کالا پانی بھیج دیا گیا ہے"۔ ان قیدیوں کو جزائر انڈیمان بھیج دیا جاتا تھا۔ انڈیمان کھلا قید خانہ تھا جو اس کالے سمندر کا ایک جزیرہ ہے اور اس کے ساتھ کئی اور جزیرے ہیں۔

میں اور عائشہ اوپر کھڑے کالے سمندر کو دیکھ رہے تھے۔ عائشہ جنگلے پر جھکی ہوئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی اور اُس نے سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے میری کلائی پکڑ لی۔ اس کی انگلیاں میری کلائی میں دھنسنے لگیں۔ پھر وہ میرے قریب ہو گئی۔ میں نے محسوس کیا جیسے وہ کانپ رہی ہو۔

"نہیں۔ نہیں"۔ اُس کے منہ سے سرگوشی نکلی۔ "ایسا نہیں ہوگا"۔

"کیا نہیں ہوگا؟"۔ میں نے پوچھا۔

"وہ سمندر ایسا ہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا"۔ اُس نے اکھڑی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے کہا تھا نا کہ یہیں رہو، اپنے وطن نہ جاؤ"۔

"پھر وہی وہم؟"

"وہم نہیں مہدی!"۔ اُس نے کہا۔ "چلو نیچے جا کر خدا کو یاد کریں۔ یہ سیاہ سمندر ہمیں آگے نہیں جانے دے گا"۔

مجھے عائشہ پر ترس بھی آ رہا تھا اور غصہ بھی۔ اس کا معصوم سا چہرہ دیکھ کر وہ مجھے ڈرا ہوا بچہ لگتی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی کہ ہمارا جہاز نہیں ڈوبے گا مگر اچانک خیال آ گیا کہ سمندر میں بارودی سرنگیں ہیں۔ جہاز ان میں سے کسی ایک سے ٹکرا کر تباہ ہو سکتا ہے۔

میں بھی ڈرنے لگا۔ میں عائشہ کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ وہ وضو کر کے قرآن مجید پڑھنے بیٹھ گئی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

ہم بھر اوپر گئے تو سمندر اور زیادہ کالا ہو گیا تھا۔ عائشہ کے چہرے پر خوف اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ میری تسلیاں اسے بہلا نہ سکیں۔ دوسرے دن جہاز کالے پانی سے نکل آیا تھا اور سمندر کا رنگ دل کش نیلا ہو گیا تھا۔ میں نے عائشہ سے کہا۔ "خدا نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے۔ تم نے خواب میں جو کالا سمندر دیکھا تھا، اس سے جہاز خیریت سے نکل آیا ہے۔"

"میرا خواب آدھا سچا ہو چکا ہے"۔ اس نے کہا۔ "آگے معلوم نہیں کیا ہو گا۔"

یہ خوفزدگی اور ایسی گھبراہٹ عائشہ کی طبیعت میں نہیں تھی۔ اس کا دماغ بھی نہایت اچھا تھا اور اس میں جرأت بھی تھی۔ اس نے مجھے جس طرح بچایا تھا اور جس طرح مجھے خطیب عبید ابن العاص تک پہنچایا تھا، اس سے آپ نے اندازہ کیا ہو گا کہ وہ کتنی عقل اور جرأت والی تھی۔ اسے جب میں خوف اور گھبراہٹ میں دیکھتا تھا تو میں بھی ڈر جاتا تھا۔

جہاز جب کلکتہ کے ساحل پر لگا تو ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ ہمیں ایک ریسٹ کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ دو چار روز بعد مجھے، عائشہ کو اور توپ خانے کے چند ایک سابق قیدیوں کو انبالہ روانہ کر دیا گیا۔ وہاں میرے لیے کوئی فیملی کوارٹر نہیں تھا۔ اپنے علاقے کے رہنے والے ایک انسٹرکٹر حوالدار کے فیملی کوارٹر میں عائشہ کو رکھا۔

میرے لیے دو مشکلات تھیں۔ ایک یہ کہ عائشہ بہت خوبصورت تھی اور ملایا کی رہنے والی تھی۔ میرے فوجی بھائی اور افسر اسے قریب سے دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ دوسری مشکل یہ کہ مجھے یہ ساری کہانی بار بار سنانی پڑتی تھی جو میں آپ کو سنا رہا ہوں۔

وہاں مجھے پتہ چلا کہ میرے گھر والوں کو میرے متعلق یہ اطلاع دی گئی

تھی کہ میں لاپتہ ہوں، شاید مارا گیا ہوں۔ سرکاری طور پر میرے مارے جانے کا تقریباً یقین کر لیا گیا تھا کیونکہ میری بٹری کا کوئی ایک بھی افسر اور جوان زندہ نہیں بچا تھا۔ میں نے گھر والوں کو خط لکھا کہ میں زندہ ہوں اور آ رہا ہوں۔ میں نے یہ نہ لکھا کہ میں نے شادی کر لی ہے اور بیوی کو بھی لا رہا ہوں۔

بارہ چودہ دنوں بعد مجھے جنگ کے تمام عرصے کی تنخواہ ملی اور دو ماہ کی چھٹی بھی۔ میں عائشہ کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوا اور اپنے گاؤں پہنچا۔ میں اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے لیے مر چکا تھا۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ مجھے زندہ دیکھ کر خوشی سے ان کا کیا حال ہوا ہو گا۔ میری ماں رو رو کر ادھ موئی ہو چکی تھی۔ مجھے گلے لگا کر وہ بھول ہی گئی کہ مجھے کسی اور سے بھی ملنا ہے۔ بہت دیر بعد اُسے مجھ سے الگ کیا گیا۔ سارا گاؤں ہمارے گھر اکٹھا ہو گیا۔

میرے عزیز رشتہ دار مجھے دیکھ کر جتنا خوش ہوئے، اس سے زیادہ عائشہ کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ یہ میری بیوی ہے تو سب پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ دیہاتی معاشرے میں یہ بڑا ہی عجیب تھا کہ ایک دیہاتی غیر ملک سے بیوی لایا ہو۔ یہاں تو آج بھی یہ رواج ہے کہ برادری سے باہر شادی کرنے کو جرم سمجھا جاتا ہے۔ میں نے اپنے گھر والوں کو سنایا کہ اس لڑکی نے کس طرح میری جان بچائی ہے اور اگر یہ نہ ہوتی تو میں جنگل میں مر گیا ہوتا یا جاپانیوں کی قید میں بڑی ہی بُری موت مرتا۔

یہ داستان سن کر میری ماں نے عائشہ کو ویسے ہی دیوانہ وار گلے لگا لیا جس طرح اُس نے مجھے لگایا تھا۔ میرے قریبی رشتہ داروں نے بھی عائشہ کو قبول کر لیا مگر برادری کا ردِعمل اور رویّہ کچھ اور تھا۔ میں گہری تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ مختصر یہ کہ برادری نے میرے اور عائشہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جنگ کے دوران پنجاب کے ہر گاؤں کے جوان فوج میں بھرتی ہو گئے تھے ان میں کئی مر بھی گئے اور لڑ رہے تھے۔ ہمارے گاؤں کے بھی کچھ جوان وہ علاقے دیکھ آئے تھے۔ عائشہ کی خوبصورتی دیکھ کر وہ حسد کرنے لگے۔ انہوں نے گاؤں والوں کو اس قسم کی باتیں سنائیں کہ برما، ملایا وغیرہ کی لڑکیاں فوجیوں کی تفریح کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور عائشہ انہی طوائفوں میں سے ہے اور ان میں سے کسی سے کہو کہ میرے ساتھ شادی کر لو تو وہ خدا کا شکر ادا کرتی ہے۔

مجھے اور عائشہ کو سب سے زیادہ بدنام تو میری منگیتر کے والدین نے کیا۔

آپ یوں سمجھ لیں کہ میں ملایا کے خطرناک جنگل سے نکل کر آیا تھا۔ اپنے گاؤں میں بھی وہی جنگل دیکھا۔ میں ایک جنگل سے نکل کر دوسرے جنگل میں آ گیا تھا جہاں کے لوگ ملایا کے دیاک اور ایبان جیسے جنگلیوں سے زیادہ وحشی اور بے رحم تھے۔ عائشہ گاؤں کی عورتوں اور لڑکیوں کے لیے تماشہ بنی ہوئی تھی لیکن وہ ان میں خوش رہتی تھی۔

آپ ذرا میری کہانی کی ابتدا یاد کریں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ گاؤں میں میری منگنی ہو چکی تھی اور میں اتنی جلدی شادی کے لیے تیار نہیں تھا جتنی جلدی لڑکی کے ماں باپ کہہ رہے تھے۔ ہماری مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ میں نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ میں تین سال بعد شادی کروں گا۔ مجھے ملایا بھیج دیا گیا۔ میری بہن نے میری منگیتر سے کہا تھا کہ مہدی تین سال سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔ اس کے جواب میں منگیتر نے کہا تھا کہ وہ ساری عمر میرا انتظار کرے گی، کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔

میں ملایا گیا تو جنگ شروع ہو گئی۔ وہاں جب میری ملاقات عائشہ سے ہوئی تو مجھے اپنی منگیتر کئی بار یاد آئی تھی۔ میں یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ میرے گھر میری موت کی اطلاع جا چکی ہو گی اور میری منگیتر کی شادی کسی اور کے ساتھ کر دی گئی ہو گی۔ دیہات میں لڑکیوں کی کون سنتا ہے، مگر میں گاؤں میں چار سال

بعد واپس آیا تو پتہ چلا کہ میری منگیتر نے اپنا عہد پورا کیا ہے۔

اسے دراصل پاگل قرار دیا جا چکا تھا۔ مجھے گھر والوں نے اور میرے دوستوں نے بھی سنایا کہ میرے گھر میرے لاپتہ ہونے اور "شاید" مر جانے کی سرکاری اطلاع پہنچی تو میرے گھر کہرام بپا ہو گیا۔ میری منگیتر بھی بین کرتی تھی۔ اُسے اپنے ماں باپ نے ایسا کرنے سے منع کیا اور اسے مارا پیٹا بھی لیکن وہ میرا ماتم اس طرح کرتی رہی جیسے میں اُس کا خاوند تھا اور وہ بیوہ ہو گئی ہو۔

میرا ماتم ختم ہوا تو میری منگیتر کا رشتہ مانگنے والے چل پڑے۔ لڑکی کے ماں باپ نے ایک لڑکا پسند کر کے اس کی منگنی کر دی۔ لڑکی نے شادی سے انکار کر دیا۔ باپ نے لڑکی کو مار مار کر بیہوش کر دیا۔ وہ پھر بھی انکار کرتی رہی۔ وہ میرے گھر آ جاتی اور بہت دیر میری ماں کے پاس بیٹھی اور روتی رہتی تھی۔

اس کے ماں باپ نے ایک اور گھر میں اس کی بات پکی کر دی۔ لڑکی نے صاف الفاظ میں کہنا شروع کر دیا کہ وہ میرا انتظار کرے گی۔ اسے جب کہا جاتا تھا کہ مہدی مر گیا ہے تو وہ کہتی تھی — "مہدی زندہ ہے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ مہدی زندہ ہے۔"

اُس نے یہ دلیرانہ حرکت بھی کی کہ جس لڑکے کے ساتھ اُس کی بات پکی ہوئی تھی، ایک روز اُسے کھیتوں میں جا کر کہا کہ میں تمہیں بالکل قبول نہیں کروں گی۔ اگر تم مجھے زبردستی ڈولی میں لے آئے تو اپنے ماں باپ سے کہہ دینا کہ ساری عمر پچھتاؤ گے۔

آپ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا ہو گا۔ لڑکے نے اپنے ماں باپ کو بتایا۔ اُس کے ماں باپ لڑکی کے ماں باپ سے شکایت کرنے آئے اور کہا کہ وہ ایسی بے حیا لڑکی کو قبول نہیں کریں گے۔

یہ رشتہ بھی ٹوٹ گیا۔ لڑکی کی زبان کھل گئی تھی۔ وہ فطرتاً دلیر بھی تھی۔ وہ جس گھر میں جاتی یہی کہتی — "میرا منگیتر مہدی ہے۔ وہ زندہ ہے۔ وہ آئے

گا اور میری ڈولی لے جائے گا"۔

معلوم ہُوا کہ اُس کے ماں باپ نے تعویز اور ٹونے ٹوٹکے بھی کیے مگر لڑکی پر کچھ اثر نہ ہُوا۔ پیروں اور عاملوں نے اس کے گھر جا کر اس کے ارد گرد لکیریں کھینچیں اور پھونکیں ماریں مگر لڑکی نے لکیروں کا حصار توڑ دیا اور پھونکیں اس کے دل کی آگ کو بھڑکاتی رہیں، بجھا نہ سکیں۔ آخر لڑکی کو پاگل قرار دے دیا گیا اور اس کے رشتے کے امیدواروں نے اس کے گھر جانے سے توبہ کر لی۔

میں نے آ کر یہ باتیں سنیں تو مجھے بہت دکھ ہُوا۔ میں تو مطمئن تھا کہ میری واپسی تک وہ دو بچوں کی ماں بن چکی ہوگی۔ میں اس کی خاطر عائشہ کو تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مجھے گاؤں کی ہر عورت ملی، یہ لڑکی مجھے ملنے یا دیکھنے نہ آئی۔ حالانکہ میری غیر حاضری میں وہ میری ماں کے پاس آتی رہتی تھی اور وہ میرے تایا کی بیٹی تھی۔ میری ماں اور میری بہن کہتی تھیں کہ لڑکی کے دماغ پر اثر ضرور ہے لیکن وہ پاگل ہرگز نہیں۔ صحیح عقل کی باتیں کرتی ہے۔

☆

مجھے گاؤں میں آئے ساتواں آٹھواں روز تھا۔ میں کھیتوں کو نکل گیا اور میری سابق منگیتر میرے سامنے آ گئی۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں اس کے ساتھ کیا بات کروں۔ میں اس سے شرمسار تھا۔ وہ میرے سامنے آ کر رک گئی۔ شاید وہ میرے ساتھ بات کرنے کے لیے ہی کھیتوں میں آئی تھی۔

"میں نے کہا نہیں تھا کہ میں ساری عمر تمہارا انتظار کروں گی؟" ۔۔۔ اُس نے عجیب سی مسکراہٹ سے کہا ۔۔۔ "اور تم اسے لے آئے۔ یہ بہت خوبصورت ہے۔ تم نے جسم دیکھا ہے۔ چہرہ دیکھا ہے۔ اکیلے آتے اور میرا دل دیکھتے"۔

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے" ۔۔۔ میں نے اُسے سمجھانے کے لہجے میں کہا۔ "اسے اب میں چھوڑ تو نہیں سکتا۔ اتنی دُور پردیس سے میرے ساتھ آئی ہے"۔

"وہ دُور پردیس چلی جائے گی" ۔۔۔ اُس نے ایسی آواز میں کہا جس میں درد تھا اور آواز دبی دبی سی تھی۔ اُس نے مجھے نظر بھر کر دیکھا اور آہ بھر کر بولی ۔۔۔ "او ظہدی!"

۔۔۔ اور وہ چلی گئی۔

میرے دل کا سکون تباہ ہو گیا۔ اس احساس نے مجھے پریشان کر دیا کہ میں نے اس لڑکی کے ساتھ ظلم کیا ہے۔

عائشہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ اُس نے کچھ پنجابی الفاظ بھی بولنے شروع کر دیئے تھے۔ گاؤں میں آئے بیس بائیس روز ہو گئے تھے۔ سابق منگیتر کے ساتھ وہی ایک ہی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ مجھے نظر نہ آئی۔

ایک روز عائشہ نے مجھے بتایا کہ اس نے میری منگیتر دیکھی تھی۔

"وہ تو بڑی خوبصورت لڑکی ہے" ۔۔۔ عائشہ نے کہا ۔۔۔ "میں نے اسے سلام کیا تو اُس نے نہ سلام کا جواب دیا نہ میرے ساتھ بات کی۔ مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس کے منہ سے آہ نکل گئی"۔

"وہ تمہارے ساتھ بات نہیں کرے گی" ۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔ "اس نے میرے انتظار میں شادی نہیں کی"۔

عائشہ کے منہ سے "اوہ" نکل گئی اور اُس نے کہا ۔۔۔ "اس کی آنکھیں گہری ہیں اور بہت اچھی، لیکن میں اس کی آنکھوں سے ڈر گئی تھی۔ ان کا رنگ کالے سمندر کی طرح ہے"۔

میں ہنس پڑا۔

بیس بائیس روز بعد تین لڑکیاں عائشہ کو اپنے ساتھ کھیتوں کی طرف لے گئیں۔ تھوڑی دُور ایک رہٹ تھا۔ یہ سبزیوں کا باغ تھا۔ اب یہ اُجڑ چکا ہے۔ لڑکیاں عائشہ کو وہاں لے گئیں۔

☆

کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد عائشہ لڑکیوں کے ساتھ اس حالت میں گھر آئی کہ اس کا چہرہ لال سرخ تھا۔ آنکھیں اس سے زیادہ لال تھیں۔ اُسے اُبکائیاں آ رہی تھیں۔ جو لڑکیاں اُسے ساتھ لے گئی تھیں وہ گھبرائی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ باغ میں انہوں نے درختوں سے گری ہوئی خوبانیاں کھائیں۔ عائشہ نے انہیں کہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہ اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ لڑکیاں اس کے ساتھ واپس چل پڑیں۔ راستے میں اُسے اُبکائیاں آنے لگیں۔ اس نے بتایا کہ پیٹ اور سینہ جل رہا ہے۔

عائشہ چارپائی پر گر پڑی۔ وہ بہت زیادہ تلخی محسوس کر رہی تھی۔ اُس سے بہت پوچھا کہ اُسے کیا ہُوا ہے مگر وہ تو بول بھی نہیں سکتی تھی۔ سینے اور پیٹ پر بے چینی سے ہاتھ پھیرتی اور تڑپتی تھی۔

ہسپتال ایک میل دُور تھا۔ ہم چار آدمیوں نے عائشہ کی چارپائی اٹھائی اور ہسپتال کو دوڑ پڑے۔ یہ سرکاری ہسپتال تھا جہاں ایک ہندو ڈاکٹر تھا۔ اُس نے عائشہ کو دیکھا۔ اس کی نبض دیکھی۔ دل پر ہاتھ رکھا اور بولا۔ "یہ تو مر چکی ہے۔"

مجھے چکر آ گیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے عائشہ کے خواب کا کالا سمندر یاد آ گیا۔ ڈاکٹر یہ کہہ کر میرے ہوش ٹھکانے لے آیا۔ "اِسے زہر دیا گیا ہے۔"

"زہر؟" — میری تو جیسے چیخ نکل گئی ہو۔

"لاش یہیں رہنے دو" — ڈاکٹر نے کہا — "پوسٹ مارٹم ہوگا... تم سب برآمدے میں بیٹھ جاؤ۔ میں پولیس کو اطلاع کرتا ہوں۔"

"تھانے مجھے جانے دیں" — میں نے کہا اور میں تھانے چلا گیا۔

تھانیدار کے ساتھ میں واپس آیا تو عائشہ کے چہرے کا رنگ کالے سمندر کی طرح ہو گیا تھا اور اُس کے منہ سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔

"بڑا تیز زہر دیا گیا ہے" — ڈاکٹر نے کہا۔

تھانیدار پرچہ کاٹنے کے لیے میرا بیان لینے لگا۔

□□

تھانیدار

نے مجھے ہسپتال کے برآمدے میں بنچ پر بٹھا لیا اور خود کرسی گھسیٹ کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میرے ساتھ گاؤں کے جو تین آدمی عائشہ کو چارپائی پر ڈال کر لائے تھے، ان کے ساتھ ہسپتال کے ایک ملازم کو میری جگہ چارپائی اُٹھانے کے لیے کہا گیا۔ وہ چارپائی اُٹھا کر مُردہ خانے کی طرف چل پڑے۔ یہ قصبے کا سرکاری ہسپتال تھا۔ مُردہ خانہ جہاں پوسٹ مارٹم ہوتا تھا، ہسپتال سے نصف میل دُور ویران سی جگہ پر تھا۔

مجھے معلوم تھا کہ پوسٹ مارٹم کیا ہوتا ہے۔ لاش کی کھوپڑی کھول کر دماغ دیکھا جاتا ہے۔ پیٹ چیر کر چھیچھڑے، دل، جگر، تلی، معدہ اور اندرونی حصے دیکھے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر لاش کی کھوپڑی اور پیٹ بڑی بیہودگی سے سی دیا جاتا ہے۔ میں نے پوسٹ مارٹم کی ہوئی کئی لاشیں دیکھی تھیں۔ ہمارے علاقے میں خاندانی دشمنی اور ذرا ذرا سی باتوں پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کرتے رہتے تھے۔ میں لڑکپن سے پوسٹ مارٹم کی چیری پھاڑی ہوئی لاشیں دیکھ رہا تھا۔

اگر مجھے تھانیدار وہاں بٹھا نہ لیتا اور اگر وہاں ایک ہیڈ کانسٹیبل اور ایک کانسٹیبل کھڑے نہ ہوتے تو میں دوڑ کر ڈاکٹر سے عائشہ کی لاش چھین لیتا۔ اُسے کہتا کہ تمہیں یقین ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے تو اس کی چیر پھاڑ نہ کرو۔ میں اسے سمندر پار کے جنگلوں کے شیروں اور جاپانی درندوں سے بچا کر لایا ہوں، اور جب میں چیرا پھاڑا گیا تھا تو اس معصوم لڑکی نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔ اس کی لاش مجھے دے دو۔ میں اس کے ساتھ دفن ہو جاؤں گا۔ ہم ملایا کے جنگلوں میں ایک کھوہ میں اکٹھے دفن رہ چکے ہیں۔

میں کچھ بھی نہ کر سکا، کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

عائشہ کی چارپائی میری نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ میں مجبور بیٹھا رہا۔ ڈاکٹر چارپائی کے پیچھے پیچھے ایک کمپاؤنڈر کے ساتھ ہسپتال کے احاطے سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نکل گیا تھا۔

میں اپنی اُس وقت کی حالت بیان نہیں کر سکتا۔ غم کی جو حد ہوتی ہے، میں اس سے بہت دُور نکل گیا تھا۔ اس کے ساتھ غصّہ تھا جو مجھے آگ کی طرح جلا رہا تھا۔ اس میں انتقام کی آگ بھی شامل تھی۔ میں ابھی سوچنے والی ذہنی حالت میں نہیں تھا کہ عائشہ کو زہر کس نے دیا ہوگا۔ میرے اندر یہ آگ لگی ہوئی تھی کہ جس کسی نے زہر دیا ہے، اُسے میں اسی طرح چیروں پھاڑوں گا جس طرح عائشہ کو چیرنے پھاڑنے کے لیے ڈاکٹر لے گیا تھا۔ مجھے اس کا کوئی خیال نہیں تھا کہ روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی ہے۔

☆

"ہوش کرو یار!" — تھانیدار کی آواز مجھے اپنے آپ میں لانے لگی — "فوجی جوان ہو۔ مرد ہو۔ ایک عورت کے پیچھے اپنی یہ حالت کر رہے ہو۔ تم جیسے خوبصورت جوان کے لیے جوان لڑکیوں کی کمی نہیں۔ اِدھر میری طرف توجّہ کرو۔ مجھے کچھ بتاؤ، پھر دیکھو میں زہر دینے والے کی کیا حالت کرتا ہوں۔"

میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ تھانیدار ہندو تھا، سب انسپکٹر گوپال داس۔ پنجابی نہیں تھا۔ ہندوؤں کی طرح ڈھیلا ڈھالا نہیں تھا۔ گٹھے ہوئے جسم اور لمبے قد کا آدمی تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں۔ بارعب چہرہ۔ گڑھ گاؤں کے قریب کے کسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اُس میں تھانیداروں والا رعب تو تھا ہی، اور میں اسے رعب داب والا تھانیدار ہی سمجھتا تھا لیکن اُس نے جب باتیں شروع کیں تو مجھے پتہ چلا کہ اس شخص میں عقل اور دانش ہے، اس میں اچھے بُرے کو سمجھنے کی اہلیّت بھی ہے اور یہ کسی اونچے خاندان کا آدمی ہے۔

اُس نے جب مجھے کہا کہ ہوش کرو یار، تو میں نے چونک کر اس کے منہ کی طرف دیکھا۔ تب مجھے احساس ہُوا کہ میں بچّوں کی طرح بلک رہا ہوں اور مجھے یاد آ گیا کہ میں فوجی جوان ہوں اور تھانیدار نے مجھے تفتیش کے لیے سامنے بٹھا

رکھا ہے۔

میں حقیقت کی دنیا میں واپس آ گیا لیکن میں دم گھٹنے اور حلق میں گولہ سا اٹک جانے کی کیفیت پر قابو نہ پا سکا۔

☆

"کیا تمہیں گاؤں میں پتہ چل گیا تھا کہ تمہاری بیوی کو زہر دیا گیا ہے؟" — تھانیدار نے پوچھا اور میرے جواب سے پہلے ہی کہنے لگا — "حوصلہ اور صبر کرو اور میرے ہر ایک سوال کا جواب سوچ سمجھ کر دو۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے قاتل سے تم انتقام لے سکتے ہو۔ میں اُسے عمر قید نہیں، پھانسی دلاؤں گا۔"

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے زہر دیا گیا ہے" — میں نے جواب دیا — "یہ گاؤں کی لڑکیوں کے ساتھ باہر گئی تھی۔ واپس آئی تو پیٹ اور سینے پر بے چینی سے ہاتھ پھیرتی تھی اور اسے اُبکائیاں آ رہی تھیں۔ شاید بہت زیادہ تلخی محسوس کر رہی تھی۔ تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ بول نہیں سکتی تھی۔ اس کے پیٹ میں پہلا بچّہ پرورش پا رہا تھا۔ یہ دوسرا مہینہ تھا۔ اسے ابتدا میں اُبکائیاں آتی رہی تھیں۔ میں سمجھا کہ باہر جا کر اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ ناچتی کُودتی رہی ہوگی اور کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں ابکائیوں کی یہی وجہ تھی۔ ہم اسے چارپائی پر ڈال کر ہسپتال لائے۔ یہ شاید راستے میں مر گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ مر گئی ہے اور اسے زہر دیا گیا ہے۔"

"لڑکیوں نے کیا بتایا تھا کہ باہر اسے کس طرح تکلیف شروع ہوئی تھی؟"

"وہ اسے ایک باغ میں لے گئی تھیں" — میں نے جواب دیا — "یہ سبزیوں کا باغ ہے اور اس میں آلوچے اور خوبانی کے بھی چند ایک درخت ہیں۔ لڑکیوں نے بتایا کہ خوبانیاں اور آلوچے کھاتے کھاتے میری بیوی نے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

کہا کہ اسے اپنے پیٹ میں سخت درد محسوس ہو رہا ہے۔ اسے ابکائیاں آنے لگیں، پھر اس نے کہا کہ وہ پیٹ میں درد اور باقی جسم میں جلن اور سوئیوں کی طرح چبھن محسوس کر رہی ہے۔ لڑکیاں اسے گھر لے آئیں۔ راستے میں اس کی تکلیف بڑھتی گئی اور گھر آکر یہ حالت ہو گئی کہ اس کی زبان بند ہو چکی تھی اور تلخی یا چبھن بہت زیادہ تھی۔ ابکائیاں بھی آتی تھیں۔ چہرے اور آنکھوں کا رنگ گہرا لال ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کی لاش دیکھی ہے۔ رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔"

"اور ہونٹوں سے جھاگ پھوٹ رہی تھی"۔ تھانیدار نے کہا۔ "یہ جھاگ اور چہرے کا یہ رنگ زہر کی نشانیاں ہوتی ہیں.... اس کا قدرتی رنگ کیسا تھا؟"

"سفید"۔ میں نے جواب دیا۔ "گورا کہہ لیں۔"

"تمہیں کسی پر شک تو ہو گا"۔ تھانیدار نے کہا۔ "ذرا سوچ کر بتاؤ تمہیں کس پر شک ہے۔"

"شک؟" میرے منہ سے یہی ایک لفظ نکلا اور میں سوچ میں کھو گیا۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ مجھ سے یہ سوال بھی پوچھا جائے گا۔ سب سے پہلے میرے ذہن میں میری سابقہ منگیتر کا نام آیا۔ زینب۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یاد آیا کہ تین دن گزرے وہ مجھے کھیتوں میں ملی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ میرا انتظار کرتی رہی اور میں عائشہ کو لے آیا۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میں عائشہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اتنے دُور پردیس سے میرے ساتھ آئی ہے۔

زینب نے کہا تھا۔ "وہ دُور پردیس چلی جائے گی۔"

میں نے اپنی زبان دانتوں تلے دبالی اور میرے ذہن میں ایک ہی بار بہت سے سوال آ گئے۔

کیا زینب نے عائشہ کو زہر دیا ہو گا؟

ان کی ملاقات کہاں ہوئی ہو گی؟

کیا عائشہ نے زینب کے ہاتھ سے کچھ کھایا ہو گا؟

کیا زینب بھی عائشہ کے ساتھ باغ میں گئی تھی اور اُس نے وہاں عائشہ کو کچھ دیا ہے؟

نہیں، نہیں — یہ غلط ہے۔ عائشہ زینب کے گھر نہیں گئی تھی اور جب سے عائشہ میرے ساتھ گاؤں میں آئی تھی زینب ہمارے گھر نہیں آئی تھی۔

☆

زینب کے ساتھ میرے ذہن میں اس کی ماں آ گئی۔ اس پر شک کیا جا سکتا تھا۔ یہ بڑی چالاک اور مکار سی عورت تھی۔ اُس کے دل میں میرے خلاف قہر بھرا ہوا تھا۔ جس طرح مجھے زینب چاہتی تھی، اسی طرح اس کی ماں بھی مجھے بہت پسند کرتی تھی۔ منگنی کے بعد اس نے مجھے اپنے گھر بٹھا کر مجھ پر بہت زور دیا تھا کہ میں جلدی شادی کر لوں۔ اس نے یہاں تک کہا تھا۔ "میری بیٹی تم پر مرتی ہے اور کوئی اس کے سامنے تمہارا نام لیتا ہے تو اس کا چہرہ دمک اٹھتا ہے۔"

میں آپ کو ابتدا میں سنا چکا ہوں کہ جس شان سے یہ لوگ شادی کرنا چاہتے تھے اس کے لیے نہ میرے پاس پیسے تھے نہ میرے ماں باپ کے پاس۔ میں نے کہا تھا کہ میں تین سال بعد شادی کروں گا۔ زینب نے میری بہن سے کہا تھا کہ وہ ساری عمر میرا انتظار کرے گی۔ میں ایسا گیا کہ میرے گھر والوں کو اطلاع ملی کہ میں لاپتہ ہوں اور "شاید" مارا گیا ہوں۔ اس کے باوجود میری منگیتر زینب نے کسی اور سے شادی نہ کی۔ ماں باپ نے اُسے مارا پیٹا۔ آخر گاؤں والوں نے اُسے پاگل قرار دے دیا۔

اگر میں عائشہ کو ساتھ نہ لے آتا تو زینب کی شادی میرے ساتھ ہو جاتی۔ میں مالایا سے بیوی لے کر گاؤں میں آیا تو زینب کی قسمت پر دہر ثبت ہو گئی۔ اس کی ماں کا دل بھی ڈوب گیا۔

زینب نے اپنے ماں باپ کو غم سے بے حال کر دیا تھا۔ اس کی منگنی ایک اور آدمی سے کی گئی تو زینب نے نہ صرف شادی سے انکار کر دیا بلکہ نئے منگیتر سے جا کر کہہ دیا کہ وہ اُس کی ڈولی زبردستی لے گیا تو پھٹائے گا۔ زینب نے اُسے یہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

بھی کہہ دیا ــــ "مہدی زندہ ہے۔ میں اُسی کا انتظار کر رہی ہوں" ــــ منگنی ٹوٹ گئی۔ زینب کو لڑکے والوں نے بے حیا اور بدچلن کہا۔ اس کے ماں باپ کی رسوائی ہوئی۔

مجھے تھانیدار کے سامنے بیٹھے ہوئے خیال آیا کہ زینب کی ماں نے سوچا ہوگا کہ عائشہ کو زہر دے کر ٹھکانے لگا دے، پھر مہدی زینب کے ساتھ شادی کرے گا۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہمارے علاقے میں قتل معمولی سی بات سمجھا جاتا تھا۔ زہر دے کر بھی دشمنوں کو مارا جاتا تھا۔ اب بھی ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔

زینب کی ماں پر شک کیا جا سکتا تھا، مگر میں ایک زنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔

ہمارے ہاں جہاں قتل ہوتے تھے وہاں یہ رواج بھی تھا کہ خاندانی عداوت کی بنا پر اگر کوئی عورت کسی کو قتل کر دے تو سارا گاؤں زنانوں کو تالے لگا لیتا تھا۔ عورت جوان ہو یا بوڑھی، گاؤں کی بیٹی اور گاؤں کی عزت اور آبرو سمجھی جاتی تھی، لہٰذا کوئی بھی برداشت نہیں کرتا تھا کہ گاؤں کی بیٹی کو تھانے اور کچہری چڑھایا جائے۔ صرف اُس عورت کو نہیں بخشا جاتا تھا جو اپنے آشنا سے مل کر اپنے خاوند کو قتل کرا دے یا خود زہر دے دے۔

مجھے زینب کی محبت اور اس کا پاگل پن یاد آ گیا۔ اس نے میری محبت پر اپنی جوانی قربان کر دی تھی۔ وہ خوبصورت اتنی تھی کہ اس کا رشتہ مانگنے والے اپنی ساری جائیداد اُس کے قدموں میں رکھنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ وہ اخلاقی لحاظ سے بہت اچھی تھی۔ عقل والی تھی مگر دل کے ہاتھوں ایسی مجبور ہوئی کہ اُس نے اپنی زندگی برباد کر لی اور بدنامی قبول کر لی۔

میرے لیے یہ بڑا ہی سخت امتحان تھا۔ "تھانیدار کو بتا دوں کہ مجھے اپنی منگیتر اور اس کی ماں پر شک ہے؟"

☆

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

"اتنی لمبی سوچ!" ــــ مجھے تھانیدار کی آواز سنائی دی تو مجھے یاد آیا کہ میں تھانیدار کے سامنے بیٹھا ہوں۔ اُس نے کہا ــــ "اور زیادہ سوچو۔ سارا دن سوچتے رہو اور مجھے ہر اُس مرد اور عورت کا پتہ بتاؤ جس پر تمہیں شک ہے۔ تفتیش کرنا اور قاتل کو پکڑنا میرا کام ہے۔"

"جناب!" میں نے کہا ــــ "مجھے یقین نہیں آتا کہ میری بیوی کو زہر دیا گیا ہے۔ مجھے کسی پر شک نہیں۔"

"ڈاکٹر ہم دونوں سے بہتر جانتا ہے" ــــ تھانیدار نے کہا ــــ "اور میں تم سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہاری بیوی کو زہر دیا گیا ہے۔ میں نے زہر سے مرے ہوئے بہت لوگ دیکھے ہیں۔"

"اسے شاید سانپ یا بچھو نے کاٹا ہو" میں نے کہا۔

"اگر ایسی بات ہوتی تو وہ لڑکیوں کو ضرور بتاتی کہ اُسے سانپ یا بچھو نے ڈس لیا ہے" ــــ تھانیدار نے کہا ــــ "میں تمہارے گاؤں چلوں گا اور ان تمام لڑکیوں کو تفتیش میں شامل کروں گا۔"

میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ زینب اور اس کی ماں پر شک کا اظہار نہیں کروں گا۔ مجھے اپنے تایا کا بھی خیال آ گیا تھا۔ وہ نیک اور شریف آدمی تھا۔ میں اس کے لیے کوئی مصیبت کھڑی کرنے پر تیار نہیں تھا۔

"ڈاکٹر کی رپورٹ کا انتظار کریں" ــــ میں نے کہا ــــ "ہو سکتا ہے وہ کہہ دے کہ سانپ یا بچھو نے کاٹا ہے۔"

"پوسٹ مارٹم رپورٹ شام کو ملے گی" ــــ تھانیدار نے کہا ــــ "میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جتنی دیر میں رپورٹ آتی ہے اتنی دیر میں میں کئی مشتبہ افراد اکٹھے کر لوں گا..... اصل رپورٹ تو تین چار روز بعد ملے گی۔ لاش کے معدے، جگر، اور شاید تلی اور پھیپھڑوں کے ٹکڑے یہاں سے سو سو میل دُور معائنے کے لیے جائیں گے۔ وہاں سے پتہ چلے گا کہ زہر کون سا دیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ آتے تین چار دن لگ جائیں گے۔"

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سبگر کے ٹکڑے؟ عائشہ کے جسم کے اندر کے ٹکڑے نکالے جائیں گے؟

مجھے چکر آ گیا۔ عائشہ کا حسین اور معصوم چہرہ میرے سامنے آ گیا۔ میں نے اس کے سراپا کو دیکھا۔ وہ کھڈ میں کھڑی تھی اور میں کھڈ کے اوپر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ جنگل میں وہ اپنے قدرتی روپ میں تھی۔ اس کے ریشم جیسے بال اس کے سپید اور عریاں کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ کپڑے بالکل معمولی۔ وہ اپنی عمر سے کم، معصوم سی بچی لگتی تھی۔ ہیبت ناک جنگل میں وہ اس دنیا کی جیتی جاگتی لڑکی لگتی ہی نہیں تھی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا تھا کہ یہ کسی بڑی ہی حسین عورت کی روح ہے اور ابھی غائب ہو جائے گی، مگر وہ نہ تو غائب ہوئی نہ اس نے مجھے غائب ہونے دیا۔ میں تو پہلے جاپانیوں کے ہاتھوں پھر شیر کے ہاتھوں اس دنیا سے غائب ہو چلا تھا لیکن یہ معصوم اور مظلوم لڑکی میری زندگی اور موت کے درمیان کھڑی ہو گئی۔

"کیا عائشہ کے اتنے خوبصورت بگر کو ڈاکٹر دو حصوں میں کاٹ دے گا؟" — میں نے اپنے آپ سے کہا — "کیا ڈاکٹر اس کا وہ جگر نکال لے گا جس میں میری محبت تھی؟"

"جناب!" — میں نے تھانیدار سے عورتوں کی طرح روتے ہوئے کہا — "مجھے ڈاکٹر کے پاس جانے دو۔ اُسے کہوں گا کہ اس لڑکی کو زہر دیا گیا ہے۔ اس پر اور ظلم نہ کرو۔ اس کے جسم کو نہ چیرو پھاڑو۔ میرا جگر نکال لو۔"

تھانیدار نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، پھر تھپکی دے کر بولا — "جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اب جوانوں کی طرح اس حقیقت کو قبول کرو۔ ہوش میں آؤ..... مجھے یہ بتاؤ کہ میں نے تمہاری بیوی کی لاش کا چہرہ دیکھا تھا، وہ پنجابن تو نہیں لگتی۔"

"ملایا کی رہنے والی تھی" — میں نے کہا — "میں اُسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ شادی وہیں کی تھی" — پھر میں نے اُسے سنایا کہ عائشہ مجھے کہاں ملی تھی اور ہم نے جنگ کا عرصہ کس طرح گزارا۔

وہ حیران سا ہو کر میرا منہ دیکھنے لگا۔ میں نے اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بھی دیکھی۔ میں سمجھا کہ وہ میری اور عائشہ کی اتفاقیہ ملاقات اور اس کے بعد کے واقعات پر حیران ہو رہا ہے لیکن اس نے جب مجھ پر سوال کئے تو میں سمجھ گیا کہ وہ کیوں مسکرایا تھا۔

"تم نے پہلی بیوی کو طلاق دے دی ہوگی؟" — اس نے پوچھا۔

"میں نے اس سے پہلے شادی نہیں کی تھی" — میں نے جواب دیا۔

"منگنی ہوئی تھی؟"

میں اندر ہی اندر کانپ اٹھا۔ تھانیدار دشمنی کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نہیں" — میں نے اپنے آپ پر قابو پا کر کہا — "میری منگنی بھی نہیں ہوئی تھی۔"

"کسی لڑکی یا اُس کی ماں کے ساتھ تم وعدہ کر گئے تھے کہ شادی اس کے ساتھ کرو گے؟"

"کسی سے نہیں۔"

"کسی لڑکی کے ساتھ تمہارا تعلق تھا؟"

"نہیں" — میں نے جواب دیا۔

"میں ایسے دو کیس دیکھ چکا ہوں" — تھانیدار نے کہا — "دو فوجی باہر سے بیویاں لائے تھے۔ ایک لڑکی برما کی تھی اور دوسری بنگال کی۔ دونوں کی برادریوں نے ان لڑکیوں کو قبول نہیں کیا۔ ان میں سے ایک قتل ہو گئی تھی۔ اس کا خاوند جب جنگ میں گیا تھا تو اس کی منگنی ہو گئی تھی۔ وہ دو سال بعد برما سے بیوی لے آیا۔ دس بارہ روز بعد لڑکی کی لاش ایک کھڈ میں پڑی ملی۔ دوسرے گاؤں میں بنگالن کو گھر والوں نے اتنا پریشان کیا کہ اس کا خاوند اسے ساتھ لے کر چھٹی پوری کئے بغیر چلا گیا۔ اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں فوجیوں کی منگنیاں ہو چکی تھیں اور لڑکیوں والے انتظار میں تھے کہ لڑکے آئیں اور شادیاں کی جائیں۔"

تھانیدار کی بات سُن کر بھی میں نے کہا کہ میری نہ منگنی ہوئی تھی نہ شادی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آپ تصور میں نہیں لا سکتے کہ اُس وقت میرے دل کی حالت کتنی بُری تھی۔ کبھی تو تھانیدار کا چہرہ مجھے جھلمل کرتا نظر آنے لگتا جیسے میں پانی میں اُس کے چہرے کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ کبھی اس کی شکل عبدالرحمٰن کے چہرے جیسی ہو جاتی۔ کبھی تو مجھے بولنے میں بھی دقت محسوس ہوتی تھی۔ حلق میں گولہ سا اٹکا ہُوا تھا۔

اگر عائشہ قدرتی موت مرتی تو اس کے مرنے کا غم ہوتا۔ یہ غم بھی میری برداشت سے باہر ہوتا اسے کسی نے زہر دے کر مارا تھا، مگر مجھے جلانے کے لیے آگ کے کچھ اور شعلے بھی بھڑک اٹھے تھے۔ دو لڑکیاں میرے پاس ننگی تلواروں کی طرح لٹک رہی تھیں — ایک وہ لڑکی جو ماری گئی اور دوسری وہ جو زندہ تھی اور تھانیدار اپنے شک کو اُس کی طرف لے جا رہا تھا۔ میں اس شک سے بھاگ رہا تھا۔ میں زینب کا نام زبان پر لانے سے ڈرتا تھا۔ وہ میرے خاندان کی عزت تھی۔

☆

میری ماں، بہن، باپ، تایا اور دو تین اور قریبی رشتہ دار آ گئے۔ وہ عائشہ کو دیکھنے آئے تھے۔ میں انہیں بتانے کے لیے اٹھنے لگا تو تھانیدار نے مجھے روک دیا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ تم یہیں بیٹھے رہو۔ اُس نے جا کر میرے رشتہ داروں کو بتایا کہ عائشہ مر گئی ہے۔ اُس نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ عائشہ کو زہر دیا گیا ہے۔

مجھے اپنے باپ کی گرجدار آواز سنائی دی — "ہماری لڑکی کو زہر دینے والا زندہ نہیں رہے گا۔"

پھر میرے تایا کی گرج سنائی دی — "اوئے، زہر دینے کی جرأت کس نے کی ہے؟ میں اُس کے سارے خاندان کو ختم کر دوں گا۔"

میری ماں، بہن اور دوسرے رشتہ دار بھی بڑے غصّے میں کچھ نہ کچھ بول رہے تھے۔ اُن کی یہ للکار سن کر دل فدا مضبوط ہو گیا۔ تھانیدار نے مجھ پر عجیب پابندی لگا دی تھی کہ میں اپنے رشتہ داروں کے پاس نہیں جا سکتا۔ میرے رشتہ داروں کو اس نے ہسپتال کے لان میں بیٹھنے کو کہا اور میرے پاس آ گیا۔

سورج غروب ہونے میں بہت وقت تھا جب ڈاکٹر آ گیا۔ ہم دونوں اٹھے۔ ڈاکٹر نے وہی بات کہی جو وہ لاش دیکھتے ہی کہہ چکا تھا — "بڑا تیز زہر دیا گیا ہے جس نے حلق سے اترتے ہی اثر کیا ہے۔" اُس نے مجھے کہا — "لاش زیادہ دیر گھر میں نہ رکھنا۔ بڑی جلدی خراب ہو جائے گی۔"

"آپ نے اس کے جسم کے اندرونی حصّے نکالے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر نے مجھے گھور کر دیکھا اور سر ہلا کر اندر چلا گیا۔ اسے ابھی پوسٹ مارٹم رپورٹ لکھنی تھی۔

تھانیدار کاغذی کارروائی کے لیے مجھے تھانے لے جانے لگا۔ چلتے چلتے اُس نے میرے رشتہ داروں سے کہا کہ وہ مردہ خانے سے لاش لے جائیں۔

☆

تھانے میں اس نے کئی ایک کاغذات لکھے۔ مجھ سے کچھ اور پوچھا اور کاغذوں پر میرے دستخط کرائے۔ میری ذہنی حالت ایسی تھی کہ میں نے کچھ بھی نہ پڑھا۔ میں آنسو پونچھ پونچھ کر دستخط کرتا رہا۔ میں گاؤں میں جلدی پہنچنے کی فکر میں تھا مگر میں فارغ ہُوا تو تھانیدار اپنے سات کے تین چار آدمیوں کو ساتھ لے کر میرے گاؤں کو چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ کل آ جائے۔ اُس نے مسکرا کر کہا کہ اسے اب گاؤں میں رہ کر تفتیش مکمل کرنی ہو گی۔ میں نے اسے پھر بھی روکا۔

"تم نہیں جانتے مہدی!" اُس نے کہا — "مجھے اپنی ڈائری میں لکھنا ہے کہ میں نے اس واردات کی تفتیش فوراً شروع کر دی تھی۔ میرے اوپر انگریز افسر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھ سے اس کوتاہی کی جواب طلبی ہو سکتی ہے کہ میں رات بھر گھر کیوں بیٹھا رہا ہوں اور وقوعہ کی جگہ کیوں نہ پہنچا۔"

اُس وقت مجھے اُس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ مجھے غصّہ آ رہا تھا کہ وہ مجھے عائشہ کے کفن دفن کے انتظام اور رسومات کی مہلت نہیں دے رہا، لیکن ہم لوگوں کو آزادی مل گئی انگریز افسروں کی جگہ پاکستانی افسر آ گئے تو مجھے احساس ہوا کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com

سب انسپکٹر گوپال داس کیوں اُسی وقت میرے ساتھ جانے کو تیار ہوگیا تھا۔ انگریز افسر قتل اور ڈاکے کی تفتیش میں کوتاہی برداشت نہیں کرتے تھے اور تھانیداروں کے لیے مصیبت کھڑی کیے رکھتے تھے۔ آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان میں اپنی پولیس کی کارکردگی کیا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے بادشاہ تھانیدار ہیں۔

تھانے سے ہم ابھی چلے نہیں تھے کہ تھانیدار نے کہا۔ "دیکھو مہدی بھائی! مجھے تم سے ایک اور بات پوچھنی ہے۔ یہ میرے تمہارے درمیان ہے۔ کوئی نہیں سنے گا.... اگر کسی وجہ سے تم نے اپنی بیوی کو خود ہی زہر دیا ہے تو مجھے بتادو۔ میں کیس گول کردوں گا۔ مرنے والی کا ملایا سے کون پیروی کرنے آئے گا۔"

غصے سے میرے دانت بجنے لگے۔ میں نے بڑی ہی مشکل سے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ ایک تو عائشہ مرگئی تھی اور میں ابھی بتا نہیں سکتا تھا کہ آگے چل کر میرا کیا حال ہوگا۔ کیا میں پاگل ہوجاؤں گا یا کسی کو اس شک میں قتل کردوں گا کہ اسی نے عائشہ کو زہر دیا ہوگا۔ اس جذباتی حالت میں یہ ہندو تھانیدار ایسا سوال پوچھ رہا تھا جس نے مجھے باؤلا کردیا۔

"جناب!" میں نے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کو ایسی باتیں پوچھنے کا یہی وقت ملا ہے؟ اتنی لمبی کہانی سنانے کے بعد بھی آپ کو شک ہے کہ اس لڑکی کو میں نے زہر دیا ہوگا جو مجھے موت کے منہ سے نکال لائی تھی؟"

"میری مشکل یہ ہے کہ اس وقت میں خود موت کے منہ میں آگیا ہوں۔"

تھانیدار نے کہا۔ "اگر میں ہر واردات کی تفتیش میں ہر مشتبہ کی لمبی کہانی پر فوراً یقین کرلوں تو میں کسی بھی مجرم کو نہ پکڑ سکوں۔ ابھی میں تم سے ایسی باتیں پوچھوں گا کہ تم میرا سر کھول دینا چاہو گے۔ تمہارے ماتھے پر مجھے یہ لکھا کہیں بھی نظر نہیں آرہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔ میں جو کچھ پوچھوں، بغیر کسی اعتراض کے مجھے بتاتے چلے جاؤ۔ جس طرح تمہاری فوجی

ڈیوٹی میں کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتا، اسی طرح میری ڈیوٹی میں تم گڑبڑ نہیں کرسکتے۔ کروگے تو میرے پاس اس کا انتظام موجود ہے.... میں مان لیتا ہوں کہ تم نے خود اپنی بیوی کو زہر نہیں دیا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری ماں کا، بہن کا، اور تمہارے گھر والوں کا لڑکی کے ساتھ سلوک کیسا تھا؟"

"بہت اچھا تھا"۔ میں نے جواب دیا۔

"مجھے شک ہے"--- تھانیدار نے کہا--- "تمہارے سامنے اسے کچھ نہیں کہتے ہوں گے۔ تمہاری غیر حاضری میں اسے پریشان کرتے رہتے ہوں گے۔ تمہاری برادری اور گاؤں کی لڑکیاں اس کا مزاق اڑاتی ہوں گی"۔

"کیا آپ کو یہ شک ہے کہ میری بیوی کو میرے گھر والوں نے زہر دیا ہوگا"؟

"مجھے یہ بھی شک ہے"۔ اس نے کہا۔ "اور مجھے دوسرا شک یہ ہے کہ اس مظلوم لڑکی نے تنگ آکر خود ہی زہر کھالیا ہے۔"

"وہ زہر کہاں سے لائی ہوگی؟"۔ میں نے کہا۔ "گاؤں میں اس کی کسی کے ساتھ اتنی گہری دوستی تو تھی نہیں کہ وہ اُسے زہر لا دیتا۔ زہر اتنی آسانی سے نہیں ملتا۔"

"چلو، گاؤں سے پتہ چل جائے گا"۔ اس نے کہا۔

ہم گاؤں پیدل جارہے تھے۔ راستے میں تھانیدار نے پھر مجھے کہا کہ اگر میں نے عائشہ کو زہر دیا ہے تو میں صاف بتادوں اور وہ مجھے بچالے گا۔ اُس نے شاید مجھے پھانسنے کے لیے کہا۔ "میں لکھ دوں گا کہ مرنے والی نے اپنے ہاتھوں زہر کھاکر خودکشی کی ہے۔"

☆

وہ مجھے سمجھاتا رہا، میں اُسے سمجھاتا رہا اور میرا گاؤں آگیا۔ تھانیدار نے نمبردار کی ڈیوڑھی میں ڈیرے ڈال دیے۔ میں عائشہ کی میّت دیکھنا چاہتا تھا مگر اس نے اجازت نہ دی۔ وہ مجھے ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبلوں میں بٹھاکر خود نمبردار، چوکیدار اور سفید پوش کو لے کر ڈیوڑھی میں بیٹھ گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

مجھے اپنے گھر سے ایک بھی عورت کے رونے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ گاؤں میں کسی کے گھر ماتم ہو تو عورتیں ساری رات بَین کرتی رہتی ہیں۔ سینہ کوبی بھی کرتی ہیں مگر عائشہ کی میّت پر رونے والا بھی کوئی نہیں تھا۔ اس کے ماتم کے تمام آنسو میری آنکھوں میں اور سارے بَین میرے سینے میں بند تھے اور میرے سینے پر پولیس بیٹھ گئی تھی۔

نمبردار نے باہر آ کر مجھ سے پوچھا کہ عائشہ کے ساتھ کون کون لڑکی گئی تھی۔ میں نے اُسے چار لڑکیوں کے نام بتائے۔ نمبردار چلا گیا اور کچھ دیر بعد چاروں لڑکیوں کو گھروں سے بلا لایا۔ ان کے باپ اور بھائی بھی اُن کے ساتھ تھے۔

تھانیدار نے ڈیوڑھی سے باہر آ کر لڑکیوں اور اُن کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں سے کہا۔ "گھبرائیں بالکل نہیں۔ انہی جیسی ایک لڑکی مر گئی ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ کسی بھی لڑکی کو مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم میری بیٹیاں اور میری بہنیں ہو۔ ہم سب کا فرض ہے کہ قاتل کا پتہ چلائیں اور اُسے سزا دلائیں۔ اگر تم میں سے کسی نے مجھ سے کوئی بات چھپائی تو یہی قاتل تم میں سے بھی کسی کو زہر دے سکتا ہے۔"

اُس نے لڑکیوں کے باپوں اور بھائیوں کو الگ تسلیاں دیں اور ایک لڑکی کو اندر لے گیا۔ کوئی ایک گھنٹہ بعد یہ لڑکی باہر آئی تو دوسری کو اندر بلایا۔ اس طرح اُس نے ہر لڑکی سے پوچھ گچھ کی۔ کسی لڑکی کو وہاں سے جانے نہ دیا گیا۔

مجھے بعد میں جو معلوم ہوا تھا وہ یوں ہے کہ تھانیدار نے ہر لڑکی سے ایک ہی جیسی باتیں پوچھیں۔ مثلاً یہ کہ باغ میں جا کر وہ کیا کرتی رہیں۔ ان میں ایک لڑکی اُس آدمی کی بیٹی تھی جس کا یہ باغ تھا۔ آلوچے اور خوبانیوں کا موسم تھا۔ لڑکیاں یہ دونوں پھل درختوں سے توڑ توڑ کر کھاتی رہیں۔ انہوں نے

وہاں رہٹ بھی چلایا اور پانی پیا تھا۔

"عائشہ تم سے الگ بھی ہوئی تھی؟"۔۔۔ تھانیدار نے ہر ایک لڑکی سے پوچھا۔

سب نے یہی ایک جواب دیا کہ وہاں گھنے اور اونچے پودے تھے۔ شاید وہ کسی وقت الگ ہو گئی ہو۔ ان پودوں کے پیچھے لڑکی آسانی سے چھپ سکتی تھی۔

"باغ میں یا اس کے ارد گرد تم نے کسی مرد یا عورت کو دیکھا تھا؟"۔۔۔ تھانیدار نے پوچھا۔

سب نے کہا کہ انہوں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ باغ کے مالک کی لڑکی نے بتایا کہ باغ کا مالی یا مزارعہ اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ وہیں رہتا ہے۔ وہ خود وہاں نہیں تھا۔ اُس کی بیوی تھوڑی دیر کے لیے لڑکیوں کے پاس آئی تھی اور چلی گئی تھی۔

☆

تھانیدار نے چاروں لڑکیوں کو اندر بلا کر اکٹھا بٹھا لیا اور ان سے کہا کہ وہ ذہن پر زور دیں اور جو ذرا ذرا سی بات یاد آتی ہے، وہ بتائیں۔ مجھے بعد میں بتایا گیا کہ تھانیدار نے بڑی عقلمندی اور بڑے ہی اچھے سلوک سے لڑکیوں کے دلوں سے گھبراہٹ نکالی اور ان کی زبان سے باتیں کہلواتا رہا۔ وہ ان سے سوال جواب اور جرح کرتا رہا۔

نئی بات یہ معلوم ہوئی کہ جب عائشہ نے لڑکیوں کو بتایا تھا کہ اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے تو اس وقت لڑکیاں رہٹ کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔ عائشہ جس طرف سے آ رہی تھی، ادھر اونچے پودے تھے۔ وہ پودوں کے پیچھے سے نکلی تھی۔

"اس وقت تم میں سے کسی نے ادھر سے جدھر سے عائشہ آ رہی تھی، کسی کو جاتے دیکھا تھا"؟

www.iqbalkalmati.blogspot.com

لڑکیوں نے یاد کرنے کی کوشش کی، یہ اسی روز کا واقعہ تھا۔ پھر بھی نوجوان لڑکیاں جو ہنسنے کھیلنے گئی تھیں، ذرا ذرا سی باتیں کیسے یاد رکھ سکتی تھیں۔ یہ تھانیدار کا کمال تھا کہ اس نے انہیں یاد کرنے میں مدد دی اور ایک لڑکی کو یہ یاد آ گیا کہ جب عائشہ ان کی طرف آ رہی تھی اس وقت باغ کے مزارعہ کی بیوی ادھر سے اپنے مکان کی طرف جا رہی تھی۔

''اس کے ہاتھ میں کوئی برتن یا پیالہ تھا''؟

یہ کسی بھی لڑکی کو یاد نہ آیا۔

''عائشہ تم سے کتنی دیر الگ رہی تھی''؟

''خاصی دیر الگ رہی تھی''۔

''وہ مزارعہ کی بیوی کے ساتھ اس کے مکان تک تو نہیں گئی تھی''؟

لڑکیوں نے یہ نہیں دیکھا تھا۔ لڑکیوں نے یہ بھی محسوس نہ کیا کہ عائشہ کچھ دیر سے ان کے ساتھ نہیں۔ باغ سے باہر دو کتے لڑ رہے تھے۔ دونوں خونخوار اور لڑاکے تھے۔ لڑکیاں ان کی لڑائی دیکھنے لگی تھیں۔

''عائشہ جب تمہارے ساتھ گھر سے چلی تھی، اس وقت وہ خوش تھی یا اداس تھی''؟

وہ بہت خوش تھی۔ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ پہلی بار گاؤں کی لڑکیوں کے ساتھ باہر نکلی تھی اس لیے بہت خوش تھی، بلکہ لڑکیوں سے زیادہ ناچتی کودتی اور قہقہے لگاتی تھی۔

''یہ قدرتی بات ہے کہ تم نے اس سے پوچھا ہوگا کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ خوش ہے اور ساس اور سسر کا اس کے ساتھ کیسا سلوک ہے''؟

لڑکیوں نے اس سے پوچھا تھا، بلکہ اسے چھیڑتی بھی رہی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ خاوند کے ساتھ تو وہ بہت ہی خوش ہے کیونکہ یہ اس کی اپنی پسند کا خاوند ہے اور ساس اور سسر بھی اس کے ساتھ پیار اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔ ان سے بھی وہ بہت خوش تھی۔

☆

لڑکیوں کو آدھی رات کے قریب چھٹی دی گئی۔ اس دوران نمبردار کہیں چلا گیا تھا۔ وہ آیا اور اندر تھانیدار کے پاس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد تھانیدار نمبردار کے ساتھ معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔ مجھے بعد میں خیال آیا کہ وہ دونوں گاؤں کے کسی ایسے آدمی کے پاس چلے گئے تھے جو پولیس کا مخبر تھا، لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ مخبر ہے۔ مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھا۔

وہ بہت دیر بعد واپس آئے۔ تھانیدار مجھے ڈیوڑھی میں لے گیا۔ نمبردار باہر رہا۔

''مہدی خان!''— تھانیدار نے کہا— ''اب مجھے اس کی وجہ بتاؤ کہ تم نے یہ جھوٹ کیوں بولا ہے کہ تمہاری منگنی نہیں ہوئی تھی؟ مجھے ایسا جواب دو کہ میں مان جاؤں''۔

''جواب بڑا صاف ہے جناب!''— میں نے کہا— ''جس کے ساتھ میری منگنی ہوئی تھی، وہ میری تایا کی بیٹی ہے میں کبھی برداشت نہیں کروں گا کہ آپ میرے خاندان کی لڑکی کو تھانے میں متشبہ بٹھا لیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے میری بیوی کو زہر نہیں دیا''۔

''تم فوجی بیوقوف ہو''— تھانیدار نے کہا— ''تمہیں اپنے خاندان کی عزت کا خیال ہوتا تو ملایا سے بیوی نہ لے آتے''۔

''مجھے یقین تھا کہ میری منگیتر کی شادی ہو چکی ہوگی''۔ میں نے کہا۔

''میں اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا کہ تم نے کیا سوچ کر وہاں سے اپنے لیے لڑکی پسند کر لی تھی''— اس نے کہا— ''میں نے تمہیں بیوقوف اس لیے کہا ہے کہ تم صرف اس لیے یقین کیے بیٹھے ہو کہ تمہاری منگیتر نے تمہاری بیوی کو زہر نہیں دیا کہ وہ تمہاری تایا زاد ہے۔ میں نے سگی بہنوں کو اپنے بھائیوں کی بیویوں کو زہر دیتے اور قتل کرتے دیکھا اور پکڑا ہے.... مہدی بھائی! یہ ملایا کا جنگل نہیں۔ یہاں تم اپنی کوئی حرکت اور کوئی بات نہیں چھپا سکتے''۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

"جناب!" — میں نے جھنجلا کر کہا — "وہ پاگل ہو چکی ہے۔ وہ زہر نہیں دے سکتی۔ اگر اُسے زہر مل جاتا تو وہ خود کھا لیتی۔"

"اُسے خود زہر کھانے کی ضرورت نہیں تھی" — تھانیدار نے کہا اور منہ میرے منہ کے قریب کر کے رازداری کے لہجے میں بولا — "کیونکہ تم اس سے کھیتوں میں چھپ کر ملتے ملاتے رہتے ہو۔ تم ایک پردیسی لڑکی کو بیوی بنا کر لائے اور یہاں دوسری لڑکی کے ساتھ عشق شروع کر دیا۔"

مجھے اس قدر غصہ آیا کہ میرے ہاتھ کانپنے لگے لیکن مجھے معلوم تھا کہ تھانیدار کیا کچھ کر سکتا ہے۔ وہ اپنی ڈیوٹی کا اتنا سخت تھا کہ نہ خود آرام کر رہا تھا نہ کسی اور کو آرام کرنے دے رہا تھا۔ رات کا آخری پہر آ گیا تھا۔

"آپ مجھ پر غلط الزام نہ لگائیں" — میں نے اسے کہا — "میری اس کے ساتھ کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"تین دن پہلے تم کھیتوں میں اُس کے ساتھ دیکھے گئے ہو" — تھانیدار نے کہا۔

"اسے آپ ملاقات نہ کہیں" — میں نے کہا — "میں کھیتوں کی طرف گیا۔ وہ سامنے آ گئی۔ میں اس کے پاس پورے دو منٹ بھی نہیں رہا۔"

"تم دونوں کو اونچی فصل میں سے نکلتے دیکھا گیا ہے" — اُس نے کہا — "مہدی خان! مجھے چکر دینے کی کوشش نہ کرو۔ تم بہت دیر تک اس کے ساتھ فصل میں چھپے رہے ..... مجھے صحیح بات بتا دو۔ میں اب بھی تمہیں موقعہ دے رہا ہوں۔"

میں نے قسمیں کھا کھا کر اُسے بتایا کہ وہ اچانک سامنے آ گئی تھی۔ اُسے جس کسی نے بتایا تھا کہ میں زینب سے ملا تھا، وہ بھی اپنی جگہ سچا تھا۔ زینب جب مجھے ملی تھی تو میں نے اُسے فصل کی اوٹ میں کر لیا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ گاؤں کے لوگوں کی زبانیں لمبی اور بے اختیار ہوتی ہیں۔ بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ مجھے یہ تو خیال ہی نہیں تھا کہ گاؤں کے ماحول میں کسی کی کوئی حرکت اور کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔

میں اپنے خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اُس کے ساتھ میری اتنی ہی

ملاقات ہوئی تھی جو میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ ایسے ہُوا ہو گا کہ جب ہم فصل کی اوٹ سے نکلے تو کسی نے دیکھ لیا ہو گا اور وہ یہی سمجھا ہو گا کہ ہم بہت دیر سے فصل میں چھپے بیٹھے ہیں اور اس سے یہ رائے قائم کر لی گئی کہ میری اور زینب کی چوری چھپے کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔

"چلو، میں مان لیتا ہوں، اس سے تمہاری یہی ایک ملاقات ہوئی تھی" — تھانیدار نے کہا — "یہ بتا دو کہ اس کے ساتھ تمہاری کیا باتیں ہوئی تھیں۔"

"اُس نے کہا تھا کہ میں تمہارا انتظار کرتی رہی اور تم اسے لے آئے" — میں نے جواب دیا — "میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ اتنے دور پردیس سے میرے ساتھ آئی ہے۔"

میں نے وہ بات دل میں رہنے دی جو زینب نے کہی تھی کہ وہ دور پردیس چلی جائے گی۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تھانیدار ایسی باتوں کو زیادہ پکڑتا تھا جو میری نظر میں معمولی یا بے معنی تھیں۔ تھانیدار نے مجھ پر جھوٹا الزام عائد کر کے مجھے گرا دیا تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ اسے ایسی کوئی بات نہیں بتاؤں گا جس سے یہ زینب کو بلا کر شتبہ بٹھا سکے۔

"تمہاری اس بات کے جواب میں اُس نے کچھ کہا ہو گا" — تھانیدار نے کہا — "مہدی! اب میں تمہیں زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دوں گا۔ وہ وقت گزر گیا ہے۔ اب یوں کرو کہ میں جو پوچھوں، فوراً جواب دو..... ہاں..... اب بتاؤ، اُس نے کیا کہا تھا۔"

"کچھ نہیں" — میں نے جواب دیا — "وہ ٹھنڈا سانس بھر کر چلی گئی تھی۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ اُس نے جو سانس بھرا وہ ٹھنڈا تھا، گرم نہیں تھا؟" — تھانیدار نے پوچھا۔

"میں آپ کا سوال سمجھا نہیں" — میں نے کہا۔

"تم سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے" — تھانیدار نے کہا — "تم مجھے گمراہ کر رہے ہو۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ اُس کے چہرے پر غصہ تھا، افسوس تھا اور وہ سر

www.iqbalkalmati.blogspot.com

جھکا کر آہستہ آہستہ چلی گئی تھی یا غصے سے بہت تیز تیز چلتی ہوئی گئی تھی۔"

"وہ افسوس میں تھی"۔۔۔ میں نے جواب دیا اور کہا ۔۔۔" میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس لڑکی نے میرے ساتھ اپنا وعدہ کس طرح نبھایا ہے"۔۔۔ میں نے اسے پوری کہانی سنائی کہ زینب نے میرے انتظار میں کیا کیا اور اپنی کیا حالت بنالی۔ میں نے تھانیدار سے کہا ۔۔۔" اس لڑکی کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔"

"بھئی یار، دماغ تمہارا بھی ٹھیک نہیں"۔۔۔ تھانیدار نے کہا ۔۔۔" پاگل ہوش کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ میں تمہیں دو باتیں صاف بتا دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ تمہاری تائی بہت چالاک عورت ہے۔ اس نے عورتوں سے کہا تھا کہ وہ تمہاری بیوی کو اپنے سامنے گاؤں میں آباد نہیں ہونے دے گی۔ تمہارا تایا جتنا شریف آدمی ہے، تمہاری تائی اتنی ہی فریبی اور مکار ہے..... دوسری بات یہ کہ تمہاری پہلی منگیتر کی دوستی ایک ایسی عورت کے ساتھ ہے جو ہر الٹا سیدھا کام کر سکتی ہے۔"

"کون ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے سامنے آجائے گی"۔۔۔ تھانیدار نے کہا "میں نے تمہیں جو باتیں بتا دی ہیں، وہ کوئی تھانیدار مشتبہ کو نہیں بتایا کرتا۔

''میں مشتبہ ہوں''؟ ۔۔۔ میں نے پوچھا۔

''جی ہاں!'' ۔۔۔ اس نے کہا ۔۔۔ ''تم اب مشتبہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ مرنے والی کو زہر تمہاری تائی نے دلوایا ہے، یا تم اپنی پہلی منگیتر کے قبضے میں آگئے اور تم نے خود عائشہ کو زہر دیا ہے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ جرم کا وزن خود قبول کرو اور مجھے بتا دو۔ اب بھی تمہارے بچنے کا وقت ہے، یا وزن اپنی پہلی منگیتر اور اس کی ماں پر ڈالو۔ صرف یہ کہہ دو کہ تمہیں ان پر شک ہے۔"

"جناب!"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔" یہ میں بھی جانتا ہوں کہ میری منگیتر کی ماں چالباز عورت ہے، لیکن آپ یہ سوچیں کہ وہ میری بیوی کو کہاں اور کس طرح زہر دے سکتی ہے۔"

تھانیدار ہنس پڑا اور بولا ۔۔۔" مجھے سوچنے کے لیے نہ کہو۔ میں وہ کچھ بھی سوچ چکا ہوں جو تمہارے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے۔ میں جو کہتا ہوں وہ کرو۔"

"نہ جناب!"۔۔۔ میں نے کہا ۔۔۔" آپ مجھے گرفتار کرنا چاہیں تو کریں، میں اپنے اتنے اچھے اور اتنے شریف تایا کی بے عزتی نہیں ہونے دوں گا۔ بیٹی کے غم نے اس کی کمر توڑ رکھی ہے۔ آپ مجھے تھانے لے چلیں، الٹا لٹکا دیں، جو جی میں آئے کریں۔ میں جن پر پہلے ہی ظلم کر چکا ہوں، ان پر اور کوئی آفت نازل نہیں کروں گا۔"

"تم باہر بیٹھو"۔۔۔ اس نے دوستانہ لہجے میں کہا ۔۔۔" پھر دیکھنا کہ میں جب یہاں سے تھانے جاؤں گا تو میرے ساتھ یہاں سے کون کون جائے گا۔"

میں باہر ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبلوں کے پاس بیٹھ گیا۔ تھانیدار باہر نکلا۔ ہیڈ کانسٹیبل، نمبردار اور چوکیدار کو ساتھ لے کر کہیں چلا گیا۔

☆

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ میرا تایا اپنی بیٹی زینب کے ساتھ آرہا تھا۔ ان کے ساتھ ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ دونوں کو ڈیوڑھی کے باہر ایک چارپائی پر بٹھا دیا گیا۔ ہمیں آپس میں بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

صبح طلوع ہو رہی تھی۔ دھند لکہ صاف ہو رہا تھا۔ میرا باپ آیا لیکن ہیڈ کانسٹیبل نے اسے میرے پاس نہ آنے دیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میرا باپ یہ کہنے آیا تھا کہ عائشہ کی میت بہت خراب ہو گئی ہے۔ قبر رات کو تیار ہو گئی تھی۔ جنازہ ابھی اٹھا دیا جائے۔

میں نے ہیڈ کانسٹیبل کی منت سماجت کی کہ مجھے جنازے کے ساتھ جانے دیا جائے۔ اس نے کہا کہ تھانیدار کا حکم بڑا سخت ہے اور یہ تھانیدار فرض کا اتنا پکا ہے کہ اجازت نہیں دے گا۔

تھانیدار وہاں تھا ہی نہیں۔ میں مجبور تھا۔ ہیڈ کانسٹیبل سے کہا کہ میرے باپ سے کہہ دو کہ جنازہ لے جائیں۔ اس کے بعد میری جو حالت ہوئی وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ملایا کا گھنا جنگل میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جوں جوں میرے

www.iqbalkalmati.blogspot.com

آنسو بہتے جا رہے تھے، یہ جنگل میری نظروں میں نکھرتا جا رہا تھا۔ عائشہ نے اس جنگل میں مجھے خدا کا راستہ دکھایا تھا۔ میرے اندر جو گناہگار اور ہوس کار فوجی جوان تھا، اُسے عائشہ نے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ عائشہ نے مجھے خدا کے قریب کر دیا تھا اور خود مجھ سے اتنی دُور چلی گئی کہ میں چند قدم تک اُس کے ساتھ نہ جا سکا۔

مجھے یاد آیا کہ مجھے ملایا کے جنگل میں ایک جھونپڑے میں قرآن مجید پڑا ملا تھا۔ میں نے یہ ویسے ہی کھولا تو میری نظر اس آیت پر پڑی تھی کہ ہم تجھ سے غافل نہیں، ہم تمہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے جنہیں تو پہچان لے گا۔

میں اس سوچ میں ڈوب گیا، کیا عائشہ خدا کی ایک مقدس نشانی تھی جو مجھے سیدھا راستہ دکھا کر خدا کے پاس چلی گئی ہے؟ میں عالم نہیں تھا۔ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ سوچ پر جذبات کا آسیب سوار تھا۔ میں روتا رہا۔ اندر ہی اندر کُڑھتا اور جلتا رہا، اور عائشہ کا جنازہ لے گئے۔

مجھے تھانیدار پر غصہ تو بہت تھا لیکن آج بھی اُس کی اور اُس وقت کی پولیس کی تعریف کرتا ہوں کہ ہمارے علاقے میں اور ہمارے گاؤں میں پولیس کے مخبر موجود تھے جنہوں نے رات ہی رات تھانیدار کو سب کچھ بتا دیا تھا اور تھانیدار کو نہ نیند کا احساس تھا نہ آرام کا، اور اُس نے ایسا کوئی اشارہ نہ دیا کہ اُس کی مٹھی گرم کر دی جائے تو وہ ٹل جائے گا، حالانکہ اُس کے لیے یہ بالکل آسان تھا کہ لکھ دیتا کہ مرنے والی نے خود زہر کھایا ہے مگر وہ تو رات ہی رات تفتیش مکمل کر کے مجرم کو گرفتار کر لینے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔

☆

تھانیدار جب واپس آیا اُس وقت سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ باغ کا مزارعہ اور اُس کی بیوی تھی۔ اس عورت کے متعلق میں اتنا ہی جانتا تھا کہ اچھی شکل اور دلکش جسم کی خوش طبع عورت ہے۔ اُس وقت اُس کی عمر تیس سال کے

لگ بھگ تھی۔ اس کا خاوند سیدھا سادا دیہاتی، محنت مزدوری میں مگن رہتا تھا۔ اس کی بیوی کے متعلق مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ درپردہ پیغام رسانی کرتی اور اپنی ذات کے مردوں کو اپنے قبضے میں رکھتی ہے۔ مختصر یہ کہ وہ اچھی شہرت کی عورت نہیں تھی۔

میرا تایا اپنی بیٹی کے ساتھ مجھ سے ذرا پرے چارپائی پر بیٹھا تھا۔ بے چارہ بہت پریشان تھا۔ زینب کو میں نے کئی بار دیکھا۔ اُس کے چہرے پر نیند کا اثر تھا اور وہ بہت بے چین نظر آ رہی تھی۔

تھانیدار آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ باغ کے مزارعہ کی بیوی تھی۔ شاید اسے دیکھ کر زینب چارپائی سے اٹھی۔ میں نے اُسے دیکھا۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ اس کے چہرے کا رنگ لاش کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ وہ تھانیدار کی طرف دیکھتی رہی۔ تھانیدار قریب آیا تو زینب اچانک چیخ مار کر دوڑ پڑی۔

تھانیدار نے کہا۔ "پکڑو اِسے"

وہ اُس کے پیچھے دوڑا۔ ہیڈ کانسٹیبل اور کانسٹیبل بھی اس کے پیچھے گئے۔ میں ان سب سے آگے نکل گیا۔ زینب گاؤں سے نکل کر کھیتوں میں چلی گئی۔ وہ دوڑی جا رہی تھی۔ معلوم نہیں اُس کی ٹانگوں میں اتنی طاقت اور اتنی تیزی کہاں سے آ گئی تھی۔ وہ مجھ جیسے فوجی کو بھی نہیں پہنچنے دے رہی تھی۔

وہ رُک گئی اور مٹی کے ڈھیلے اُٹھا اُٹھا کر ہمیں مارنے لگی۔ وہ بولتی کچھ بھی نہیں تھی۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے چیخ مارتی تھی۔ ہم سب نے اُسے گھیر لیا۔ وہ ہمیں ڈھیلے مارتی رہی۔ ایک بار وہ جھکی تو تھانیدار نے اُسے پیچھے سے پکڑ لیا۔ آپ یقین کریں کہ لڑکی نے گوپال داس جیسے تنومند مرد کو ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا۔ پھر میں نے اسے پکڑا۔ میں تو اُس سے ڈر گیا۔ اس کا جسم لوہے کی طرح ہو گیا تھا۔

اس کی یہ جسمانی حالت نارمل نہیں تھی۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ جب عورت کو ہسٹریا کا دورہ پڑتا ہے یا جن کا قبضہ ہوتا ہے تو اس عورت میں اتنی طاقت آ جاتی ہے کہ تین چار مرد مل کر بھی اُسے نہیں سنبھال سکتے۔ یہی حالت زینب کی ہو گئی تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

اُسے ہم سب نے بڑی مشکل سے قابو میں کیا۔ اُس نے سب کے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹنے کی کوشش کی۔ اُس کے منہ میں ہیڈ کانسٹیبل کا بازو آگیا۔ ہیڈ کانسٹیبل چیخ اُٹھا۔ تھانیدار نے زینب کی ناک بند کردی اور میں نے اُس کی شہ رگ دبائی تو اُس کا منہ کھل گیا۔ ہیڈ کانسٹیبل کے بازو سے خون کا فوارہ پھوٹا۔ زینب کے دانت اس کے بازو میں گہرے اُتر گئے تھے۔ زینب کے ہونٹوں اور دانتوں پر اتنا خون لگ گیا تھا کہ دیکھ کر ڈر آتا تھا۔ وہ چڑیلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔ سارا گاؤں تماشہ دیکھنے کو جمع ہوگیا تھا۔

زینب کو گھسیٹ کر اور دھکیل کر گاؤں میں لائے۔ یہاں اُس نے چلّا چلّا کر کہنا شروع کردیا۔ "مہدی کی کوئی بیوی زندہ نہیں رہے گی"۔ اس کے بعد وہ ننگی گالیاں بکنے لگی۔

اُس کی ماں آگئی۔ اس نے ہم سب کو گالیاں دینی شروع کردیں۔ وہ اپنی بیٹی کی طرف لپکتی تھی اور اُسے لوگ پیچھے کو گھسیٹتے تھے۔ میں خود پاگل ہُوا جارہا تھا۔ خاندان کی بے عزتی میری وجہ سے ہو رہی تھی اور یہ تماشہ میری وجہ سے بنا تھا۔ میں زینب اور اُس کی ماں کو پولیس سے بچانا چاہتا تھا مگر وہاں کچھ اور ہی حالات پیدا ہوگئے۔

☆

زینب کو نمبردار کی ڈیوڑھی میں لے گئے اور چارپائی پر بٹھادیا۔ اسے کچھ سکون آگیا تھا۔ میں نے اپنی پگڑی سے اس کا منہ صاف کیا۔ وہ بالکل نہیں ہلی۔ میں اُس کا منہ صاف کرچکا تو زینب نے اچانک چیخ ماری، اٹھی اور اپنی بغلیں پھاڑ کر ننگی ہوگئی۔ تھانیدار نے کہا اسے پکڑو مت، کرنے دو جو کرتی ہے۔

اس کے جسم سے چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے

ازار بند کھولا اور جب اُس نے شلوار نیچے سرکائی تب میں اُسے پکڑنے کو آگے بڑھا مگر وہ شلوار میں سے نکل کر بجلی کی سی تیزی سے ڈیوڑھی سے نکل گئی۔

وہ بالکل پاگل ہوچکی تھی۔ ان حرکتوں کے علاوہ میں نے اس میں پاگل پن کی جو نشانی دیکھی وہ یہ تھی کہ اُس کے منہ سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔

باہر جو آدمی موجود تھے، انہوں نے زینب کو پکڑ لیا مگر وہ ہر کسی کو کاٹتی تھی۔ غیر مرد اُسے اس لیے بھی ہاتھ لگانے سے ڈرتے تھے کہ وہ ننگی تھی۔ میرے تایا نے اُسے پکڑا۔ اُس کی ماں بھی آگئی لیکن وہ ہم میں سے جیسے کسی کو بھی پہچان نہیں رہی تھی۔

معلوم نہیں کس نے بڑی بلند آواز سے ہم سب کو گالی دے کر کہا کہ یہ تو پاگل ہوگئی ہے اسے گھر لے جاکر باندھ دو اور کسی پیر فقیر کو بلاؤ۔

پھر ایسا ہی کیا گیا۔ زینب پر دو چادریں پھینک کر اس کا جسم ان میں لپیٹا اور چار آدمیوں نے اُسے اِس طرح اٹھایا کہ اس کے بازو اور ٹانگیں جکڑ کر رکھیں۔ اس کے منہ اور سر کو بھی ہم نے چادر میں لپیٹ دیا تھا تاکہ کسی کو کاٹ نہ سکے۔ اُسے ہم اُس کے گھر لے گئے۔ چارپائی پر ڈالا اور اس کے بازو اور ٹانگیں چارپائی کے بازوؤں کے ساتھ باندھ دیں۔ دیہات میں آج بھی پاگل کا یہی علاج ہوتا ہے۔ اس کی ماں بَین کرنے لگی۔ وہ مجھے اور میرے پیدا کرنے والوں کو گالیاں بھی دے رہی تھی۔

نمبردار کی ڈیوڑھی قریب ہی تھی۔ وہاں سے بھی مجھے گالی گلوچ اور للکار سنائی دی۔ میں اور میرا باپ دوڑتے ہوئے گئے تو وہاں کچھ اور ہی منظر بنا ہُوا تھا۔ تھانیدار، ہیڈ کانسٹیبل اور تین کانسٹیبل ڈیوڑھی کے دروازے کے ساتھ کھڑے تھے۔ ان کے سامنے میرا باپ، میرے دو ماموں زاد بھائی اور قریبی برادری کے تین چار آدمی لاٹھیاں لیے کھڑے تھے اور پولیس کو بڑے غصّے سے کوس رہے تھے۔ نمبردار اور سفید پوش اور گاؤں کے تین بزرگ انہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com

پیچھے ہٹا رہے تھے۔

ہمارے خاندان کی غیرت بیدار ہو گئی تھی۔ انہیں یہ شک تھا کہ زینب کو پولیس نے رات کو ڈیوڑھی میں بلایا تھا اور رات کو لڑکی کے ساتھ بُرا سلوک کیا گیا ہے اس لیے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔

تھانیدار عقلمند تھا۔ اُس نے اِن لوگوں کو تھانیداری کے رُعب سے چُپ کرانے کی کوشش نہ کی، حالانکہ ہمارے آدمی مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے اور تھانیدار کی بے عزتی بھی کر رہے تھے۔ میں اور تایا آئے تو تھانیدار نے ہم دونوں سے کہا کہ ان آدمیوں سے پوچھو کہ رات کو میں نے لڑکی کے ساتھ بات بھی کی ہے؟ تھانیدار نے یہ بھی کہا — "اور انہیں یہ بھی بتلاؤ کہ میں ان سب کو بلوے کے جُرم میں گرفتار کر لوں گا۔ میں صرف اس لیے شرافت سے پیش آ رہا ہوں کہ اس گاؤں میں ماتم ہو رہا ہے اور ایک جوان لڑکی ہلاک ہو گئی ہے۔"

میرے اور تایا کے کہنے سے اِن سب کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

☆

یہ ہنگامہ رفع دفع ہوا تو تھانیدار نے پوچھا کہ باغ کے مزارعہ کی بیوی کہاں ہے — وہ وہاں نہیں تھی۔ زینب کے پیچھے بھاگتے دوڑتے اور اُسے سنبھالنے کے دوران یہ عورت وہاں سے غائب ہو گئی تھی۔ اس کا خاوند وہیں تھا۔ اس سے پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

چوکیدار کو باغ کی طرف دوڑا دیا گیا۔ گاؤں میں گھر گھر سے پتہ کیا گیا۔ اُس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ایک بچی نے بتایا کہ وہ فلاں طرف جا رہی تھی۔ اتفاق سے دو آدمی جو ہمارے کاموں کے قریب سے گذر رہے تھے، تماشہ دیکھنے رُک گئے۔ انہیں پتہ چلا کہ ایک عورت بھاگ گئی ہے تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اسی سمت جو بچی نے بتائی تھی، ایک عورت کو بہت تیز تیز جاتے، پیچھے دیکھتے اور گھبراہٹ کے عالم میں جاتے دیکھا تھا۔ انہوں نے اُس کا حلیہ صحیح بتایا۔

اس کے خاوند نے کہا کہ وہ اپنے میکے گاؤں چلی گئی ہو گی۔ سمت جو بتائی گئی تھی وہ اس کے میکے گاؤں کی سمت تھی۔ فوراً تین گھوڑیاں تیار کر کے دو کانسٹیبلوں اور نمبردار کو اس سمت بھگا دیا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد اس عورت کو لے آئے۔ وہ نمبردار کی گھوڑی پر سوار تھی اور نمبردار باگیں پکڑے ہوئے پیدل آ رہا تھا۔ عورت کا حلیہ بتا رہا تھا کہ اسکے ساتھ دھینگا مشتی کی گئی ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ لال تھا اور کپڑوں پر مٹی لگی ہوئی تھی۔

معلوم ہوا کہ وہ اپنے گاؤں کا آدھا راستہ طے کر چکی تھی۔ اپنے پیچھے سواروں کو آتے دیکھ کر وہ دوڑ پڑی۔ اس نے ایک ٹیلے سے چھلانگ لگائی۔ یہ مٹی کا ٹیلہ تھا اور نیچے کچی مٹی تھی۔ گھوڑے سواروں نے دوسری طرف سے گھوڑیاں نیچے اتاریں۔ بہت تلاش کے بعد وہ ایک کھوہ میں چھپی ہوئی مل گئی۔

اس نے رونا چلانا شروع کر دیا نمبردار اور کانسٹیبلوں کو اس نے بڑے دلکش لالچ دیئے۔ اس نے نمبردار کو کانسٹیبلوں سے الگ کر کے کہا کہ وہ گاؤں کی جس لڑکی یا عورت کی طرف اشارہ کرے، وہ اسے اس کے ساتھ باغ میں ملا دے گی۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اسے بھاگ جانے دیا جائے۔

اس کی شرط کسی نے نہ مانی۔ وہ بیٹھ گئی۔ اسے نمبردار نے گھسیٹا بھی، مارا پیٹا بھی اور بڑی مشکل سے اسے گھوڑی پر بٹھا کر لائے۔

تھانیدار اسے ڈیوڑھی میں لے گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ اس عورت کے خلاف دو باتیں واضح ہو چکی تھیں ایک یہ کہ زینب رات بھر ڈیوڑھی کے باہر آرام سے بیٹھی رہی۔ وہ اس وقت بھاگی اور پاگل ہوئی جب اس نے اس عورت کو تھانیدار کے ساتھ آتے دیکھا۔ اس دوران یہ عورت بھاگ گئی۔

کوئی ایک گھنٹے بعد تھانیدار باہر نکلا۔ اس نے نمبردار اور ہیڈ کانسٹیبل کو بلایا۔ انہیں کچھ کہا۔ خود ڈیوڑھی میں چلا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

نمبردار اور ہیڈ کانسٹیبل وہاں سے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک آدمی کو ساتھ لائے۔ میں اس کا اصلی نام نہیں لکھوں گا۔ اسے آپ سلطان کہہ لیں۔ یہ میری عمر کا جوان آدمی تھا۔ میری ہی ذات برادری کا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اسے کیوں بلایا گیا ہے۔

☆

ایک گھنٹہ اور گزرا ہوگا کہ تھانیدار باہر نکلا۔ اُس کے حکم پر سلطان کو ہتھکڑی لگائی گئی۔ اس کے گھر کی تلاشی لی گئی۔ باغ میں جا کر پولیس نے مزارعہ کے گھر کی تلاشی لی۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہاں کیا کچھ برآمد ہُوا۔

پولیس ان دونوں کو اپنے ساتھ لے گئی۔ تھانیدار نے مجھے یہ رعایت دی کہ میں اگلی صبح تھانے پہنچ جاؤں۔

میں دوڑتا ہُوا عائشہ کی قبر پر گیا اور میں شام تک قبر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ مجھے گھر والے اُٹھنے اور گھر چلنے کو کہتے رہے لیکن میں ہر کسی سے لاتعلق ہو گیا تھا۔ میں قبر پر لیٹ بھی گیا تھا اور تصوّرات مجھے اُس کھڈ میں لے گئے جہاں قبر جیسی ایک کھوہ میں میری اور عائشہ کی محبّت نے جنم لیا تھا اور ہمارے بڑے ہی خوفناک سفر کا آغاز ہُوا تھا۔

تصوّرات میں کوئی کب تک زندہ رہ سکتا ہے۔ مجھے حقیقی زندگی میں واپس آنا پڑا اور شام کو گھر اور برادری والے مجھے اُٹھا لائے اور میں اگلی صبح تھانے چلا گیا۔

تھانیدار تھانے میں سے نکل رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ہیڈ کانسٹیبل اور چار کانسٹیبل تھے اور ان کے ساتھ سلطان بھی تھا جسے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ تھانیدار نے مجھے کہا کہ وہ میرے گاؤں جا رہا ہے۔ میں اگر چاہوں تو اس کے ساتھ جا سکتا ہوں اور اگر پسند کروں تو تھانے میں اس کا انتظار کروں۔ میں نے تھانے میں انتظار کرنا بہتر سمجھا۔

تین چار روز مجھے تھانے میں حاضری دینی پڑی۔ اس دوران زینب کی حالت وہی رہی۔ اسے رسّیوں میں جکڑ کر چارپائی پر رکھا گیا۔ پیر اور عامل آتے

رہے اور اس پر دم درود کرتے رہے، مگر اس کی حالت بگڑتی گئی۔ وہ آزاد ہونے کو تڑپتی تھی اور رات کو ایسی چیخیں مارتی تھی کہ مرد بھی ڈر جاتے تھے۔

وہ کچھ بھی نہیں کھاتی تھی۔ سوتی بھی نہیں تھی۔ تین چار دنوں میں وہ لاش بن گئی۔ ساتویں یا آٹھویں رات تھی۔ اس کی چیخیں نہ سنائی دیں۔ اس کے گھر والے سو گئے۔ انہیں اطمینان سا ہُوا کہ زینب سو گئی ہے۔ صبح اٹھے تو دیکھا کہ وہ مری پڑی تھی۔

میرے ضمیر پر قتل کے جُرم کا بوجھ آ پڑا۔ میں اپنے آپ کو اس طرح لعنت ملامت کرنے لگا جیسے زینب کو میں نے قتل کیا ہو۔

اب وہ قبریں تھیں جن پر میں ہر روز فاتحہ پڑھتا اور خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا تھا۔

✪

پھر تفصیل سے پتہ چلا کہ عائشہ کو زینب نے زہر دلایا تھا۔ باغ کے مزارعہ کی بیوی نے پہلے ہی روز ہمارے نمبردار کی ڈیوڑھی میں اقبالِ جُرم کر لیا تھا۔ تھانیدار نے لڑکیوں سے کرید کرید کر پوچھا تھا کہ جب عائشہ کو باغ میں تکلیف ہوئی تو وہ کہاں تھی؟ کدھر سے آئی تھی اور لڑکیوں کے علاوہ وہاں اور کون تھا؟ تھانیدار کو لڑکیوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے مزارعہ کی بیوی کو اِدھر سے اپنے مکان کی طرف جاتے دیکھا تھا۔ تھانیدار کو اس سے شک ہُوا۔

اس شک کو پختہ مخبروں نے کیا جو ہمارے گاؤں میں موجود تھے۔ مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھے۔ انہوں نے تھانیدار کو اُسی وقت بتا دیا تھا کہ زینب اور مزارعہ کی بیوی کو کھیتوں میں اور باغ کے قریب اکٹھے کھڑے دیکھا گیا ہے۔ عائشہ کے گاؤں میں آنے سے پہلے زینب اور اس عورت کو کبھی اکٹھے نہیں دیکھا گیا تھا۔ ان دونوں کو مخبروں نے اس لیے خاص طور پر دیکھا تھا کہ زینب خوبصورت لڑکی تھی اور یہ عورت اچھے چال کی نہیں تھی۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انہیں اکٹھے دیکھ کر یہی خیال آتا تھا کہ یہ عورت زینب کی دوستی کسی کے ساتھ کرا رہی ہے۔

اس عورت نے اپنے اقبالِ جرم میں کہا کہ عائشہ کے آنے کے بعد زینب نے اُس کے ساتھ میل ملاقات شروع کی تھی۔ زینب آسودہ حال باپ کی بیٹی تھی۔ وہ اس عورت کو پیسے دیتی رہی۔ آخر اُسے کام یہ بتایا کہ عائشہ کو زہر دینا ہے۔

زہر حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ کام کوئی مرد کر سکتا تھا۔ اس عورت کو معلوم تھا کہ سلطان زینب کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ اُس نے اس عورت سے کئی بار کہا تھا کہ زینب سے بات کرا دو لیکن یہ عورت زینب سے ڈرتی تھی۔

اب زینب ایک مسئلہ لے کر اس عورت کے پاس گئی تو اس عورت نے اُسے کہا کہ جس آدمی سے زہر منگوایا جائے گا وہ کوئی قیمت مانگے گا۔ زینب نے کہا کہ وہ قیمت دے گی۔ اُس کا خیال تھا کہ قیمت روپوں پیسوں میں ہوگی۔

اس عورت نے ایک دو روز میں زینب کو بتایا کہ سلطان زہر لا دے گا لیکن وہ کہتا ہے کہ زینب خواہ درپردہ شادی کے بغیر میری ہو جائے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ شادی کے لیے رضامند ہو جائے اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا۔

سلطان کی توقع بے بنیاد نہیں تھی۔ اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر زینب کا رشتہ مانگتا تو زینب کے ماں باپ ہاتھ جوڑ کر اسے رشتہ دے دیتے کیونکہ گاؤں میں اب کوئی لڑکا اور کوئی گھرانہ زینب کا رشتہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

مزارعہ کی بیوی نے زینب کو سلطان کی شرط بتائی تو زینب نے کہا کہ اُسے شرط منظور ہے۔ پہلے سلطان زہر لا دے تاکہ عائشہ کو ختم کر کے وہ اپنا سینہ ٹھنڈا کر لے۔ سلطان جوانی کے جنگل کا درندہ تھا۔ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ زینب میرے لیے پاگل ہو رہی ہے، وہ کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔ اُس نے زہر لا کر ان عورتوں کو دینے کے نتائج پر بھی غور نہ کیا۔

سلطان نے تھانے میں اقبالِ جرم کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ زینب اس کے دماغ پر اس قدر سوار تھی کہ اس نے کچھ بھی نہ سوچا اور وہ سنیاسیوں کے

ڈیرے سے منہ مانگی قیمت دے کر زہر لے آیا۔ سنیاسی نے اُسے کہا تھا کہ اس میں "کوڑیوں والے" سانپ کا زہر بھی ملا ہُوا ہے۔ ہمارے علاقے میں کوڑیوں والے سانپ کو سب سے زیادہ زہریلا سمجھا جاتا ہے۔

✪

سلطان نے زہر مزارعہ کی بیوی کو دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ عائشہ کو زہر کس طرح دیا جائے۔ دو ہی روز بعد زینب کو ایک لڑکی نے بتایا کہ وہ کل عائشہ کو باغ میں لے جا رہی ہیں۔

زینب نے مزارعہ کی بیوی کو جا بتایا کہ کل عائشہ لڑکیوں کے ساتھ باغ میں آ رہی ہے۔ عائشہ کو اگلے روز موت باغ میں لے گئی۔ وہاں مزارعہ کی بیوی زہر دینے کا موقع دیکھنے لگی جو اُسے ممکن نظر نہ آیا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکیوں کی توجہ کتوں کی لڑائی کی طرف ہو گئی۔ اُس وقت عائشہ اکیلی خوبانی کے ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ اُسے شاید خوبانیاں زیادہ پسند تھیں۔

مزارعہ کی بیوی نے اسے دیکھ لیا۔ اس کے گھر کچھ خوبانیاں پڑی تھیں۔ اس نے دو خوبانیوں کو کھول کر ان میں زہر ڈالا اور انہیں بند کر کے عائشہ کے پاس گئی اور ہنستے ہنستے بڑے پیار سے اُسے دونوں خوبانیاں کھلا دیں۔

اس عورت نے بتایا کہ عائشہ نے خوبانیاں کھا تو لیں لیکن اُس نے بُرا سا منہ بنا لیا۔ اُسے ذائقہ پسند نہیں آیا تھا۔ اس عورت نے اسے دو تین اچھی خوبانیاں کھلا دیں۔

✪

زہر اس قدر تیز تھا کہ چند منٹوں میں عائشہ کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ وہ لڑکیوں کی طرف آئی اور مزارعہ کی بیوی اپنے مکان کی طرف چلی گئی۔

سلطان نے اقبالِ جرم کر لیا تھا۔ دونوں کو عمر قید کی سزا ہوئی۔

میری جوانی جنگل میں گم ہو گئی۔ میرے جذبات مر گئے۔ میرے ماں باپ اس غم میں مر گئے کہ میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ مجھے شادی کے نام سے ہی نفرت ہو گئی تھی۔ میں نے اپنا دھیان اللہ کی طرف کر لیا تھا۔ اسی کے بھید پانے کی کوشش

www.iqbalkalmati.blogspot.com

انہیں اکٹھے دیکھ کر یہی خیال آتا تھا کہ یہ عورت زینب کی دوستی کسی کے ساتھ کرا رہی ہے۔

اس عورت نے اپنے اقبالِ جرم میں کہا کہ عائشہ کے آنے کے بعد زینب نے اُس کے ساتھ میل ملاقات شروع کی تھی۔ زینب آسودہ حال باپ کی بیٹی تھی۔ وہ اس عورت کو پیسے دیتی رہی۔ آخر اُسے کام یہ بتایا کہ عائشہ کو زہر دینا ہے۔

زہر حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ یہ کام کوئی مرد کر سکتا تھا۔ اس عورت کو معلوم تھا کہ سلطان زینب کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہے۔ اُس نے اس عورت سے کئی بار کہا تھا کہ زینب سے بات کرا دو لیکن یہ عورت زینب سے ڈرتی تھی۔

اب زینب ایک مسئلہ لے کر اس عورت کے پاس گئی تو اس عورت نے اُسے کہا کہ جس آدمی سے زہر منگوایا جائے گا وہ کوئی قیمت مانگے گا۔ زینب نے کہا کہ وہ قیمت دے گی۔ اُس کا خیال تھا کہ قیمت روپوں پیسوں میں ہوگی۔

اس عورت نے ایک دو روز میں زینب کو بتایا کہ سلطان زہر لا دے گا لیکن وہ کہتا ہے کہ زینب خواہ درپردہ شادی کے بغیر میری ہو جائے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ شادی کے لیے رضامند ہو جائے اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا۔

سلطان کی توقع بے بنیاد نہیں تھی۔ اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر زینب کا رشتہ مانگتا تو زینب کے ماں باپ ہاتھ جوڑ کر اسے رشتہ دے دیتے کیونکہ گاؤں میں اب کوئی لڑکا اور کوئی گھرانہ زینب کا رشتہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

مزارعہ کی بیوی نے زینب کو سلطان کی شرط بتائی تو زینب نے کہا کہ اُسے شرط منظور ہے۔ پہلے سلطان زہر لا دے تاکہ عائشہ کو ختم کر کے وہ اپنا سینہ ٹھنڈا کر لے۔ سلطان جوانی کے جنگل کا درندہ تھا۔ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ زینب میرے لیے پاگل ہو رہی ہے، وہ کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔ اُس نے زہر لا کر ان عورتوں کو دینے کے نتائج پر بھی غور نہ کیا۔

سلطان نے تھانے میں اقبالِ جرم کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ زینب اس کے دماغ پر اس قدر سوار تھی کہ اس نے کچھ بھی نہ سوچا اور وہ سنیاسیوں کے ڈیرے سے منہ مانگی قیمت دے کر زہر لے آیا۔ سنیاسی نے اُسے کہا تھا کہ اس میں "کوڑیوں والے" سانپ کا زہر بھی ملا ہوا ہے۔ ہمارے علاقے میں کوڑیوں والے سانپ کو سب سے زیادہ زہریلا سمجھا جاتا ہے۔

✪

سلطان نے زہر مزارعہ کی بیوی کو دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ عائشہ کو زہر کس طرح دیا جائے۔ دو ہی روز بعد زینب کو ایک لڑکی نے بتایا کہ وہ کل عائشہ کو باغ میں لے جا رہی ہیں۔

زینب نے مزارعہ کی بیوی کو جا بتایا کہ کل عائشہ لڑکیوں کے ساتھ باغ میں آ رہی ہے۔ عائشہ کو اگلے روز موت باغ میں لے گئی۔ وہاں مزارعہ کی بیوی زہر دینے کا موقع دیکھنے لگی جو اُسے ممکن نظر نہ آیا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکیوں کی توجہ کتوں کی لڑائی کی طرف ہو گئی۔ اُس وقت عائشہ اکیلی خوبانی کے ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ اُسے شاید خوبانیاں زیادہ پسند تھیں۔

مزارعہ کی بیوی نے اسے دیکھ لیا۔ اس کے گھر کچھ خوبانیاں پڑی تھیں۔ اس نے دو خوبانیوں کو کھول کر ان میں زہر ڈالا اور انہیں بند کر کے عائشہ کے پاس گئی اور ہنستے ہنستے بڑے پیار سے اُسے دونوں خوبانیاں کھلا دیں۔

اس عورت نے بتایا کہ عائشہ نے خوبانیاں کھا تو لیں لیکن اُس نے بُرا سا منہ بنا لیا۔ اُسے ذائقہ پسند نہیں آیا تھا۔ اس عورت نے اسے دو تین اچھی خوبانیاں کھلا دیں۔

✪

زہر اس قدر تیز تھا کہ چند منٹوں میں عائشہ کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ وہ لڑکیوں کی طرف آئی اور مزارعہ کی بیوی اپنے مکان کی طرف چلی گئی۔

سلطان نے اقبالِ جرم کر لیا تھا۔ دونوں کو عمر قید کی سزا ہوئی۔

میری جوانی جنگل میں گم ہو گئی۔ میرے جذبات مر گئے۔ میرے ماں باپ اس غم میں مر گئے کہ میں نے دوسری شادی نہیں کی۔ مجھے شادی کے نام سے ہی نفرت ہو گئی تھی۔ میں نے اپنا دھیان اللہ کی طرف کر لیا تھا۔ اسی کے بھید پانے کی کوشش

www.iqbalkalmati.blogspot.com

میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔

عائشہ کی موت کے تیرہ چودہ سال بعد ایک روز سنا کہ مزارعہ کی بیوی قید کاٹ کر آئی تھی۔ بہت بوڑھی نظر آتی تھی۔ اس کا خاوند مر چکا تھا۔ اس کے بچے جوان ہو کر کہیں چلے گئے تھے۔ وہ بھی کہیں چلی گئی۔ میں نے اس کی صورت نہ دیکھی۔

سلطان واپس نہیں آیا۔ کوئی کہتا تھا جیل میں مر گیا ہے لیکن دو آدمی پورے یقین سے بتاتے ہیں کہ اُسے لاہور داتا دربار کے باہر منگوں کے بھیس میں دیکھا گیا ہے

□□

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com